



1041

---





سلسلہ اشاعت انجمن ترقی اردو اسلامیہ کالج لاہور

# پنجاب میں اردو

از

جناب حافظ محمود خاں صاحب شیرانی

پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور و لیکچرر پنجاب یونیورسٹی

جسکو

میاں نور محمد علی کے اگلاں سہیلی سیکرٹری انجمن ترقی اردو لاہور

نے  
حسب ایماۓ مجلس انتظامیہ انجمن مذکور

اپنے اہتمام سے شائع کیا



# انتساب

آجکل پنجاب میں اردو زبان اور اس کے علم و ادب سے جو غیر معمولی دلچسپی نظر آتی ہے اس کی تہمید میں سب سے زیادہ

میرے دیرینہ محرم خان بہادر سر شیخ عبدالقادر بی۔ اے  
بیرسٹریٹ لاء ممبر پنجاب لیجسلیٹو کونسل  
کی خدمات زبان و ادب کا حصہ ہے اسلئے

میں اس ناچیز تابعین کے انتساب کے لئے جواز اول تا آخر  
پنجاب اور اردو کے باہمی تعلقات کے تذکروں سے لبریز  
ہے۔ آپ ہی کے نام نامی کو ملغراے عنوان بنانے کی عزت  
حاصل کرتا ہوں۔!

محمود شیرانی



SEP 1997

# عرضِ حال

2002-2003

اس تالیف میں اردو زبان کی قدامت پر مختلف پہلوؤں سے روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے خصوصاً ان مسائل پر جن کی رو سے پنجاب، اس زبان کی ابتدا، اور اس کی نشوونما کا گہوارہ مانا جاسکتا ہے۔

اردو زبان کے آغاز کا سر زمین پنجاب سے منسوب ہونا، کوئی نیا نظریہ یا عقیدہ نہیں ہے۔ اس سے پیشتر پیٹت کیفی (بعقیدہ خود مذاق کے طور پر) اور شیر علی خاں صاحب سرخوش اپنے پر لطف تذکرہ ”عجائب سن“ میں اس قسم کے خیالات کا اظہار کر چکے ہیں مگر اس کتاب میں، اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ نظر ڈالی گئی ہے۔

اس تالیف کا نام اسکے آخری باب ”پنجاب میں اردو“ کی رعایت سے رکھا گیا ہے، جو تمام و کمال پنجاب کے اردو گو شعرا کے ذکر و اذکار سے مملو ہے۔

یہاں مجھے اس شکریہ کے اظہار سے بھی عہدہ برا ہوتا ہے، جو اس کتاب کی تالیف کے سلسلے میں بعض حضرات کی معاونت کی طرف سے مجھ پر عائد ہوتا ہے۔

اس نہرت میں سب سے پہلا نام میرے کالج تائش دوست پر ونیسر سراج الدین آذر ام۔ اسے کا ہے۔ جن کے نفیس کتب خانہ کا دروازہ ہمیشہ میرے لئے کھلا رہا اور جنکی نادر کتابوں سے اس سلسلہ میں میں نے بہت کچھ مفید مطلب سرا بہ اخذ کیا ہے۔ ان کے بعد مجھے مولوی محبوب عالم صاحب مالک و مدیر ”پسہ اخبار“۔ جناب شیرعلین نصاب سرخوش جناب غلام دستگیر صاحب تاشی میاں حفظ الرحمن صاحب منہاس اور عبد الباق صاحب بی۔ اسے کا ذکر کرنا ہے۔ جنکی قیمتی امداد کا شکریہ، میری دلی مسرت اور خوش وقتی کا باعث ہے۔

محمود شیرانی

اسلامیہ کالج لاہور

# فہرست مطالب

صفحہ نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر شمار	مضامین
۳۱	لاہور میں لٹریچر	۱-۵	مقدمہ
۳۲	مسعود رازی	۶-۱۰	اردو
۳۳	ابوالفرج رونی	۱۱	وجہ تشبیہ
۳۴	شیخ اسماعیل	۱۲	اردو بازار
۳۵	ابوریحان البیرونی	۱۳	رہنیت کی وجہ تشبیہ
۳۵	ہندی زبان کے ترجمان	۱۴	رہنیت کے معنی
۳۶	حکیم سنائی	۱۵	اصطلاح عبارت
۳۷	عثمان غنی	۱۶	مصدر رہنیت
۳۷	خواجہ سعد سلمان	۱۷	رہنیت، موسیقی کی اصطلاح
۴۰	خلج	۱۸	رہنیت ہندی میں
۴۱	افغان	۱۹	رہنیت یعنی کلام منقول
۴۱	مثنوی سوداگر	۲۰	رہنیت کی تشبیہ
۴۳	پنجاب کی اہمیت	۲۱	رہنیت یعنی اردو
۴۴	غازی ملک تغلق	۲۲	اردو کے اور نام
۴۵	دکن میں اردو	۲۳	زبان دیہوی
۴۷	سید خضر خاں	۲۴	گوہری
۴۸	بہلول لودھی	۲۵	دکنی
۵۰ تا ۵۱	پنجاب	۲۶	زبان ہندوستان
۵۱	مشاہیر پنجاب	۲۷	ہندی و ہندی
۵۲	پنجابی اور ہند	۲۸ تا ۳۰	اردو کا آغاز
۵۳	پنجابی کے مصنفین	۳۱	اردو ہرگز سے نکلی؟
۵۴ تا ۵۵	پنجابی اور اردو	۳۲	دہلی اور پنجاب کے تعلقات
۵۶ تا ۵۷	قدیم اردو پر پنجاب کا اثر	۳۳	عرب سیاحوں کا بیان
۱۰۵	برج بھاشا	۳۴	فارسی پر ہندی اثر
۱۰۷	برج کی بعض خصوصیات	۳۵	غزل نوی عہد

مؤثر	مضامین	صفحه	مؤثر	مضامین	صفحه
۲۲۴	شیخ محمد نور	۴۴	۵۱	مسلمان اور ہندی زبانیں	۱۱۰
۲۲۶	موسیٰ	۴۵	۵۲	پہنچ تراج راسا	۱۲۱
۲۵۰	حضرت غلام قادر شاہ	۴۶	۵۳	امیر خسرو	۱۲۲
۲۵۵	شیخ فقیر الحق	۴۷	۵۴	خانی باری	۱۲۸
۲۵۷	شاہ مراد	۴۸	۵۵	شیخ شرف الدین احمد عیسیٰ منیری	۱۲۲
۲۶۰	محمد جان	۴۹	۵۶	شاہ کبیر یا کبیر داس	۱۲۷
۲۶۲	میان احمد	۵۰	۵۷	شیخ بہار الدین بابن متوفی ۹۱۲ھ	۱۵۵
۲۶۳	محمد	۵۱	۵۸	قطبین	۱۵۷
۲۶۴	بدیع	۵۲	۵۹	شیخ عبدالقدوس گنگوہی متوفی ۱۲۱۱ھ	۱۶۱
۲۶۵	خفیع بیگم	۵۳	۶۰	شاہ علی محمد جوگام دہنی بھارتی	۱۶۳
۲۶۶	میر صاحب	۵۴	۶۱	شیخ خوب محمد چشتی	۱۶۹
۲۶۷	رحمن	۵۵	۶۲	احمد دکنی	۱۷۱
۲۶۸	نعمت اللہ	۵۶	۶۳	شیخ عثمان	۱۷۵
۲۶۹	نامدار خاں دت	۵۷	۶۴	شیخ بہار الدین بنادقی تمنا لکین	۱۷۶
۲۷۳	محمد غوث بٹالوی	۵۸	۶۵	مولانا محمد افضل جھنجھانی بدایونی	۱۷۹
۲۷۸	دل محمد دلا دلیپوری	۵۹	۶۶	محبوب عالم عرف شیخ جیون	۱۹۰
۲۹۰	وارث شاہ	۹۰	۶۷	میر جعفر زلی	۱۹۵
۲۹۱	خوشدل	۹۱	۶۸	سید اٹل نارزلی	۲۰۳
۲۹۲	فدوی لاہوری	۹۲	۶۹	فارسی نث سے اردو کی قدامت کی شہادت	۲۰۵
۲۹۶	حضرت مراد شاہ	۹۳	۷۰	ادوات الفضلا از قاضی بدر الدین دہلوی	۲۱۳
۳۰۱	پیر سکندر شاہ امداد	۹۴	۷۱	زقن گویا از علامہ رشید	۲۱۴
۳۰۲	رام بخش	۹۵	۷۲	تفتیہ الطالبین از قاضی شہ	۲۱۴
۳۰۳	فقیر اللہ	۹۶	۷۳	شرف نامہ احمد منیری	۲۱۵
۳۰۵	رحمت شاہ	۹۷	۷۴	موید الفضلا	۲۱۸
۳۰۷	عبدالرحمن خلدی	۹۸	۷۵	ریاض الادب از عظیم ریاضی	۲۲۰
۳۰۸	غلام قادر جلالپوریہ	۹۹	۷۶	پنجاب میں اردو	۲۲۱ تا ۲۲۳
۳۰۹	نقشہ	۱۰۰	۷۷	شیخ فرید الدین گنج شکر	۲۲۹
۳۱۱	نقشہ	۱۰۱	۷۸	شیخ عثمان	۲۳۲
۳۰۹	پونہقی سلیمانی	۱۰۱	۷۹	شیخ جنید	۲۳۴
۳۱۰	ہزار مسائل	۱۰۲	۸۰	منشی ولی رام	۲۳۵
			۸۱	مولانا عہدی	۲۳۶
			۸۲	ناصر علی سرہندی	۲۴۰
			۸۳	شیخ محمد فضل الدین بٹالوی	۲۴۲

(الف)

# پنجاب میں اردو

## مقدمہ

جب پرنسپل عبداللہ یوسف علی نے مجھے سے اردو کے آغاز و تہ امت کے موضوع پر لکھنے کیلئے ارشاد کیا تو میں نے ان سے عرض کی تھی کہ مضمون اگرچہ دلچسپ ہے لیکن اس پر پہاڑی موجودہ معلومات کی روشنی میں قلم اٹھانا قبل از وقت معلوم ہوتا ہے۔ اور صحیح اطلاعات کی بہرہ ساری کے لئے شاید ابھی ایک عرصہ درکار ہوگا۔

اردو کی خدمات

ہم اردو کے آغاز کو شاہجہاں یا اکبر کے دربار الہیگر گاہوں کے ساتھ وابستہ کرنے کے عادی ہیں۔ لیکن یہ زبان اس زمانہ سے

بہت زیادہ قدیم ہے بلکہ میرے خیال میں اس کا وجود انہی ایام سے ماننا ہوگا جب سے مسلمان ہندوستان میں آباد ہیں اردو کی خدمات کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوگا کہ گجرات و دکن میں اس زبان میں دسویں صدی ہجری کی ابتداء یعنی بابر کی آمد کے قبل، ادبیات کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے اور فارسی لغات کی شہادت سے جو نویں صدی ہجری میں ہندوستان میں لکھی جاتی ہیں، صاف واضح ہوتا ہے کہ اردو زبان ان ایام میں تمام اسلامی ہندوستان میں سمجھی جاتی تھی۔ یہ لغات نگار اس کو ہندی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اور ہندی سے ان کا مقصد یہی زبان ہے جسے ہم اردو کہتے ہیں۔

بھاشا کا نقل اردو سے

ہم اردو کو برج بھاشا کی مٹی سمجھتے رہے ہیں! لیکن جب ان دونوں زبانوں کی صرف و نحو، اور دوسرے خط و خال اور خصائص پر غور کیا جاتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے رستے مختلف ہیں! اردو، جہاں اپنے اسماء و افعال کو الف پر ختم کرتی ہے، برصغیر و اوپر ختم کرتی ہے۔ برصغیر میں جمع کا طریقہ بہت سادہ اور سہل ہے، لیکن اردو میں بہت پیچیدہ ہے۔ اردو میں مرکب افعال کا مع تواریفات کے بہت رائج ہے۔ بھاشا میں یہ بات موجود نہیں ہے۔ اس لئے اردو کو بھاشا سے کوئی تعلق نہیں۔ ان میں ماں بیٹی کا رشتہ نہیں ہے بلکہ بہنوں بہنوں کا۔

## (ب)

اردو کا ارتقا | کہا جاتا ہے کہ مغربی ہندی، جس کی پہچ بھاشا، ہریانائی، راجستھانی، کس زبان سے ہوا؟ پنجابی اور اردو شاخیں ہیں۔ قدیم پراکرت سمواہر اسمینی کی یاد رکھیے!

لیکن جس زبان سے اردو ارتقا پاتی ہے وہ نہ برج ہے نہ ہریانائی اور نہ نقوی ہے بلکہ وہ زبان ہے جو صرت دہلی اور میرٹھ کے علاقوں میں بولی جاتی تھی۔ ہمیں تحقیق معلوم نہیں کہ جب مسلمان دہلی میں آباد ہوئے اس وقت اس علاقہ میں کیا زبان بولی جاتی تھی؟ آج دیکھا جاتا ہے کہ دہلی کے قریب ہی میں زبانوں یعنی ہریانائی، برج اور راجستھانی کا سنگم ہوتا ہے اور اگر پیرسن نے توصیف دہلی کو ہریانائی زبان کے علاقہ میں شامل کر دیا ہے مگر راقم کی رائے میں ہریانائی کوئی علیحدہ زبان کہلانے کی مستحق نہیں ہے بلکہ وہ پُرانی اردو ہے یعنی وہی اردو ہے جو گیارہویں صدی ہجری میں خود دہلی میں بھی بولی جاتی تھی۔

اس میں اور اورادیں بہت کم فرق ہے۔ اگر ہم اس کو اردو نہ مانیں تو اردو کی شاخ ماننے میں تو ہمیں غلط نہیں ہونا چاہئے۔ بہر حال یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ زبان اسلامی دور میں دہلی کے اثرات میں بنتی ہے۔

مسلمانوں کی آمد کے | اب سوال یہ رہتا ہے کہ دہلی میں مسلمانوں کی آمد کے کتنے کتنی زبان بولی جاتی تھی؟ وقت دہلی کی زبان | یا وہ راجستھانی ہوگی یا برج! اس میں شک نہیں کہ آج دہلی میرٹھ مطلقاً نہ

سہارنپور یا دوسرے الفاظ میں، ایں کہنا چاہئے کہ وہاں اس اردو بولی جاتی ہے۔ لیکن آج تین صدی پیشتر، اس علاقہ کی یہ زبان نہ تھی، بلکہ یہاں برج کا طوطی بول رہا تھا! مغللوں کی آمد کے

وقت گنگوہ ضلع سہانپور میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی دہلی کے علاقہ سے تعلق رکھتے تھے یہاں آج اردو مادری زبان ہے لیکن وہ اپنے ہندی اشعار ایسی زبان میں لکھتے ہیں

جو برج کے مقابل ہے۔ علی ہذا، مخدوم بہار الدین بھٹاوی، برناوہ ضلع میرٹھ کے ہیں، لیکن ان کے ہندی اشعار قطعاً برج میں ہیں! اس سے ظاہر ہے کہ وہ آج بھی برج زبان ہی مستعمل تھی۔ اردو نے

ان علاقوں سے رفتہ رفتہ برج کو خارج کر دیا ہے جس طرح ہریانہ کے علاقہ سے ————— ! یہ بات ہمیں یاد رکھنی چاہئے کہ امیر خسرو دہلی کی زبان کو ”دہلوی“ لکھتے ہیں۔ ابوالفضل بھی

آئین اکبری میں اسکو ”دہلوی“ کے نام سے یاد کرتا ہے! اب شیخ باجن دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) بھی اسکو ”دہلوی“ کہتے ہیں۔ اور جو نمونہ اس زبان کا دیتے ہیں وہ قطعاً اردو ہے ————— !

اردو دہلی میں کس طرح | اردو، دہلی کی قدیم زبان نہیں ہے، بلکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ دہلی میں جاتی ہے۔ پہنچتی ہے؟ کیا پنجاب؟ اور چونکہ مسلمان پنجاب سے ہجرت کر کے جاتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ وہ

پنجاب سے کوئی زبان اپنے ساتھ لیکر گئے ہوں!

(ج)

اس نظریہ کے ثبوت میں اگرچہ ہمارے پاس کوئی قدیم شہادت یا سند نہیں۔ لیکن سیاسی اقتدار اور زبان کی ساخت نیز دوسرے حالات ہمیں اس عقیدہ کے تسلیم کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ !

شہادت لسانی اور اردو اس کے متعلق شہادت لسانی کافی ہے۔ ! ہم دیکھتے ہیں کہ اردو اپنی وطنی پنجابی کی مماثلت

صفت و نحو میں لسانی زبان کے بہت قریب ہے۔ "دونوں میں اسما و افعال کے خاتمہ میں الف آتا ہے، دونوں میں جمع کا طریقہ مشترک ہے، یہاں تک کہ دونوں میں جمع کے جملوں میں نہ صرف جملوں کے اہم اجزاء بلکہ ان کے توابعات و ملحقات پر بھی ایک ہی تاعدہ جاری ہے، دونوں زبانیں تذکرہ و تانیث کے قواعد، افعال مرکبہ و توابع میں متحد ہیں! پنجابی و اردو میں ساٹھ فیصدی سے زیادہ الفاظ مشترک ہیں !

پنجابی اور اردو  
 کا اشتراک

اسٹھویں اور نویں صدی ہجری کی کتب تاریخ و لغات کی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل ہندوستان لاکھ کو "لاک" - پانچ کو "پک" - کھانڈ کو "کھنڈ" - بھانڈ کو "بھنڈ" - ماٹ کو "مٹھ" - انب کو "انب" - میوگ کو "گینگ" - کاسڑی کو "گڈی" - گڑیا کو "گڈی" - تالاب کو "تل" - بڑی میں "کھنڈ" اور چند "گنگو" یا "گنگو" کہتے تھے۔ اہل پنجاب انہی الفاظ کو آج بھی لکھ، پک، کھنڈ، بھنڈ، مٹھ، انب، منگ، گڈی، گڈی، دھنڈ اور گنگو بول رہے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ اردو اور پنجابی زبانوں کا وہ عنصر قدیم سے ان میں مشترک تھا۔ رفتہ رفتہ اردو زبان سے خارج ہوتا رہا ہے۔ ایسے افعال و الفاظ مثلاً: کھنا، لوڑھنا، انپڑنا، پچھنا، سٹنا، لانا، لگانا، کھڑنا، سڑنا، چلنا، پانا، ڈالنا، لڑنا، ڈسنا، بندھنا، بانڈھنا، منگنا، مانگنا، سننا، دھگانا، کھیر (دودھ)، نال (مل) یاں غلط تلفظ - "وین" - شرم کا امرسی - "قسم کا مستقبض وغیرہ جو آج صرف پنجابی میں رائج ہیں، مگر اردو قدیم اردو میں عام طور پر استعمال تھے۔

اسی طرح اردو کے محاورات و نثر پر ہرے - "ہلنا جلنا" - "چپ چپا" - "مانگن مانگنا" "بال بال" وغیرہ اردو خوانان کے ہر پیشانی کو تایع و تامل کہنے کے عادی ہیں مگر یہ بھی زبان میں یہ الفاظ بامعنی ہیں اور آج بھی استعمال میں آ رہے ہیں۔

اوصرارو کی اضافت کا۔ کہ۔ کی۔ اگرچہ فی زمانہ اردو کے ساتھ مخصوص ہے پنجابی کے دیہات و  
 قبائل نیز بعض دیگر اس کے ساتھ اب بھی موجو د ہے۔ الغرض یہاں اردو و پنجابی زبانوں کے اشتراک  
 قدیم کے تین دلائل ہیں۔

پنجاب پر بیرونی و سیاسی اثرات | علامہ: ایس۔ پی۔ بھٹ، ہندوستان کی خوش قسمتی یا بد قسمتی کی کبھی بنا رہا ہے!

اور شمالی اطراف سے ہندوستان پر ہر جہد اور زور ملنے میں ملے ہوئے تھے ہیں چنانچہ مسلمان بھی شمال ہی کے راستے ہندوستان میں داخل ہوئے، انکی ابتدائی بستیوں، سندھ اور ملتان میں قائم ہوئی ہیں تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں صفاریوں اور سامانیوں کی بنا پر مغربی پنجاب اور سندھ میں ایسا ہی اثر فروغ پانے لگا ہے ملتان اور اسکے اطراف حتیٰ کہ چوتھی صدی ہجری کے عرب متسلحہ لکھنؤ میں، کہ ملتان منہدیوں میں فارسی بولی میں فارسی کا دور! جاتی ہے۔ یہ متسلحہ یہاں کے بعض شہروں اور دیاروں کے نام فارسی طرز میں لکھتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایرانی تمدن کے اثرات، ان اطراف میں بہت وسعت اختیار کر چکے تھے۔ چوتھی پنجاب پر ایرانی تمدن کا اقتدار صدی کے اواخر سے عروجوں کا آغاز ہوتا ہے اور تمام پنجاب آل ناصر کے زیر اقتدار آجاتا ہے۔ آل خوری کی حکومت تقریباً ایک سو ستر سال تک رہتی ہے۔

خواریوں و پورچھلوں اگر آل خوری سے پیشتر مسلمانوں کو کسی ہندی زبان کے اختیار کرنیکی ضرورت محسوس نہیں ہوئی کی نئی زبان! تو اس عہد میں جو خاصہ دراز ہے وہ پنجاب میں کوئی نہ کوئی زبان سرکاری، تجارتی و معاشرتی اغراض سے اختیار کر لینے ہیں جس کو خوریوں کے عہد میں جب دار السلطنت لاہور سے دہلی جاتا ہے اسلامی پنجاب کی نئی زبان کامرکز قومیں اور دوسرے پیچھے دراپنے ساتھ: ن لے جلتے ہیں! دہلی میں یہ زبان ترجیح اور سہولت نظر دہلی میں منتقل ہو گئے زبانوں کے دن رات کے باہمی تعلقات کی بنا پر، دفعتاً فرقہ از مریم قبول کرتی رہتی ہے اور رفتہ رفتہ اردو کی شکل میں تبدیل ہوتی جاتی ہے!

پنجاب کا اردو کے ساتھ تعلق اسی پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ بعد کے زمانہ میں بھی سیاسی اسباب اس تعلق میں تجدید پیدا کرتے رہتے ہیں۔ تعلق آٹھویں صدی میں سید اور دوسریں صدی ہجری میں ایسے خاندان میں جو خاص پنجاب سے منسلک دہلی آئے ہیں۔ ان کے لشکر پنجاب اور پنجابیوں سے تعلق رکھتے تھے اس لئے کوئی تعجب نہیں اگر ان نواداروں نے دہلی کی زبان پر اور اثر ڈالا ہو۔

ساتویں صدی ہجری میں ساتویں صدی ہجری میں اس میں وہ خصم صیانت نظر آتی ہیں جو ایک طرف اس کو پنجابی سے اور اس زبان کی حالت دوسری طرف تہج سے متمیز کرتی ہیں! شیخ فرید الدین گنج شکر (متوفی ۷۹۵ھ) اور ماہر موبہٹاں کے درمیان اردو میں جو گفتگو ہوئی اس کے دو فقرے بہت نک پڑے ہیں اور موبہٹاں نے کہا تھا ”خوجا بریان الدین بالا سے“ ”شیخ نے جواب میں فرمایا کہ لوگوں کا چاند بالا ہوتا ہے“ ”آخری فقرہ میں“ کا ”اور ہوتا ہے“ ایسے الفاظ ہیں جو اس جملہ کو پنجابی اور سرج سے مختلف کر دیتے ہیں۔ آٹھویں صدی ہجری کا ایک اور فقرہ جو فیروز شاہ خلجی ۷۵۰ھ و ۷۵۱ھ کے حملہ سندھ سے تعلق رکھتا ہے ”ابنخ فیروز شاہی میں شمس سراج عقیف یوں نقل کرتے ہیں ”برکت شیخ تھیا اک ہوا اک نہا“



دہلی سے اردو، ہندوستان | اسلامی سلطنت چونکہ پہلی پینچ سو برس تک مرکز حقیقت اختیار کر لیتی ہے۔ اس لئے زبان کے مختلف حصوں میں پھیلتی ہے۔ اسلامی لشکروں ہماروں اردو آبادکاروں کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے ہر گوشے میں پہنچ جاتی ہے۔ خطی اس کو گجرات اور دکن پہنچاتے ہیں، پھر تعلق جیہ آٹھویں صدی ہجری میں دہلی کو آباد کر دیتے ہیں، دکن کو آباد کرتے ہیں، دکن میں مسلمان آبادکاروں کی ... زبان بجاتی ہے۔ گجرات دکن میں، دسویں صدی ہجری سے، اس میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ گویا دکن و گجرات میں اردو کے مصلحہ و مصلحہ مرکز قائم ہو جاتے ہیں۔ اہل گجرات اس کو نویں صدی ہجری میں زبان دہلی کے نام سے یاد کرتے ہیں لیکن آئندہ صدی میں گجراتی یا گوجری کہنے لگتے ہیں، اسی طرح دکن میں پہلے یہ زبان زبان ہندوستان کہلاتی، بعد کو دکنی کہنے لگے، اہل دہلی، بارہویں صدی کے آخر سے اسکو ”گجراتی“ کہنے لگے جو اصل میں دکن کی اصطلاح تھی۔ جس میں کلام مخلوط بہ زبان کے معنی دینے لگی اور پھر نظم ہندی پر اس کا اطلاق ہونے لگا۔

اردو کی ہر دلعزیزی | شاہان گجرات اردو میں بات چیت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ محمد شاہ بیکڑہ کا یہ فقرہ تاریخ میں محفوظ ہے ”بھئی بری سب کوئی چھوڑے“۔ بابر اس کی ہر دلعزیزی دیکھ کر اس میں ایک مصرعہ لکھتا ہے ”مجھ کا نہ ہوا کچھ ہوس مانگ و موئی“ اگر مغلوں کا حملہ ہندوستان میں سترہ راہ نہ بنتا تو اس میں شک نہیں کہ اردو بہت جلد فارسی کو ہٹا کر ہندوستان کی درباری زبان بن جاتی —۔ فرید شاہ تعلق کے بعد، ایک مسواری پر زماں آتا ہے، اور تعلق، سید، اور چٹان اردو ہی اختیار کر لیتے ہیں، محمد شاہ تعلق، لفظ — ”کھڑا کھڑی“ کے لفظ کو، اصلی دہلی اور غیر دہلی باشندوں کی شناخت کے لئے معیار مقرر کرتا ہے۔ مسواریوں کو فارسی سے سخت دشمنی تھی، اگر کے عہد میں برہمنوں کے طبع اردو میں مسکرت کے الفاظ روشناس کئے گئے۔ لیکن بعد کی طریقہ متر وک ہو گیا عالمگیر کے عہد سے دیکھا جاتا ہے کہ طبائع کا عام رجحان اردو کی طرف ہوتا جاتا ہے، اگرچہ اس کے اسباب سے ہم ناواقف ہیں —۔ !!

سلطان فرید شاہ ظہیر ۵۹۵ھ سے ۵۹۹ھ تک اپنے عہد میں ایک لاکھ سے زیادہ غلام جمع کئے تھے جو زیادہ تر مشرقی ہندوستان سے عائد ہوئے تھے۔ فرید شاہ کے جانشینوں کے عہد میں یہ نوعیت طائفہ درجہ کے غلاموں کا سیاسی معاملات میں دخل دہر کر ملک میں فتنہ و فساد برپا کرنے لگے۔ ناصر الدین محمد شاہ ظہیر ۵۹۹ھ سے ۶۰۳ھ تک دہلی سے ان کا اخراج مامور کیا اور علویوں یا گرجوں کے اندر انہیں شہر خالی کر دیں انہیں اس کے بعد نظر نہیں تو قتل کر دئے جاتے تھے۔ اس سخت حکم کے باوجود وہاں اس وقت کے مشہور ارکان دہلی میں مقیم رہے اور جب گرجا میں سے تو اپنے آپ کو دہلی کا اصلی باشندہ بنایا گیا۔ محمد شاہ نے اہلسنی و دہلی اور گوردی و بنکالی کی شناخت کے لئے ان سے لفظ کھڑا کھڑی کہلایا چونکہ مشرقی ہند کے لوگ اپنے مخلوط اصطلاح کے ادا کرنے میں عام ہندوستانیوں سے مختلف ہیں اس لئے یہ غلام دہلیوں سے ہمسائی کے ساتھ بیچاں لئے گئے اور تلوار کے کھٹاٹا مار دئے گئے۔

شمالی ہندوستان میں اردو کا مرکز | شمالی ہندوستان میں مکن سے ایک صدی بعد تصنیفات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے مگر ابتدائی منازل میں اس کی رفتار بہت سست ہے! دہلی میں محمد شاہی دور میں اردو کا مرکز قائم ہونے سے پیشتر، یہ زبان دہلی کے مصنفات اور شعراء میں ادبی حیثیت اختیار کرتی ہے۔ شمالی ہند کے مصنفین میں سب سے پیشتر محمد فضل باپتی پتی (یا جھنجھاڑوی) ہیں جو ۱۷۳۵ء میں بعد چانگیر دفاتر پلٹے میں ان کا ”بارہ ماسہ“ بہت مشہور ہے۔ یہ تصنیف جس میں فارسی اثرات بہت نمایاں ہیں برج کے اثرات سے بھی خالی نہیں ہے۔ — !

ہریانوی زبان کا مرکز | اور ہریانوی زبان کے علاقہ میں اردو گیا رھویں صدی ہجری میں (عبد عالمگیر اپنا قدم جما لیتی ہے۔ جھجر کے محبوب عالم عرف شیخ جیون منند تصنیفات اس زبان میں یادگار چھڑھڑے ہیں۔ جن میں ”درد نامہ محمد“ سب سے اہم ہے۔ ان کی دوسری تصنیفات ”محش نامہ“ ”خواب نامہ پیغمبر“ ”دوہیز نامہ بی بی فاطمہ خاتون“ کے نام ہم تک پہنچے ہیں۔ اسی عہد میں عبدالواسع ہنسوی، جو فارسی کی مشہور قواعد ”دستور العمل فارسی“ کے مصنف ہیں، بچوں کے لئے ”نصاب سہ زبان“ لکھتے ہیں، جس میں ذریعہ تعلیم ہی زبان ہے۔ — !

عبد عالمگیر کی ایک | عالمگیر کے عہد کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس عہد سے کچھ عرصہ پیشتر ایک نئی تحریک یادگار تحریک | وجود میں آتی ہے، جس کے تحت بچوں کی تعلیم کا ذریعہ ہندی زبانیں بن جاتی ہیں! عالمگیر کے عہد میں یہ تحریک عام ہو جاتی ہے اور پیشیاد کتابیں بچوں کی تعلیم کے لئے لکھی جاتی ہیں جنہیں اکثر و بیشتر منظم ہوتی ہیں۔ یہ سلسلہ ہندوستان کے اکثر صوبوں میں جاری ہو جاتا ہے مثلاً دہلی، دکن، اور پنجاب۔ — !

ہریانوی زبان اور | ہریانوی زبان، دراصل ایک قسم کی اردو ہے جو گیا رھویں صدی ہجری میں اس کی حالت | شاید اردو سے اس قدر مختلف نہیں تھی جس قدر کہ آج دیکھی جاتی ہے۔ کیونکہ زمانہ العید میں، جبکہ ہریانوی اپنی اصلی حالت پر قائم رہی، اردو میں دہلی کے ہیروے اور شعراء کے تصنیفات کی بنا پر کثیر تغیرات واقع ہونے اور موجودہ اردو اسی اصلاح شدہ شکل کا نام ہے۔ ہریانوی علاقوں میں تصنیفات کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ لیکن اس کے ادبیات کے متعلق ہماری موجودہ معلومات بہت محدود ہے حضرت شاہ غلام حیلانی رہنکی مصنف ”چوپایہا“ متوفی ۱۲۳۵ھ اور مولوی محمد رمضان مصنف ”آختر گت“ و ”بلبل باغ محمد“ (۱۲۷۶ھ) اور انور رہنکی (جو اسی صدی کے منصف دوم سے علاقہ رکھتے ہیں) کے نام اور تصنیفات سے پتہ چلتا ہے کہ محبوب عالم کی تحریک

(۵)

اس علاقہ میں برابر جاری رہی ہے۔ اگر برائی کی قید کو اڑا دیا جائے تو اور مصنفین بھی اس فہرست میں جگہ پا سکتے ہیں مثلاً میر جعفر زلی، نارتولی، مہو جہا، عالمگیر و فرخ سیر کے مشہور مثال ہیں۔ اور امام بخش غفاریسی، مصنف معجزہ بنی جو بارہویں صدی کے جرگہ ہیں۔ اور دلیر میداتی جہڑی نے اپنا دیوان بہا و رشا، بادشاہ دہلی کی خدمت میں بھیجا تھا۔

پنجاب میں اردو کا نیا مرکز پنجاب میں اردو کا نیا مرکز قائم ہوتا ہے۔ یہاں کے مصنفین میں سب سے مقدم مولانا عید بنی جو شہدہ میں بعد عالمگیر فقہ ہندی تصنیف کرتے ہیں فقہ ہندی کی اردو بالکل پنجابی نمائے اور جہڑی کی بندش بھی پنجابی طرز کی ہے یہ تصنیف ہریانہ کرناں اور میرات کی زبان سے مختلف ہے۔ بارہویں صدی میں قصیدہ جلالہ دھلے گورداسپور میں اردو کا خاصہ چہ چار ہے۔ یہاں اردو کی تحریک شیخ محمد فاضل الدین بتاوی (متوفی ۱۱۵۵ھ) کے مبارک ہاتھوں سے پروان چڑھتی ہے! ان کے پیرو بھائی شیخ نور علی اس میں حصہ لیتے ہیں شیخ فاضل الدین کے فرزند شاہ غلام قادر (متوفی ۱۱۵۵ھ) اردو، مغربی مرسومہ بہ روضہ العشق کے مصنف ہیں۔ اور شاہ فقیر اللہ بھی اپنی بارہ شادی ۱۱۵۵ھ میں اس کے نتیجے میں لکھتے ہیں۔ بارہویں صدی کے نصف آخر میں پنجاب میں متعدد بزرگ ایسے نظر آتے ہیں جو اردو میں نظمیں لکھتے ہیں۔ شیخ محمد عباس، شیخ فقیر الدین محمد غوث، جلالوی، نامدار خاں دت، ولسا دہرہ سوری (پیروری)، غلام قادر جلالپوری اور رام کشن کے نام اس ذیل میں پیش کئے جاسکتے ہیں۔ مثلاً ان کی تحریک کا، اس عہد کی دہلی میں اردو کی تحریک سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگرچہ دونوں مرکز قریب قریب ایک ہی زمانہ میں قائم ہوتے ہیں۔ پنجاب میں اردو نظم کا زیادہ رواج رہا ہے اور نثر نسبتاً کم ملتی ہے تاہم نثر کے نمونے موجود ہیں مثلاً کتاب ”نہرا رسال“ اور رسالہ ”سلو تری“ جن کے مصنفین کا سطرخ تا حال نہیں مل سکا ہے!

اردو کا آخری لیکن سب سے زبردست اور شاندار مرکز دہلی ہے جو ولی اور رنگ آبادی کے اثرات میں قائم ہوتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد وہاں سے لکھنؤ، اور لکھنؤ سے کلکتہ پہنچ کر عام ہوتا ہے! ہندی السنہ پر یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہندی السنہ کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات کے مسلمانوں کے احسانات بارے میں بھی چند کلمات اضافہ کر دیتے جائیں۔ ایک ایسے زمانہ میں جبکہ مسلمانوں پر، برادران وطن، ہر قسم کے الزامات و اتہامات عائد کرنے کے عادی ہو رہے ہیں، ان کی تاریخ کو توڑ مروڑ کر نسخ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور ان کے احسانات کو، جو انہوں نے ہندوستان پر کئے گئے سستہ طاق لسیاں بنایا جا رہا ہے!

## ح

یہ بیان کرنا بالکل بے موسم معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسلمان ہی ہیں جنہوں نے ہندوستان دکن سے پیشتر ہندی زبانوں کی تہذیب و ترقی پر توجہ دی ہے! اس ملک کے شمال و مغرب کی زبانوں، یعنی پشتو، سندھی، کشمیری اور پنجابی کا قریب قریب تمام ادبی سرمایہ مسلمانوں کی کوششوں کا ممنون احسان ہے بنگالی زبان اور اس کے ادبیات کو فروغ دینے والے مسلمان ہیں! ہرج قزبی اور ودھی کی ترقی میں بھی مسلمانوں نے خاصہ حصہ لیا ہے۔ کبیر، قطب، اور محمد جاسی — تلسی واس اور سورہ اس سے پیشتر میدان میں آتے ہیں —!

اردو اظہار اور رسم الخط آخر میں اردو اظہار کے متعلق چند الفاظ کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے — فارسی خط زمانہ قدیم سے ہندی اصوات اور ہندی السنہ کے لکھنے کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ ابتدا میں خط نسخ، نہ صرف اردو بلکہ ہندوستان کی تمام زبانوں کے لئے مخصوص تھا۔ چنانچہ پشتو، سندھی اور پنجابی آج بھی نسخ میں لکھی جاتی ہیں۔ عالمگیر کے بعد شمالی ہند میں نستعلیق رائج ہو گیا۔ خاص ہندی اصوات کے لئے علیحدہ علیحدہ علامات مقرر کی گئی ہیں اور مختلف زبانوں میں مختلف طریقوں سے لکھی جاتی ہیں۔ مثلاً ٹ، ڈ، ژ پر پہلے تین تین نقاط، بعد میں چار چار نقاط لگائے جانے لگے۔ گجرات میں بارہویں صدی ہجری کی ابتدا میں ان پر ضرب کی علامت "x" لگائی جاتی تھی اور الف ممدودہ و و الف کی شکل میں لکھا جاتا تھا — نویں صدی ہجری میں گانٹ کے نیچے تین نقطے لگائے جاتے تھے، بعد میں اوپر لگانے لگے — ہٹے غلو ط الفلفظ کا استعمال بھی دیرینہ ہے — اردو کا آخری الف لافظہ بتقلید فارسی ہے "گی" شکل میں لکھا جاتا تھا مثلاً ہسڈرہ، چوڑ، سہرہ، سہجنہ، ہیرہ۔ اسی طرح مالوہ، بنگالہ اور بنگالہ وغیرہ

عبدالغیری میں ایک ترمیم عالمگیر کے عہد میں فضائل خاں کے عرض کرنے پر، کہ ہندی رسم الخط میں اسم و کلمہ کے آخر میں "ہے" نہیں آیا کرتی بلکہ الف ہوتا ہے جسے لانا کہا جاتا ہے اور الف ہی کی طرح تلفظ کیا جاتا ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایسے الفاظ کو الف کے ساتھ لکھا جائے۔ عالمگیر نے یہ تجویز پسند کی اور حکم دیدیا کہ آئندہ ایسے کلمے

ط

الف کے ساتھ لکھے جائیں یعنی مالوہ کو مالو، بڑکا لہ کر بڑگلا، وقس علیٰ هذا۔  
اس فرمان کی تعمیل نہ صرف شاہی و نامتہ اور ٹکسالوں میں ہوئی بلکہ اردو خزان لوگوں  
نے بھی یہی املا اختیار کر لیا۔ اور آئندہ لہسٹرا، چونا، سہرا سہجنا، سپرا  
لکھا جانے لگا۔ — !

الف لاحقہ کے اہتمام پر الف لاحقہ، اردو میں ایسا الف ہے جو اکثر خانہ کی غرض سے  
اردو اور پنجابی کا مشترک ربطھا دیا جاتا ہے اردو اور پنجابی اس الف پر اس قدر مصر ہیں کہ  
جہاں کہیں یہ حرف موجود نہیں ہے۔ اصل کلمہ میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ  
غیر زبانوں کے الفاظ پر بھی یہ عمل جاری ہوتا ہے۔ مثلاً مربع سے مرغ۔ یہی حالت  
نیول، ہینور، کوئل اور بھوس کی ہے جو نیولا، بھونرا، کوئلا اور بھوسا بنائے  
گئے ہیں۔ — !!

# اُردو

لفظ اُردو ایران میں مغولی عہد کی یادگار ہے اور منصف قرن ششم میں فارسی زبان میں رائج ہو جاتا ہے، اس کے معنی امرا و سلاطین کی فرودگاہ یا کیمپ ہیں۔ تاریخوں میں سب سے پیشتر یہ لفظ جہانکشا سے جوینی میں ملتا ہے جس سے دو اقتباس یہاں درج کئے جاتے ہیں:-

”دہر سال کہ از قوے شخصیہ برق رسد قبیلہ و خانہ اور از میان  
خیلان پیروں کنند تا مدت سہ سال و بار دوے شہزادگان در نتوانند  
آمد“ (ص ۱۱۱ جلد اول)

”تمامت پادشاہزادگان در خدمت و بندگی تا آن پیروں اردو سہ نوبت  
آفتاب راز از نو زدند و باز در اندرون اردو آمدند و مجلس لہو و طرب  
آراستند“ (ص ۱۱۲ جلد اول)

ہندوستان میں اس لفظ کا استعمال بابر کے عہد سے ہونے لگا ہے۔  
”نزع بابر سے ذیل کی مثال ملاحظہ ہو:-

”دو وقت رسیدن نزد بامیان چا در ہاے اور وق مارا کر عقب ماندہ  
بود می بیند مارا خیال کردہ زود بر می گردند۔ بہ اُردو سے خود یہ سبیدہ

بہج چیز تنقید شدہ کوچ می کنند (ص ۱۱۶ طبع ملک الکتاب)  
مگر زبان کے معنوں میں اس کا استعمال چنداں قدیم نہیں ہے۔ اس کو  
رواج میں آئے سو، سو اسو سال کا عرصہ کم و بیش گزرتا ہے۔ ادبیات میں  
سب سے پیشتر میر محمد عطا حسین خاں مخمیں نے یہ نام اختیار کیا۔ چنانچہ نوطرز  
مرصع تالیف ۱۲۱۳ھ کا یہ فقرہ :

”اور یہ جو کوئی حوصلہ سیکھنے زبان اردو سے معلیٰ کار رکھے گا سو مطالعہ اس  
گلدستہ نگار بن کیسے ہوش اور شعور فحوالے کلام حاصل کرے۔“  
میرامن نے بھی مخمیں کی تقلید میں یہی نام رکھا۔ چنانچہ بارغ و بہار ۱۲۱۴ھ  
کے دیباچہ میں لکھتے ہیں :-

”حقیقت اردو کی زبان کی بزرگوں کے مُنہ سے ہوں سُنی ہے“ (ص ۴)  
اس کے بعد ہر لفظ عام ہو گیا۔ دریائے لطافت تصنیف ۱۲۲۳ھ میں  
میر انشا، اللہ خاں اور قدرت اپنے تذکرہ میں اسی نام سے یاد کرتے ہیں،  
انشا کہتے ہیں :-

”بالجملہ زبان اردو شتمل است بر چند زبان یعنی عربی و فارسی و ترکی و  
برجی و غیر ایں“  
قدرت کہتا ہے :-

”کہ شہان زبان و کسفی را کڈہ شستہ بچختہ را موافق اردو سے معلیٰ شاہجہاں آباد  
موزوں بکنید“

مولوی اکرم علی اخوان الصفا اردو تالیف ۱۲۲۵ھ میں لکھتے ہیں :-  
”رسالہ اخوان الصفا کہ انسان و بہائم کے مناظرہ میں ہے تو اس کا زبان  
اردو میں ترجمہ کر لیکن نہایت سبب کہ الفاظ مغلق اُس میں نہ ہوں“

غازی الدین حیدر والی اودہ کے دور میں محمد بخش مجور نورتن کے دیباچہ میں  
میں رقم طراز ہیں :-

”اگرچہ اس نالایق ردِ خلاق نے سابق میں انشاء گلشنِ نو بہارِ غربت گلزار  
اور انشاء چارچنِ دل لگن پر از قصصِ دلفریب و فسانہاے عجیب بہار  
زگین اور مضمون نو آئین زبان اُردو میں تحریر اور تفسیر کی ہیں“

حاجی نعمت اللہ اپنی تفسیر سورۃ یوسف میں تحریر کرتے ہیں :-  
”غرض اس فایدوں کی امید پر بیچ لکھنے ترجمہ ہندی از روئے کتاب  
احسن القصص کے مشغول ہوا اور جب نزول اس سورت متبرکہ کے اور  
عجوبات اور لطائفات کی بیچ سمجھ نادان کے آئے اپنی زبانِ روزمرہ  
کے میں جمع کی اور مفید زبان اُردو کا ہوا“

اسی کی وجہ تسمیہ کے متعلق صاحبِ ظہیر الافشا لکھتے ہیں :-

”چوں بازارِ ادب کی دھاری اُردو گویند ضرورت استعمالِ این زبانِ مرکب  
در بازارِ ضرورتِ شہدِ خصوصاً در بازارِ خاصِ پادشاہی کہ تعظیمِ نامِ بازارِ  
خاصِ اردوئے معلیٰ بود۔ لہذا نامزدانہ مرکب نیز اُردوئے معلیٰ قرار  
یافت تا ایکہ بانقراضِ ازمنہ آں تخصیصِ آدابِ شاہی باقی نہاند آں التزام  
لفظِ معلیٰ ہم نہاند فقط اُردو باقی ماند پس وجہ تسمیہ اُردو ہمین است و  
اسمِ معلیٰ ریختہ است یعنی زبانِ عربی و فارسی دریں ریختہ اند“  
(منقول از جلوہ خضر)

میرامن کی بھی قریب قریب یہی رائے ہے۔ کہتے ہیں :-  
”آخر امیر تیمور نے جن کے گھرانے میں اب تک نامِ سلطنت کا چلا آتا  
ہے ہندوستان لیا۔ ان کے آنے اور رہنے سے لشکر کا بازارِ شہر میں



داخل ہوا اس واسطے شہر کا بازار دو کھلایا..... ”حب حضرت  
شاہجہان صاحبقران ثانی نے قلعہ مبارک اور جامع مسجد اور شہر پناہ  
تعمیر کرایا..... اور شہر کو اپنا دار الخلافہ بنایا تب شاہجہان آباد  
مشہور ہوا اگرچہ دلی چدی ہے وہ پرانا شہر اور یہ نیا شہر کہلاتا ہے۔  
اور وہاں کے بازار کو اردوئے معلیٰ خطاب دیا۔“ (ص ۶)  
سر سید احمد خاں بھی اپنی تصنیف آثار الصنادید میں انہی بزرگوں کے  
ہم آواز ہیں:-

”اُدھر جو کہ یہ زبان خاص پادشاہی بازاروں میں مروج تھی اس واسطے  
اس کو زبان اُردو کہا کرتے تھے۔ اور پادشاہی امیر امرا اسی کو  
بولاکرتے تھے۔ گویا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی یہی زبان تھی۔ ہوتے  
ہوتے خود اس زبان ہی کا نام اُردو پڑ گیا۔“  
مؤلف فرہنگ آصفیہ کہتے ہیں :-

”و چونکہ اول اول اس کی شاہجہانی لشکر سے ابتدا ہوئی۔ لہذا اس کا نام بھی اردو پڑ گیا۔ قلعہ معلیٰ کے لاہوری دروازہ کے سامنے اردو بازار کے نام سے ایک بازار بھی آباد ہو گیا۔ جو بلاتی بیگم کے کوچے اور چاندنی چوک کی سڑک کے جنوبی پہلو پر واقع تھا۔“

ان بیانات میں قریب قریب اکثر اسناد اس امر پر متفق ہیں کہ دہلی کے اردو بازار کی بنا پر اس زبان کا نام زبان اُردو ٹھہرا۔ ان کا یہ خیال ممکن ہے کہ صحیح ہو۔ یہاں اردو بازار کے متعلق چند الفاظ کہنے ضروری ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ دہلی میں ایک بازار کا نام اردو بازار تھا جو قلعہ سے ملحق تھا۔ لیکن اس کا پہلا نام لاہوری بازار تھا۔ آثار الصنادید میں سید احمد خاں غوثی دروازہ

کے ذکر کے بعد کہتے ہیں :-

”اور اس کے آگے بڑا بازار جس میں چاندنی چوک وغیرہ سب بازار شامل ہیں مگر لگے زمانہ میں یہ بازار لاہوری بازار یا اردو بازار کہلاتا تھا .... یہ بازار قلعہ کے لاہوری دروازہ سے فچپوری تک ہے۔ اس بازار کے پہلے حصہ کو تو اردو بازار کہتے ہیں اور اس کے آگے جہاں ترپولہ اور کوتوالی ہے وہ اسی نام سے مشہور ہے اور اس کے آگے چاندنی چوک کہلاتا ہے اور اس کے آگے فچپوری کا۔ یہ بازار ہے چالیس گز کے عرض سے بیس گز ادھر اور بیس گز او دھریچ میں ستر تا ستر نہر جاری ہے اور گردنہر کے دو رستہ درخت لگے ہوئے ہیں۔“

صاحب سیرالمختصم اسی بازار کے بیان میں فرماتے ہیں :-  
 ”غرض اس بازار میں دو طرف دوکانیں گچ کی کرسی دار بہت موزوں و خوش قرینہ ہیں اور اُس کے سقف بام پر بالا خلتے ایک منزلہ و دو منزلہ اور بیچ میں اس کے دو مشرکوں کو منگ ریزہ و بحری سے ایسا بچتہ و مصفا کیا ہے کہ آدمیوں کا منہ اور غارت کا چہرہ اُس میں مثال آئینہ کے دیکھاٹی دیتا ہے۔ ہر روز اُس پر آب پاشی ہوتی ہے۔ اہل گذر کی رُوح تازی ہوتی ہے اور مابین دونوں مشرکوں کے نہر جاری ہے اور کناروں پر سردشتی ہے کہ اس کی ہیئت مجموعی جدول بین السطور کتاب نظر آتی ہے۔“ (ص ۵۳)

لاہوری دروازہ کی رعایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں اس بازار کا نام لاہوری بازار رکھا گیا۔ بعد میں معسکر کی رعایت سے اردو بازار کہلانے لگا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے یہ بازار ۱۸۵۷ء میں برباد کر دیا۔ چنانچہ میرزا

غالب اردوئے معلّٰی میں میر ہمدی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں :-  
 ”واہ رے سخن افتقاد - ارے بندۂ خدا اردو بازار نہ رہا اردو کا  
 دلی کہاں، واللہ اب شہر نہیں کنپ ہے چھاؤنی ہے نہ قلعہ نہ  
 شہر نہ بازار نہ نہر“ (ص ۱۸۴ اکمل المطالع)  
 دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :-

”تم اردو کے میرزا قاتل بن گئے ہو، اردو بازار میں نہر کے کنارے  
 رہتے تھے رو دیل بن گئے ہو“۔ (ص ۱۸۴)

تعجب ہے کہ اردو ایک بازار کا نام ہونے سے زبان کا نام اردو  
 رکھ دیا گیا لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ یہ کوئی قدیم نام نہیں ہے۔ نہ قدیم  
 اس کا ذکر کرتے ہیں نہ شعرا اس سے واقف ہیں نہ تاریخوں میں اس کا  
 ذکر آتا ہے۔ اس کی قدامت کی تائید میں البتہ ایک بیان ملتا ہے۔ جو حکیم  
 شمس اللہ صاحب قادری نے اردوئے قدیم میں دیا ہے، وہ ہوا :-

”موید الفضلا سے (جو فارسی کی ایک مستند لغت ہے اور بابر کی  
 آمد سے ایک عرصہ پہلے سلطان ابراہیم کے عہد میں لکھی گئی) ثابت  
 ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں ہندوستان میں اسلامی لشکر گاہیں اردو  
 کہلاتی تھیں اور زبان اردو کو اہل اردو کی زبان کہا کرتے تھے۔  
 چنانچہ کتاب مذکورہ میں ایک مقام پر تحریر ہے :-

”در زبان اہل اردو خون خرابا نامند“

یہ بیان میں خیال کرتا ہوں حکیم صاحب مدد فرح نے نو لکھنؤ کی مطبوعہ  
 موید الفضلا سے لیا ہے لیکن یہ نسخہ اگرچہ مالکان مطبع اس کو مصنف کا دستخط  
 بیان کرتے ہیں مصنف کے عہد سے بہت بعد کا نوشتہ ہے جب قلمی نسخوں سے

اس کا مقابلہ کیا جاتا ہے تو اس میں سینکڑوں الفاظ ایسے ملتے ہیں جو قلمی نسخوں میں موجود نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نو کشور نے کوئی ایسا نسخہ چھپا پا ہے جس میں کسی غیر شخص نے بعد میں بہت کچھ اضافہ کر دیا ہے مثلاً لفظ برسم کی تشریح میں وہ کہتا ہے :-

”دفعہ گوید کہ ایں لغت را از مجموعے کہ در دین خود بنایت حاصل ہو  
و آرد شیر نام داشت و در عهد محمد اکبر شاہ از کرمان بہندستان  
آمدہ بود تحقیق نمود“ (ص ۱۵۹)

اب یہ بیان صاحب موبدالفضل کا نہیں ہو سکتا اس لئے کہ وہ اپنی تصنیف ۹۲۵ھ میں ختم کر چکا ہے اور یہ شخص اکبر کا ذکر ایسے الفاظ میں کرتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُس وقت زندہ نہیں تھا۔ دوسرے یہ جملہ یعنی ”در زبان اہل اردو خون خرابا گویند“ مجھے کو موبدالفضل کے قلمی نسخہ میں نہیں ملا۔ اور کوئی تعجب نہیں اگر مطبع نو کشور کے مصنف نے اپنی طرف سے اضافہ کر دیا ہو۔ اردو سلاطین کے لشکر گاہوں کو کہتے تھے۔ اس معنی میں مغلیہ عہد کے تمام مورخ اس لفظ کا استعمال کر رہے ہیں جتنی کہ اکبر کے بعض ایسے سکوں پر جو اثنائے سفر میں لگائے جاتے تھے اکثر اوقات ”ضرب اردوے ظفر قرین“ ہوتا تھا۔ اس کے بعض مسی سکوں پر ایک طرف ”اردو ظفر قرین“ اور دوسری طرف ”ضرب الف فلوس ہوتا تھا۔

جب ہم تحسین کے پیشرووں کی تصنیفات دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بزرگ اردو اور اردوے معلیٰ کے نام تک سے روشناس نہیں۔ استعمال میں لانا کجا، وہ اس کو ہندی کے نام سے پکارتے ہیں یا ریختہ کے

نام سے۔ چنانچہ میر جعفر زٹلی جن کا عہد عالمگیر سے بیکر فرخ سیر کے دور تک ہے۔ اس کو ہندی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ وہ اپنی تصنیف زٹل نامہ کے خاتمہ میں جو شامل کلیات ہے، لکھتے ہیں :-

”اگرچہ بھی کوڑہ و کرکٹ است . ہندی و رندی زباں لٹ پٹ است“  
 شاہ حاتم اپنے دیوان زادہ میں جو ۱۱۶۹ھ کی یادگار ہے اپنے متعلق لکھتے ہیں :-  
 ”در شعر فارسی پیرو صائب است و در ریختہ ولی را استاد می داند“  
 (از فرست اسپر یگر ۶۱۱)

میر اثر اپنی ثنوی میں جو فی زمانہ خواب و خیال کے نام سے مشہور ہے۔ اور ۱۱۵۳ھ اُس کی تاریخ تصنیف ہے، لکھتے ہیں :-

”ایک تو ریختہ ہے سہل زباں دوسرے جب کہ ہو بشوخی بیاں  
 دیگرے

فارسی سو ہیں ہندی سو ہیں باقی اشعار ثنوی سو ہیں  
 دیگرے

ریختہ نے یتب شرف پایا جب کہ حضرت نے اُس کو فرمایا  
 مرتبہ ریختہ کا اور ہوا مستنبر فارسی کے طور ہوا“  
 میرزا سودا تنبیہ الغافلین میں حوالہ قلم کرتے ہیں :-  
 ”و خدا عالم است ایں چند بیت ریختہ از قبیل قصیدہ و غزل بچہ  
 سبب حسن قبول یافتہ است“

نثر کے علاوہ نظم میں بھی وہ ریختہ ہی لکھتے ہیں۔ چنانچہ بعض امثال :-

تو نے وہ سودا زبان ریختہ ایجاد کی

پڑھ کے اک عالم اٹھاتا ہے نرے شاعر فیض (۲۲۷)

دیگر ے

ریختہ اور بھی دنیا میں ہے اے سودا جینے دیوے جو کھوکا ویش دوراں محمد کو  
(۲۵۶)

دیگر ے

کننے لگے ریختہ جو کوئی سودا کی طرح اس نے میں سے ہوتا لوح و قلم واہ واہ

دیگر ے

سخن کو ریختہ کے پوچھے تھا کوئی سدا پسند خاطر دلہا ہوا یہ فن مجھ سے

دیگر ے

شعر نام توں سے تو بہتر ہے کنا ریختہ کب کب میں قتل کر مضمون کسی کا ریختہ

بے حیائی ہے یہ کنا سن کے میرا ریختہ خون معنے تا ریح باد پیر ریختہ

آبروے ریختہ الجوش سودا ریختہ (۲۵۷)

دیگر ے

ریختہ کی جودہ کھے ہے غزل لفظ و معنے میں کم ہے اس سے غزل (۲۵۸)

یہی حالت میر تقی میر کی ہے میں ان کے کلیات سے ذیل کی بعض امثال یہاں الہ

قلم کرتا ہوں :

گفتگو ریختہ میں ہم سے نہ کر یہ ہمارے زبان ہے پیا سے (۲۵۹)

دیگر ے

مضبوط کیسے کیسے کے ریختے دے سمجھانہ کوئی میری زبان اس دیار میں (۲۶۰)

دیگر ے

دل کس طرح نہ کھینچیں اشعار ریختہ کے بہتر کیا ہے میں نے اس عیب کی بہتر سے

(۱۳۹)

قائم فرماتے ہیں ے

قائم میں ریختہ کو دیا خلعت قبول ورنہ یہ پیش اہل بہتر کیا کمال تھا

## اور جو اُت ۛ

گہر غزل اور اس انداز کی جو اُت اب تو ریختہ جیسے کہ اگلی تری مشہور ہوئی  
 سید غلام علی عشرت پڑاوت اردو مصنفہ ۱۲۱۱ء کے دیا چو میں رقم طراز ہیں :-  
 ”انہوں نے قصہ راجہ رتن سین اہر پداوت کا کہ زبان پوربی میں تصنیف ہونا  
 ملک محمد جالسی کا ہے زبان ریختہ میں تصنیف کرنا شروع کیا۔“

شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے ترجمہ قرآن پاک ۱۲۰۵ء میں فرماتے ہیں :-  
 ”اول یہ کہ اس جگہ ترجمہ لفظ بلفظ ضروری نہیں کیونکہ ہندی ترکیب عربی سے  
 بہت بعید ہے۔ اگر بعینہ وہی ترکیب رہے تو معنی مفہوم نہ ہوں دوسرے  
 یہ کہ اس میں زبان ریختہ نہیں بولی بلکہ ہندی متعارف کہ عوام کو بے تحف  
 دریافت ہو۔“

یہی نہیں بلکہ ریختہ اور ہندی کا استعمال میرامن کے دور کے بعد تک ہوتا رہا  
 ہے۔ مولوی خرم علی نصیبیؒ المسلمین تالیف ۱۳۸۱ھ میں لکھتے ہیں :-  
 ”بندہ خرم علیؒ نے لکھا کہ اس شرک کی بڑائی قرآن شریف سے ثابت کیجئے  
 اور ہر امت کا ترجمہ ہندی زبان میں صاف صاف بیان کریئے تاکہ ہر ایک  
 کو فائدہ عام ہو۔“

رد سماع میں ایک سالہ کا ترجمہ ۱۲۱۱ھ ہجری میں کیا گیا تھا۔ اس میں سے فقرہ  
 ذیل ملاحظہ ہو :-

”لیکن عام اس کی تمہید سے عاجز تھے اس لئے ریختہ زبان میں اس کے ترجمہ  
 کرنے کا اتفاق ہوا۔“

غالب فرماتے ہیں :-

.. ریختہ کے ہمیں اُستاد نہیں ہو غالب کہتے ہیں لگنے زبان میں کوئی میر بھی تھا

(دیگر) شیعہ گمشدہ بے خار میں لکھتے ہیں :

”تذکرہ ترتیب یافتہ مشتمل بر اشعار موزونان فصاحت گستر و ریختہ گویان  
بلاغت طراز بغایت مختصر۔“

ریختہ کی وجہ تسمیہ میں ہمارے تذکرہ نگاروں نے حرب معمول عجیب عجیب خیال  
آرائیاں کی ہیں۔ فشی درگاہ شاد صاحب نادر خزینۃ العلوم میں کہتے ہیں :-  
”ریختہ بمعنی گرے ہوئے کے ہیں پس جو زبان اپنی اصلیت سے گر جائے  
اس کو زبان ریختہ بولتے ہیں چنانچہ جیسے فارسی زبان میں عربی کے لغت  
شامل ہوئے اسے زبان ریختہ فارسی کہتے ہیں۔ اسی طرح حسب تقریر بالا  
زبان ریختہ ہندی کو زبان اردو سمجھتے ہیں“ (خزینۃ العلوم فی تعلقات المنظوم  
ص ۷۹ مفی عام لاہور ۱۸۶۹ء)

حضرت آزاد آبکیات میں فرماتے ہیں :-

”اس زبان کو ریختہ کہتے ہیں کیونکہ مختلف زبانوں نے اسے ریختہ کیا ہے۔  
جیسے دیوار کو اینٹ۔ مٹی۔ چنا سفیدی وغیرہ بختہ کرتے ہیں۔ یا یہ کہ  
ریختہ کے معنی ہیں گری پڑی پریشان چیز۔ چونکہ اس میں الفاظ پریشان  
جمع ہیں اس لئے اسے ریختہ کہتے ہیں۔“

صاحب جلوہ خضر کا بیان ہے :-

”اس زبان کا نام ریختہ شاہجہان کے وقت میں لکھا گیا۔ چونکہ ریختہ گچ  
کو کہتے ہیں پختگی کے لحاظ سے اس کو ریختہ کہنے لگے۔“

ہمارے مخدوم حضرت سرخوش اعجاز سخن میں رقم فرما ہیں :-

”اگرچہ لفظ ریختہ کے فارسی میں کئی معنی ہیں مگر زبان کے تعلق میں فطرتاً  
اس سے ڈٹا پھوٹا یا شکستہ ہی مراد لی جاسکتی ہے۔“



ان بیانات میں ریختہ کے پہلے معنی گرے پڑے اور پریشان کے بتائے ہیں  
فارسی میں بیشک یہ معنی مستعمل ہیں۔ مثلاً شکست و ریخت یا شکستہ و ریختہ  
لیکن یہاں یہ معنی قطعاً ناموزوں ہیں۔ دوسرے معنی چونہ سفیدی وغیرہ کے  
دئے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ ریختہ تعمیرات کی ایک اصطلاح ہے جس کا اطلاق  
عمارت پختہ و سنگین بر خلاف عمارت گلیں و چوبیس پر ہوتا ہے اس لئے اس کا  
استعمال چونہ اور استرکاری پر بھی ہونے لگا جس سے عمارت پختہ و مضبوط  
ہو جاتی ہے۔

شمس سراج عیغف اپنی تاریخ فیروز شاہی میں حصار فیروزہ کی آبادی کے  
بیان میں اس کی خندق کی تعمیر کے متعلق کہتے ہیں :-

”بعد از مرتب شدن حصار خندق کا دیدند انچنین کہ بعد از تہ خندق و با  
برو و بازوی خندق ریختہ برآ دروند و بالا سے بازوئے خندق کنگرد  
بستند (ص ۱۲۶)

دوسرے مقام پر یہی مورخ بیان کرتا ہے :-

”دریں پنج کردہ آبادانی از سربیک کردہ بکرہ کردہ بود۔ خلائق بے علائق  
خانہا ریختہ و گچ کردہ برآوردہ“ (ص ۱۳۵)

تیسرے مقام پر یہ لفظ یوں آیا ہے :-

”و آں عمارت بصفت کا دیگر اہل مہارت و بصارت از سنگ گہ رنگ  
(یا کپہرسل) با چونہ ریختہ برآوردہ“ (ص ۳۱۰)

چوتھے موقع پر یہ فقرہ ملتا ہے :-

”الغرض در ہر محے و مقام سے کہ عمارت کردہ ہم از ریختہ برآوردہ و اند

جنس چومینہ برائے نام نے مگر ہمیں تختہ ہلے در (ص ۳۳)  
 ان چاروں فقروں سے واضح ہوتا ہے کہ ریختہ کے معنی کی تعبیر کے لئے گئے ہیں۔  
 برخلاف کچی تعبیر کے جو مٹی یا لکڑی کی ہو۔ یعنی ریختہ ایسی تعبیر ہے۔ جو چونہ پتھر سے  
 طیار ہو۔ سودا ایک مقام پر کہتے ہیں :-

”ہر بیت لکھے ہے یغزل ایسی ہی مضبوط سودا کوئی حوں ریختہ کے گھر پہ کسے گچ“  
 دوسرے مقام پر کہتے ہیں :-

”منظر کا شعر فارسی اور ریختہ کے بیچ سودا یقین جان کہ ڈوڑا ہے باٹ کا  
 آگاہ فارسی تو کہیں اُس کو ریختہ وقف جو ریختہ کے ذرا ہودے تھاٹ کا  
 سُکروہ یہ کہے کہ نہیں ریختہ ہے یہ اور ریختہ بھی ہے تو فیروز شاہ کی لاٹ کا“  
 لیکن زبان کے سلسلہ میں ریختہ کے یہ معنی بھی نامناسب ہیں۔

ہمیں یاد رہے کہ ریختن فارسی زبان میں متعدد معنوں میں آتا ہے اور معنوں  
 سے قطع نظر وہ (۱) بنانے، ایجاد کرنے (۲) کسی چیز کو قالب میں ڈھالنے،  
 نئی چیز بنانے اور (۳) موزوں کرنے کے معنوں میں بھی آتا ہے۔  
 مثال اول نظیری ے

و آنکہ از اساس ہر جان ما تیغ ابرو رخ شرکاں ریختند  
 (دیگر) باقر کا شنی ے

شاید از عمدہ غماے تو آیم ہیروں تنہا ز روے بریزم دلے از غارہ کغم  
 مثال معنی دوم ے

بے ریختن توپ تازہ شد تعین بشاہراہ عقیدت ز صدق شد پو یاں  
 (دیگر) نظیری ے

ہر طرف گئے گل بسر شستہ شد قالب گبر و مسلمان ریختند

اسی سے ریختہ گر نکلا ہے جو چیزوں کو ڈھالتا اور بناتا ہے سعید اشرف  
 ”خود بخود بادہ عیش از قدحم می ریزد گویا جام مرا ریختہ گر ساختہ است“

مثال معنی سوم ۛ

”مصرع زلف بتاں چوں بر زبان شاد ریختہ موشگافان اکبید گفتگو دندانہ ریختہ“  
 یہی حالت مصرع ریختہ و معنی ریختہ کی ہے اس کا اطلاق ایسے مصرع یا معنی  
 پر ہوتا ہے جو بے تکلف و تامل ذہن میں آجاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں  
 یوں کہتے کہ مصرع موزوں و معنی موزوں کے معنی دیتا ہے۔ ملا طغراۛ  
 ”داریم چو شانہ صبر تا روے دم چوں مصرع زلف مصرع ریختہ“

یہیں سے وہ محاورہ نکلا ہے ”فداں نہ ریختہ! ایں کا راست“ یعنی اس کا کم  
 لئے موزوں ہے۔ شغف ۛ

”مے سوزم و می گدازم مے گریم چوں شمع شغف ریختہ! ایں کا دم“

آخری معنی کے اثرات میں ریختہ نے ساتویں قرن ہجری میں ہندوستان میں  
 نئے معنی پیدا کر لئے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب امیر خسرو دہلوی نے ایرانی  
 اور ہندی موسیقی کے اتحاد سے ایک نئی چیز طیار کی اس کے لئے انہوں نے

بعض نئی اصطلاحات مثلاً قول۔ ترانہ۔ معروفی۔ صوت۔ بسیط۔ دو بحر۔  
 چار اصول۔ نقش۔ فارسی۔ اور غزل وغیرہ وضع کیں۔ اسی سلسلہ  
 میں انہوں نے ریختہ کی اصطلاح بھی وضع کی۔ اس اصطلاح سے موسیقی  
 میں یہ مقصد قرار پایا کہ جو فارسی، خیال ہندوی کے مطابق ہو اور جس میں دو  
 زبانوں کے سرو و ایک تال اور ایک آگ میں بندھے ہوں، اس کو ریختہ کہتے  
 ہیں۔ ریختہ کے لئے کسی پردہ کی قید نہیں ہے۔ وہ ہر پردہ میں باندھی جاتی  
 ہے۔ میری اس اطلاع کا ماخذ کتاب چشتیہ ہے جو محمد دم حضرت علاء الدین

ریختہ کی اصطلاح

ثانی برناوی نے ۱۰۶۵ھ ہجری میں تصنیف کی ہے۔ اس کتاب کا اصل نسخہ بحالت  
تباہ و راقم کو مل گیا ہے۔ مخدوم علماء الدین جانشین ہیں۔ خاتم التاویکین حضرت شیخ  
ہباء الدین برناوی متوفی ۱۰۳۰ھ کے جو فن موسیقی میں امیر خسرو کے بعد ہندوستان  
میں بے نظیر مانے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ راگ درپن میں فقیر اللہ نے موسیقی دانوں میں  
سب سے پیشتر آپ ہی کا ذکر کیا ہے۔ مخدوم علماء الدین اپنے پیرو مشد مخدوم  
ہباء الدین کی سند پر امیر خسرو کی خدمات موسیقی کے ذکر میں بختہ کے متعلق کہتے ہیں۔  
”واصطلاح دیگر آنکہ ہزار کسی کہ با مضمون خیال ہندی مطابق باشد و  
الفاظ ہر د زبان را در یک قال و یک راگ بر بست نموده باشند و انضاماتصال  
دادہ سر ایند آں را ریختہ گویند و ایں ریختہ را در ہر پردہ می بندند و ذوق  
و لذتے اخروں می دہد“

اس عبارت میں خیال کسی شرح کا محتاج نہیں کیونکہ اب بھی موسیقی میں اس کا  
رولج ہے۔ رہی فارسی اس کے لئے مخدوم علماء الدین فرماتے ہیں:-  
”فارسی ہطلای آں را نام نہند کہ یک بیت را با تا تا فی مقرون ساختہ برست  
کنند“

گویا ریختہ کا اطلاق ایسے سرود پر ہوتا تھا جس میں ہندی اور فارسی اشعار یا مصرعے  
یا فقرے جو مضمون تال اور راگ کے اعتبار سے متحد ہوتے تھے۔ ترکیب  
دیدہ جاتے تھے۔ اس کی مثال میں امیر خسرو کی وہ غزل بتائی جاسکتی ہے جس کا  
مطلع ہے

ز حال سیکم کن تغافل دور اے نیناں بناے بتیاں

چو تاف بچراں ندارم ایجاں ملیو گا ہے لگاے چتیاں

شیخ ہباء الدین بن حاجی معز الدین متوفی ۹۱۲ھ شیخ رحمت اللہ گجراتی کے مرید تھے۔

یاجن مختص تھا۔ اور فارسی و ہندی میں شعر کہتے تھے۔ انہوں نے اپنی ایک تالیف میں جو مریدوں کی ہدایت اور اپنے مرشد کے حالات میں لکھی ہے فقرات ذیل کو ریختہ کے نام سے یاد کیا ہے:-

”یہ صوفی سہ الہی      اس مرتبہ دار و شاہی      یہ مظهر عین خدا ٹی  
دراں مجلس مظهر عین خدا تھا      آنجا عین شبن خدا باشد      آنجا بار و رحمتہ اللہ  
آنجا ساتی رسول اللہ      آنجا ہمہ اللہ باشد نہ غیر اللہ“

شیخ یاجن اس سرود کو ریختہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ میں انہی کی تصنیف سے ایک اور مثال دیتا ہوں:-

”یاجن یہ وہ پونے جو کوئی کھانے      بکھلے آپ کو جیوں سب کو ٹی جانے  
آں زوہست کہ منصف جمالش دامن      اس حدیث از دگراں پرس کہ من حیرانم  
باش تا جاں برود در سراں یا لطیف      کہ بکارے بہ ازین کارنیا یہ جام“  
شیخ جمالی عمدہ جابوں و شیر شاہ کے شاعر ہیں ان کے نام پر یہ ریختہ مشہور ہے  
بعض تذکروں اور بیاضوں میں امیر خسرو کی طرف منسوب ہے  
..... ہر دو تیرا کتا ہے      مونیاشد بردر تو ستا ہے  
خوار شد مزار شد ملت گیا      در رہ عشق تو کمر متا ہے  
گرچہ بدم گفت رقیب کتن      اس کا کماست کرو یہ جتا ہے  
گاہ نگفتہ کہ جالی تو بیشم      تو تم کو کیا اپنا کرم پتا ہے  
شیخ سعدی دور اکبری کے ایک بزرگ ہیں جن کو غلطی سے عوام شیخ  
سعدی شیرازی مانتے ہیں۔ ان کا ریختہ اکثر تذکرہ نویسوں نے نقل کیا ہے  
میں صرف مقطع پر قناعت کرتا ہوں  
سعدی کہ گفتہ در ریختہ در ریختہ      شیر و شکر آمینہ ہم ریختہ ہم گیت ہے

گویا اس عہد تک ریختہ کے معنی گیت کے لئے جاتے تھے۔ ہندی موسیقی کی سرپرستی چونکہ اکثر سلاطین و مشائخ نے کی ہے اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ متعدد فارسی اصطلاحات اس میں داخل ہو گئی ہیں۔ چنانچہ ریختہ بھی ہندی موسیقی میں موجود ہے۔ ہندی زبان میں ہم ریختہ کی سرگزشت سے اچھی طرح واقف نہیں ہیں تاہم اس قدر یقیناً کہا جاسکتا ہے کہ ریختہ وضع ہونے سے عنقریب بعد ہی ہندی موسیقی میں پہنچ گیا ہے حتیٰ کہ بعض ریختہ شاہ کبیر یا کبیر داس کی طرف منسوب ہیں۔ ہندی لغت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندی شعرا نے بحر مضارع مثمن، اخب، مفعول، فاعلاتن، مفعول فاعلاتن کا نام ریختہ رکھ دیا ہے جس کی مثال ذیل میں عرض ہے:-

سُن لے بشو دارانی، تو لال کی بڈائی	سب لوک لاج دانے، یئانیں دہو بھائی
ہو رین ہی میں گئی جو، جل ہرے کاج ہینا	پیچھے سوں آدا چانک، اُن منٹے میرے نینا
ڈہری میں لٹے کھسے، تب بولے ٹیڈھے بینا	ہوں تو رہی اکیلے، دانگ گوال سینا
تب سنبے لہو کر کے، تاری مری بجائی	ہنس ہنس کے چھل موسوں، کدے لگو ٹھولی
یہ چھپ تپا لکھ کی، اب کاسوں جا بے تولی	نکھے کبھی بدن کو، کبھوں وہ چھوٹے چولی
میں تو کچھ کی ماری، واسوں کچھو نہولی	پُٹن ہتیاں میری ٹھکی، لگڑی دھن گرائی
انگیا کے بند توڑے، چندری شڈاک پھاری	ڈلری کے نہ کھو کبوں، گل ہتیاں پیر ڈاری
یہ سب کچال دیکھیں، لگ ٹھانے پر کھ ناری	تاہوں پام میرو، بیکر سناوے گاری
گر جن میں میری دانے باودہ کری ہنسائی	کبھوں کہے پیاری، تو کبوں اکیل آئی
کے گہر میں تیرے پت کی، ٹوسوں ہٹی لرائی	نوجل بھوں ہارے، کر موسوں متر نائی

بدبھانے موری توری، جو رے بھلی بنا ئی

نارن داکا باتیں، سن کے ہنات لچائی

بعض وقت مصرع کے آخری رکن فاعلاتن میں سبب خفیف اگر اک فاعل لے آتے

ہیں۔ اس تناؤ میں ایسی متعدد مثالیں میری نظر سے گزری ہیں۔ قدیم زمانہ میں ریختہ صرف بحر مضاع ہی میں محدود نہ تھا بلکہ اور بحرؤں میں بھی لکھا جاتا تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ عرصہ بعد ریختہ نے موسیقی سے نکل کر عمومیت حاصل کر لی اور اس کا اطلاق ایسے کلام منظوم پر ہونے لگا۔ جس میں دوزبانوں کی اتحاد ہو۔ چنانچہ شیخ باجن۔ شیخ جمالی اور شیخ سعدی کے ہاں ریختہ کا یہی مفہوم ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ ریختہ ایسی نظم ہوتی تھی جس میں ہندی فارسی کے اشعار یا فقرے متحد ہوتے تھے۔ یہاں ایک مثال بارہویں قرن ہجری کے ریختہ کی دیجاتی ہے۔ جو خواجہ حافظ کی مشہور غزل کی تفسیر میں ہے۔ ریختہ ے

ریختہ بنی کلام منظوم

”سوکھ چین کے مثل ہوں سیمہ باکر و بکارا دل می رود دردستم صاحب دلاں خدا را  
اکھیاں نے جھڑ لگایا رسوا کرینگی آخر وردا کہ راز پنہاں خواہ شد آشکارا  
لے مگ نکاح من و دل کی مراد یوں ہے باشد کہ باز ہمیں آں یار آشنا را  
دودن کی زندگانی امت کر جفا کسی پر نیکی بچاے یاراں فرصت شمار یارا  
تن من کیا ہے لوہو، لوہو کیلے پانی دلبر کہ در کف او موت سناب خارا  
اکثر گناہ کر کے، اب ہو رہے ہیں ثابت لے شیخ پاک دہن معذور وار مارا  
اندر سر لے گلشن، بلبل پکارتی ہے لالت استیوچ ہیٹوا، آیا آؤت اشکارا  
محتاج یک نظر کا دوبارہ پرکھڑا ہوں رونے سے فقہ کے کن، درویش بے نوارا  
دنیا کا فکر مت کر، کتا میں خواجہ حافظ کہیں کیمیا شے سببی، فاروں کند گدارا“  
میر تقی میر نے اپنے تذکرے میں ریختہ کی چار تفسیریں کی ہیں :-

ریختہ بنی کلام منظوم

(۱) یہ ہے کہ ایک مصرع ہندی ہوا اور ایک مصرع فارسی جیسی کہ تفسیریں بالا

(۲) یہ ہے کہ نصف مصرع ہندی ہوا اور نصف فارسی۔

(۳) یہ ہے کہ اس میں فارسی کا عنصر حرف و فعل کی صورت میں ہے۔

(۴) وہ ہے جس میں صرف فارسی کی ترکیبیں پاٹی جائیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ تقسیم میر صاحب کی اپنی انج ہے اور عام طور پر رائج نہیں تھی، ریختہ کی غزلوں میں تقسیم منقوط شکل میں عام طور پر ملتی ہیں۔ گیارھویں صدی میں ریختہ کا اطلاق بالعموم اردو نظم پر ہونے لگا چنانچہ ذیل کی غزل بھی ریختہ ہے :-

جُنا رحم فرما دناں، یا مجھ بلا یا آؤناں      ایسا بھی کیا نرساؤناں، یا مجھ بلا یا آؤناں  
تیرے نراقوں دن دین، تو میں ہیں انجھوین      کب تک یہ رہاؤناں، یا مجھ بلا یا آؤناں  
کیتا کول لے ناترس، ایک یکٹھی گڈرئی س      بیگی خیر کسلاؤناں، یا مجھ بلا یا آؤناں  
پالے شتائی کر دوا، خون غریباں نہیں دا      مجھ جو کول سچاؤناں، یا مجھ بلا یا آؤناں  
ہے دل میں بہ آرزو، یکے دراپنے دو برد      لے جان من تہلاؤناں، یا مجھ بلا یا آؤناں  
یجس ہے دن چار کا، جوں پھل ہے گلزار کا      آخر کو ہے کسلاؤناں، یا مجھ بلا یا آؤناں  
ساجن کروں کیتا گلہ، اب صل کا شربت پلا      توڈ جگر پہونچاؤناں، یا مجھ بلا یا آؤناں  
ایسا نہ ہو بیباک توں، آخر ہے شستِ خاک توں      کچھ حق سبیتی شراؤناں، یا مجھ بلا یا آؤناں  
دل جلے کا توں ہے، ہر یہ سخن بے مول ہے      مطلب حقیقی پاؤناں، یا مجھ بلا یا آؤناں  
کنتا ہوں اب چہلاؤناں، رحمت جو کرنی ہو تو کر      پیچھے عیش پچھتاؤناں، یا مجھ بلا یا آؤناں  
باد رہے کہ اس عہد میں ریختہ نظم کے ساتھ مخصوص ہے اس کو شر کے ساتھ  
بازبان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ استاد ولی کے ہاں اسی مفہوم میں استعمال  
ہوا ہے۔ ذیل میں بعض اشعار حوالہ نظم ہیں :-

(۱) ”دلی پنجہ جس کی تعریف میں جب بے نیختہ بولے      سُنے تو اُس کی جان دل سوں سنانِ عجم آکر“

(۲) ”اُسید جھکویو ہے دلی کیا عجب آکر      اس ریختہ کوں سُن کے ہوں معنے نگار بند“

(۳) ”یو ریختہ دلی کا جا کر اسے سُنایو      رکھتا ہے فکر روشن جو انوری کی مانند“



اور سراج اور نگاہ آبادی ۷

”لے سراج اس منتخب دیوان کے سب ریختے خامہ شکران خواہاں سے ہیں لائق ماد کے“

میر تقی میر کے ہاں بھی بعض اوقات اسی مفہوم میں آیا ہے۔ امثال :-

(۱) پڑھتے پڑھتے پٹے پٹے دیوان میں ان پختوں کو لگ

(۲) سر سبز ہند ہی میں نہیں کچھ یہ ریختہ ہے صوم پیکر شعر کی سارے دکن کے بیچ (۱۹)

(۳) کچھ ہند ہی میں دیر نہیں لوگ جیہ پاک چھیرے ریختوں کا دوانا دکن تمام (۲۱)

(۴) دوانا ہو گیا تو میر آخر ریختہ کہہ نہ سکتا تھا ہیں بنگالہ کہ یہ باتیں نہیں بھیاں (۲۲)

(۵) ترک چم سے عشق کیا تھا ریختے کیا کیا بیٹے کھے رفتہ رفتہ ہندوستان سے شعر مرا ایران گیا (۲۳)

اشعار بالا میں ریختہ کے معنی شعر و سخن (ہندی) یا کلام منظم کے لئے گئے ہیں۔

ریختہ کنامرادف ہے سخن گفتن کا۔ جب دہلی میں ولی کے اثرات میں اردو شاعری کا

رواج ہوا تو ریختہ دکن سے ہی معنی ساتھ لایا ہے۔

اگرچہ شمال میں اردو گو شعر اگیا اڑھویں صدی ہجری میں موجود تھے مثلاً محمد فضل

جہانمازی متوفی ۵۳۷ھ اور جعفر زلیٰ لیکن قد لے اردو نے ریختہ گوئی کا سہرا دیا

ہی کے سر باندھ دیا ہے۔ اکثر نے ولی کے تتبع میں شعر گوئی کی ہے۔ چنانچہ

ثناء حاتم اپنے لئے کہتے ہیں۔

”دہ شعر فارسی بیرو میرزا صاحب است و در ریختہ ولی را استاد می داند“

میر تقی میر کہتے ہیں ۷

”خوگر نہیں ہم یوں ہی کچھ ریختہ کنو سے معشوق جواپنا تھا باندہ دکن کا تھا“ (۱۹)

قائم کا بیان ہے ۷

”قائم میں غزل طور کیا ریختہ ورنہ اک بات لچر سی بڑیاں دکنی تھی“

میر حسن کا قول ہے :- ”باید دست کہ ریختہ اول از زبان دکن رواج یافت“

کلیات سودا کے دیباچہ میں اُن کے ایک شاگرد کا بیان ہے :-  
 ”ہمارا نقصان دورہ فارسی گویان قویت پادشاہی ملک سخنوری یختہ ہندی  
 بولی و کئی دناجی و آبرو و غیرہ رسید“

شاہ گلشن نے جو مشورہ ملی کو دیا ہے قدرت نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے :-  
 ”نماز بان و کئی را گدہ شستہ ریختہ را موافق اردو سے معلیٰ شاہ جہان آباد  
 موزوں کہنید۔“

ریختہ سے مراد اگرچہ ولی اور سراج کے ہاں نظم اردو ہے لیکن دہلیوں نے  
 بالآخر اس کو زبان اردو کے معنی دیدیئے اور یہ معنی قدرت آپیدا ہو گئے اس لئے  
 کہ ان ایام میں اردو زبان کا تمام تر سرمایہ نظم ہی میں تھا۔ جب شریدا ہو گئی تو یہی  
 اصطلاح اُس پر مطلق آگئی۔ اس طرح ریختہ قدرت آباد زبان کا نام ہو گیا۔  
 اردو کے نام ریختہ کے علاوہ اور بھی ہیں مثلاً شیخ باجن متونی ۱۹۱۲ء اس  
 زبان دہلوی کے نام سے یاد کرتے ہیں وہ کہتے ہیں ”صفت دنیا زبان دہلوی گفتہ“  
 اس سُرخ کی فیل میں اُنہوں نے اشعار ذیل لکھے ہیں۔ جو اردو اشعار کا قدیم ترین  
 نمونہ مانے جاسکتے ہیں۔

دوہرہ ، یفتنی کیا کہے یہ ملتی ہے جب ملتی ہے تب چلتی ہے (ہینول)  
 اول آن چل بہت چلاے آن چوہری بہتی کساے آن روکر بہت رلاے  
 یہ فتنی کیا کہے یہ ملتی ہے جب ملتی ہے تب چلتی ہے (ہینول)  
 آن بہت کہیرے پاے جس بلکے وے ان چاکے جے رہے اس تے تے تے  
 وے نہ جانے اس تے پاے جے اس کا رن پتہ ترسنہ جے چکے تے تو اس ستہ بلسنہ  
 پتنتی انوں تپا وے چکے پاس انوں آوے جے اُس کد جیں نہ لوریں  
 جے چکے تے تو ہی اس چورہ جے ویکہ اس تے ہلگے پیلج ان ستہ لاگے (تخلص)

دیکھہ باجن یہ توجہوتی منہ میتی چت نیستی یہ اسے ایسی دہشتی

یہ فتنی کیا کہے یہ ملتی ہے جب ملتی ہے تہہ ملتی ہے

یہ اشعار میں نے ایک ایسے نسخے سے لئے ہیں جو سخت غلط ہے۔ اور  
بارہویں صدی کے خاتمہ کے قریب لکھا گیا ہوگا۔ باجن پہلے شخص ہیں جنہوں نے  
اردو کو زبان دہلوی کے نام سے یاد کیا ہے۔

ایک دلچسپ امر یہ ہے کہ جب اہالی دکن نے اردو کا نام دکنی رکھا، اہالی  
گجرات نے اس کا نام گجراتی یا گوجری رکھ دیا۔ لطف یہ ہے کہ خود ان ممالک کے  
باشندے اس کو ان ناموں سے پکارتے رہے۔ شیخ محمد خوب نے مشنری  
خوب ترنگ ۱۸۶۹ء میں لکھی ہے۔ اس تصنیف کی زبان گجراتی کے مقابلہ میں  
زیادہ تر اردو کے ذیل میں داخل ہے۔ لیکن شیخ اس کو گجراتی بولی کہتے ہیں۔ شعر  
جیوں دل عرب غم کی بات سن بولی، بولی گجرات  
اسی طرح شاہ علی محمد جیوگام دہنی کی ”عواہر سرار اللہ“ کو اس کا مرتب  
شیخ حبیب اللہ قریشی الاحمدی گوجری کہتا ہے۔ چنانچہ دیباچہ میں لکھتا ہے :-  
”مدیان توحید واسرار بالفاظ گوجری بطریق نظم فرمودہ۔ دریں مختصر  
آوردہ و جمع کردہ“

محمد امین نے اپنی مثنوی یوسف نے بیجا بعد عالمگیر ۱۱۰۹ھ ہجری میں نظم کی ہے۔  
باوجودیکہ وہ صاف دکنی اردو میں لکھ رہا ہے مگر وہ اس کو گوجری زبان کے نام  
سے یاد کرتا ہے۔ چنانچہ

منو مطلب اسے اب یو امیں کا لکھی گوجری منے یوسف زینجا  
ہر یک جانگے ہے قصہ فارسی میں امیں اس کوں اتاری گوجری میں  
کہ بوجھے ہر کدام اس کی حقیقت بڑی ہے گوجری جگ بیچہ نعمت

اہالی وکن وکنی کہتے رہے اُس کی متعدد مثال ہم پہنچائی جاسکتی ہیں۔  
لیکن میں صرف ایک مثال پر قناعت کرتا ہوں مثلاً شاہ ملک بیجا پوری سرائے جی  
احکام الصلوٰۃ تالیف شمس کے خاتمہ میں کہتے ہیں :-

”یوسلیاں کوں وکنی کیا اس سبب فہم کر سہے دل میں کریں یاد سب“  
پُرانے مغربی مصنفین کبھی اس کو لینگوئج اف انڈوسٹان یا ہندوستان اور  
بعد میں ہندوستانی کہنے لگے۔ ہمارے ہاں عام خیال یہ ہے کہ انگریزوں نے  
یہ نام دیا ہے، لیکن امر واقع یہ ہے کہ خود ہمارے اسلامک لٹریچر زبان ہندوستان  
یا بولی ہندوستان کہتے رہے۔ مولانا وحی کتاب سبرس میں جو بقول مولوی  
عبداللہ صاحب شمس کے عنقریب بعد تصنیف ہوئی ہے۔ اردو کو زبان  
ہندوستان کہتے ہیں :-

”آغاز دوستان۔ زبان ہندوستان۔ نقل۔ ایک شہر تھا۔ اس کا ناؤں  
سیستان“ (رسالہ اردو اورنگ آباد ص ۲۵ حصہ شانزدہم)

اردو کا سب سے قدیم نام ہندی یا ہندوی ہے۔ اس کی ایک پرانی مثال  
ہے جو حضرت شاہ میراں جی شمس العشاق متوفی ۹۰۲ھ کے رسالہ خوش فخر میں  
ملتی ہے، میراں جی فرماتے ہیں :-

میں عربی بول کیرے اور فارسی ہو تیرے یہ ہندی بولوں سب  
اس ارتونکے سبب یہ بھاکا ہلسو بولی پن اس کا بہاوت کھولی  
یوں گر کہ پسند پایا تو ایسے بول چیلایا بے کوئی اچھیں غاصے  
اس بیان کیرے پیاسے سے عربی بول نجافے نا فارسی پیچھانے  
یہ ان کو بچن ہیست سنت جو جیں ربیت یو دیکھت ہندی بول  
پر معنے ہیں نپ تول (رسالہ اردو ص ۱۸۵ حصہ ہست ششم)

## اُردو کا آغاز

سب سے پیشتر میں وہ آرا نقل کر دیتا ہوں جو ہمارے مصنفین نے اردو کے آغاز اور قدامت کے متعلق دی ہیں۔ میرا سن کا بیان ہے \*

جب اکبر شاہ تخت پر بیٹھے تب چاروں طرف کے ملکوں سے سب قوم قدر دانی اور فیض رسانی اس غافلان لاثانی کی سن کر حضور میں آکر جمع ہوئیں۔ لیکن ہر ایک کی گویائی احمد بولی جدی جدی تھی۔ اکٹھے ہونے سے آپس میں لین دین سوسللف سوال جواب کرتے ایک زبان اردو کی مقرر ہوئی۔“ (باغ و بہار ص ۵)

مرسید کہتے ہیں :-

جیکہ شہاب الدین شاہ جہان بادشاہ ہوا۔ اور اس نے انتظام سلطنت کا کیا۔ اور سب ملکوں کے وکلاء کے حاضر رہنے کا حکم دیا۔ اور دلی کو نئے سرے سے آباد کیا۔ اور قلعہ بنایا۔ اور شاہ جہان آباد اس کا نام رکھا۔ اس وقت شہر میں تمام ملکوں کے لوگوں کا مجمع ہوا۔ ہر ایک کی گفتار و رفتار جدا تھی۔ ہر ایک کا رنگ ڈھنگ نرالا تھا۔ جب آپس میں معاملہ کرتے ناچار ایک لفظ اپنی زبان کا دو لفظ اس کی زبان کے تین لفظ دوسرے کی زبان کے ملا کر بولتے۔ اور سوسللف لیتے۔ رفتہ رفتہ اس زبان نے ایسی ترکیب پائی کہ یہ خود بخود ایک نئی زبان ہو گئی \*

ظہیر الانس کے مصنف کا قول ہے \*

”ہر گاہ سر سلطنت از جہانگیر متجاوز شدہ نوبت شاہ جہان بادشاہ رسید۔ اینجا کہ بسبب مصاحبت و معاشرت علمائے دین فی الجملہ خود داری و تشرع غالب بود۔ ایں زبان ریختہ معجون مرکب بسبب آمد و رفت تاجران ہر دیار در بازار

بمقتدرت خرید و فروخت و معاملات داد و ستد ضروری الاستعمال شدتاً زبان

یکے بفہم دیگرے درآید" (منقول از جلوۂ خضر)

امام بخش صہبائی رسالۂ قواعد اردو میں فرماتے ہیں :-

شاہجہان آباد تیموریہ خاندان کے شاہجہان نے آباؤ کیا۔ اس وقت فارسی کے

بعض الفاظ اور ہندی کے اکثر لفظوں میں کثرت استعمال کے سبب تبدیل لغت

واقع ہوا۔ اور اس خلاصہ سے جو بولی مروج ہوئی۔ اس کا نام اردو بھرا یا خود

از خزینۃ العلوم

شمس العلماء محمد حسین آزاد کی رائے ہے :-

مسلمان بھی اب یہیں کی زبان کو اپنی زبان سمجھنے لگے تھے۔ اور اس زبان کو

کس شوق اور محبت سے بولتے تھے۔ شاید یہ نسبت ہندوؤں کے فارسی عربی

لفظان کی زبان پر زیادہ آجاتے ہوئے۔ اور قنایاں، ہنسا سنا اور استقلال

زیادہ ہوتا گیا۔ اتنا ہی روز بروز فارسی ترکی نے ضعیف۔ اور یہاں کی زبان نے

زور پکڑا ہو گا۔ رفتہ رفتہ شاہجہان کے زمانہ میں کراچیاں تیموریکا آفتاب

عین اوج پر تھا۔ شہر اور شہرینہ تعمیر ہو کر نئی دلی دار الخلافہ ہوئی۔ بادشاہ

اور ارکان دولت زیادہ تر وہاں رہنے لگے۔ اہل سیف۔ اہل قلم۔ اہل حرفہ

اور تاجار وغیرہ ملک ملک اور شہر شہر کے آدمی ایک جگہ جمع ہوئے۔ ترکی میں

اردو بازار لشکر کو کہتے ہیں۔ اردو شاہی اور دربار میں ملے جلے الفاظ

زیادہ بولتے تھے۔ وہاں کی بولی کا نام اردو ہو گیا۔" (آبجیات ص ۱۸۷)

یہ بیانات جو ہمارے مذکورہ نگار ایک دوسرے سے نقل کرتے آئے ہیں۔

حقیقت سے بہت دور ہیں۔ ہمیں ان کو صرف بزرگوں کے تبرک کے طور پر تسلیم

کرنا چاہیئے۔ ورنہ کیا اکبر اور شاہجہان سے پیشتر دلی نہ تھی باہندہ اور مسلمان

نہ تھے۔ یا لوگ سودا سلف نہیں لیتے تھے۔ یا مختلف قومیں ایک جا رہ سہ کر کا رہا کرنا نہیں جانتی تھیں۔ پھر اگر پاشا ہجہان کے عہد کے ساتھ کیا خصوصیت ہے کہ اردو کی بنیاد رکھی جائے۔ شاہجہان نئی دلی کا قلعہ ۱۶۳۹ء میں طیار کرنا ہے۔ محمد افضل پانی پتی متوفی ۱۶۵۷ء شاہجہان آباد کے آباد ہونے سے بہت پہلے اپنا دوازدہ ماہہ یا بارہ ماہہ اردو میں تصنیف کرتا ہے۔ دکن میں اردو ادبیات کا سلسلہ اکبر پاشا کی تخت نشینی سے پچاس سال قبل شروع ہو جاتا ہے۔ اور یہ بزرگ ہیں کہ شاہجہان کے سنگ بنیاد کے ساتھ ساتھ اردو کی بنیاد ڈال رہے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ بابر اپنے ترک دیوان میں ایک شعر ایسا لکھ جاتا ہے جس کا ڈیڑھ مصرعہ اردو ہے۔ وہ شعر یہ ہے :

مچ کا نہ ہوا کج ہوس مانک و موتی

فقر اہلبغہ بس بولغو سید و پانی در دلی

اصل یہ ہے کہ اردو کی دلغ میل اسی دن سے پڑتی شروع ہو گئی ہے جس دن سے مسلمانوں نے ہندوستان میں آکر توطن اختیار کر لیا ہے۔ ہمارے مصنفین کا ایک اور معروف خیال یہ ہے کہ اردو برج بھاشہ سے نکلی ہے۔ کوئی اسے برج کی بیٹی بنا تا ہے۔ اور کوئی اس کے دودھ سے اس کی پرورش کرتا ہے۔ میں تمثیلاً بعض کے بیانات یہاں حوالہ قلم کرتا ہوں :

آزاد فرماتے ہیں :-

اتنی بات ہر شخص جانتا ہے کہ ہماری اردو زبان برج بھاشہ سے نکلی ہے۔ اور برج بھاشہ خاص ہندوستانی زبان ہے۔ لیکن وہ ایسی زبان نہیں کہ دنیا کے پرہیزگار ہندوستان کے ساتھ ہی آئی ہو۔ اس کی عمر آٹھ سو برس سے زائد نہیں ہے۔ اور برج کا سبزہ نہ اس کا وطن ہے ۔

» بیانیہ سے نکلی

حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری رسالہ تاج اردو سے قدیم میں یوں گویا ہیں:-  
مسلمانوں کے اثر سے برج بھاشہ میں عربی فارسی الفاظ داخل ہونے لگے۔  
جس کے باعث اس میں تغیر شروع ہوا۔ جو روز بروز بڑھتا گیا۔ اور ایک عرصہ  
کے بعد اردو زبان کی صورت اختیار کر لی ۔

اس موقع پر ہمارے مورتخ یہ امر فراموش کر جاتے ہیں کہ مسلمانوں کے  
تعلقات ہندوستان اور اہل ہند کے ساتھ پر تھی راج کی شکست اور فتح دہلی  
کے زمانہ سے شروع نہیں ہوتے۔ بلکہ ان واقعات سے کئی صدی پیشتر سے  
ابتدا پاتے ہیں۔ عربوں کی فتح سندھ و ملتان اور غزنوی خاندان کی فتح پنجاب کو  
مطلق فراموش کر جاتے ہیں۔ سندھ و ملتان پر مسلمان پہلی صدی سے قابض تھے  
پنجاب پر ان کا قبضہ معز الدین محمد سام کی آمد سے ایک سو ستر سال پہلے سے تھا  
سندھ و پنجاب میں ہندو مسلم اقوام سب سے پہلے ملتی جلتی ہیں۔ اس لئے انہیں  
اگر ایک عام زبان کی ضرورت ہوئی تو ان ممالک میں پیش آئی ہوگی۔ اور اردو کو  
ان ممالک میں وجود میں آنا چاہئے ۔

عربوں نے جب ایران فتح کیا۔ تو سیاسی اور سرکاری اغراض کے لئے  
ایران کی مختلف زبانوں سے ایک زبان کو چن لیا۔ یہ زبان مشرقی ایران میں بولی  
جاتی تھی۔ اگرچہ ہم غلطی سے اس کو خطہ فارس کی طرف منسوب کیا کرتے ہیں۔  
اسی طرح جب مسلمان سندھ و پنجاب پر قابض ہو گئے۔ تو یہاں بھی یہی ضرورت  
محسوس ہوئی ہوگی۔ اگر سندھ میں نہیں تو پنجاب میں یقیناً انہیں کوئی نہ کوئی زبان  
اختیار کرنی پڑی ہے ۔

جب ہم اردو کے ذول اُس کی ساخت اور وضع قطع کو دیکھتے ہیں۔ تو  
صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا ڈھنگ اور ہے۔ اور برج بھاشہ کا رنگ اسی ہے



دونوں کے قواعد و ضوابط و اصول مختلف ہیں۔ اردو برج بھاشہ کے مقابلہ میں پنجابی بالخصوص ملتان سے مماثلت قریبہ رکھتی ہے۔ برج سے چند تریمیں قبول کر لینا یا الفاظ کا مستعار لینا دوسری بات ہے۔ لیکن جہاں برج سے اُس نے الفاظ مستعار لئے ہیں۔ وہاں برج پر بھی اپنا اثر ڈالا ہے۔ اور برج پر کیا سونو ہے۔ ہندوستان کی دوسری زبانیں بھی اردو کے پرتو سے خالی نہیں۔

ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ اگرچہ اردو زمانہ بین الاقوامی ضروریات کی بنا پر جوڈ میں آئی۔ لیکن بہت جلد بعد وہ ہندوستان کے مسلمانوں کی عام زبان بن گئی۔ اس نے سنیچ پارہو کو مسلمانوں کا دامن پکڑ لیا۔ مسلمان سپاہی۔ اہل بہیر و علمہ و ستکار و پیشہ ور۔ مزدور و فقیر۔ درویش و مسافر کا ساتھ دیا۔ دکن۔ گجرات۔ بنگال و بہار۔ جہاں کہیں وہ گئے یہاں کے ساتھ رہی اور ساتھ ہی بسی۔ ابتدا میں وہ عوام و غیر تعلیم یافتہ طبقہ کی زبان تھی۔ آخر میں اس کی ہر عزیز و بیکھر تعلیم یافتہ طبقہ نے بھی اس کی طرف توجہ کی۔

پیشتر اس کے کہ ہم اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ بحث کریں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر مسلمانانہ عہد کے تاریخی واقعات پر بالخصوص جو دہلی اور پنجاب کے تعلقات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ایک نظر ڈال لیں۔

پہلی صدی ہجری کے اواخر میں محمد بن قاسم کی فتوحات سندھ اور ملتان کو اسلامی قلمرو میں شامل کر دیتی ہیں۔ اور اسلامی تہذیب تمدن ان ممالک میں شائع ہو جاتے ہیں۔ لیکن تیسری صدی سے صفاریوں کی فتوحات کی بنا پر ایرانی اثرات بھی پھیل جاتے ہیں۔ اس عہد کے سیاحوں کا بیان ہے کہ یہاں کے باشندے ہندو اور مسلمان عراقی لباس پہنتے تھے۔ ہندو بھی شلوار کا استعمال کرتے تھے اور ڈاڑھیاں رکھتے تھے۔ چوتھی صدی کے سیاح اصطخری کے بیان سے

پنجاب اور پنجاب کے تعلقات

عہد مسلمانانہ کا بیان

معلوم ہوتا ہے کہ لہان اور منصورہ کے باشندے فارسی اور سندھی دونوں بانیں بولتے تھے۔ موجودہ بلوچستان کے ایک حصہ کا نام ایرانیوں نے توران رکھ دیا تھا۔ اُس کے حاکم نشین شہر کا نام قصدار یا قردار تھا۔ یہی شہر فارسی کی مشہور عہدہ رابعہ بنت کعب القصداری کا جس نے اسناد ردو کی متوفی ۲۹۶ھ سے مشاعرہ کئے ہیں۔ وطن تھا۔ ایرانیوں نے درۂ قرم کے پاس ایک شہر کا نام کرمان اور گندمارا کا نام قندمار رکھ دیا تھا۔ لہان کے رگستان کو دشت تبچاق۔ دریائے سندھ کو جیچوں۔ مہران اور سندردو۔ اور دریائے چناب کو جندردو یا جندردو کہتے تھے۔ مسعودی منصورہ کے قریب ایک شہر کا نام دوشاب بتاتا ہے جو ظاہر ہے کہ فارسی الاصل ہے۔ بلکہ انہوں نے اپنے وطن کے پانچ دریاؤں کی یاد میں پانچ دریاؤں کے درمیانی علاقہ کا نام بھی پنجاب رکھ دیا تھا۔

فارسی پر ہندی اثر

اس کے برخلاف خود فارسی زبان میں ہمیں ایسے الفاظ ملتے ہیں جیسی عہد میں فارسی پر ہندی اثرات کی گواہی دیتے ہیں مثلاً لفظ بت جو بودہ کی بگڑی شکل ہے۔ یا کو نوال جو ٹھیکٹ ہندی یعنی کوٹ والا یعنی مالک قلعہ تھا۔ یہ لفظ شاہنامہ فردوسی میں بھی موجود ہے چنانچہ

چو آگاہ شد کو نوال حصا۔۔۔ برا دینت بار سنم نامدار ۴  
صاحب شرف نامہ کہتے ہیں :-

و از شیخ واحدی محقق است کہ لفظ ہندی است کہ سخراساں و فارس مشہور  
شدہ ۵۰ ۴

ہیلج کی بابت بھی صاحب شرف نامہ کی یہی رائے ہے وہ کہتے ہیں :-  
اِس لفظ ہندی است کہ مستعمل در فارسی شدہ است ۶۰  
اور لفظ بیلک کی تشریح میں کہتے ہیں :-

پیرشکاری دوشادہ اس لغت ہندی است کہ مستعمل دیپاری شدہ“  
 لکھن یعنی لنگھن (روزہ ہندواں) منو چہری کے ہاں لٹا ہے شل یعنی  
 سیل ہندی ہے۔ اور فرخی کے ہاں لٹا ہے ۵  
 بگونہ و مثل افغانیاں دہرہ و نیر  
 چو دستہ دستہ ہم تیر ہاے بے سونار  
 چندن فرخی اور منو چہری کے ہاں آتا ہے۔ جسے آج کل ہم صندل کہتے ہیں  
 برشکال (دوس کال) یعنی برسات کا موسم۔ ہندی لفظ ہے۔ مسعود سعدیان  
 کے ہاں موجود ہے ۵

برشکال لے بہار ہندوستان لے نجات از بطلے تابستان  
 ان چند امور سے جو میں نے اوپر درج کئے ہیں۔ واضح ہوتا ہے کہ ہندی اور  
 ایرانی تمدن کا سنگم سندھ و ملتان میں غزنوی عہد سے پیشتر ہو چکا تھا۔  
 غزنوی دور میں سلطان محمود غزنوی ۳۸۶ھ و ۳۸۷ھ نے ۴۱۳ھ میں  
 لاہور پر قبضہ کر کے پنجاب کو اپنی فکر میں شامل کر لیا۔ اس شہر کو جس کا جدید نام  
 محمود پور رکھا گیا۔ اپنے والی کا صدر مقام بنادیا جس کے ماتحت فوج کی بڑی  
 تعداد رہتی تھی۔ مفتوحہ علاقہ مختلف ضلعوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ مثلاً جالندھر  
 جہلم۔ ملتان۔ سندھ وغیرہ۔ سپاہ میں زیادہ تر ترک۔ افغان۔ خلیج اور ہندی تھے  
 فوج کی تعداد کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ابوالنعم زبیر شیبانی کے پاس جو  
 سلطان ابراہیم غزنوی ۴۵۵ھ و ۴۹۲ھ کے عہد کا سپہ سالار ہند تھا۔ چالیس  
 ہزار فوج تھی۔ اس کے ماتحتوں کی فوجیں اس کے علاوہ ہیں۔ الغرض مسلمانوں  
 کی ایک کثیر تعداد محمود کے وقت ہی سے پنجاب میں آباد ہو گئی تھی۔ غزنوی  
 سلطنت اگرچہ ایران و خراسان میں سبجو قبیلوں کے بڑھنے و فوج کے سامنے

غزنوی عہد

اپنے مقبوضات یکے بعد دیگرے کمزور ہی تھی۔ لیکن ہندوستان میں اُن کی طاقت ترقی پر تھی۔ ہانسی سلطان مسعود شہید نے فتح کی غزنی و ہند کے والیان ہند کے حالات اور کارناموں پر اگرچہ پردہ پڑا ہوا ہے۔ لیکن ابو الفرج رونی کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو النعمان زبیر شیبانی کے کارناموں نے سلطان محمود کے دور کا احیا کر دیا تھا۔ وہ ایک طرف بازرسی (بہارس) دوسری طرف سومات پر چھاپہ مارتا ہے۔ تانیسر (تھانیسر) والوں کو مغلوب اور فوج کو زیر کر چکا ہے۔ میرٹھ پر اس کا قبضہ ہے۔ اور چونکہ انکی والی دہلی نے میرٹھ کو تباہ کر دیا ہے۔ وہ انتقاماً دہلی پر حملہ کی تیاریاں کر رہا ہے۔ یکایک سلطان ابراہیم غزنوی کی ہندوستان میں آمد نے اُس کے ارادہ کو معرض التوا میں ڈال دیا ہے۔ زبیر جس کی تفصیلات کا ہمیں کوئی علم نہیں یا غی اور غدار قرار دیا جاتا ہے۔ اور ایک جنگ کے بعد گرفتار ہو کر قتل کر دیا جاتا ہے۔ ابو النعمان کا جانشین شاہزادہ سیف الدولہ محمود اگرہ فتح کرتا ہے۔ سلطان مسعود ثالث ۷۹۲ھ و ۷۹۳ھ کے زمانہ میں غزنی و غزنویوں کے مقبوضات میں داخل ہو جاتا ہے۔ ان امور سے ظاہر ہے کہ آل غزنویہ کے مقبوضات ہندوستان میں برابر وسیع ہوتے رہے۔

مسلمانوں کی یہ کثیر تعداد جو تجارت۔ فوجی و سرکاری خدمت کی غرض سے پنجاب میں ان ایام میں آباد تھی۔ پنجاب ہی کو اپنا وطن تصور کرنے لگی تھی۔ لاہور اس عہد کے مسلم ہندوستان کا مرکز بن گیا تھا پنجاب ان کی نگاہ میں ایک فتح کردہ ملک نہیں تھا بلکہ وہ اُس پر وطن کی حیثیت سے نظر ڈالنے لگے تھے۔ خواجہ سعد سہاں شہزادہ محمد و د کے خزاہی بن کر بعد سلطان مسعود شہید ہندوستان آئے۔ اُن کے فرزند خواجہ مسعود شاعر مشہور ہیں۔ یہ لاہور میں پیدا ہوئے ہیں۔ نشوونما اور تعلیم و تربیت پائی۔ وہ اپنے حبشیات میں لاہور کو مادر وطن کے نام

سے پکارتے ہیں۔ چنانچہ

لے لاہور دیکھ بے من چگونہ      بے آفتاب تاباں روشن چگونہ  
تا این عزیز فرزند از تو جلا شدہ است      بادردا و ہونہ پوشیوں چگونہ  
تو مرغزار بودی دمن شیر مرغزار      با من چگونہ بودی بے من چگونہ

دوسرے مقام پر کہتے ہیں

دید عید من از روستے حور دلبر دور      چگونہ باشم میری آں بہشتی حور  
چو یاد شہر ہما دور و یار خویش کنم      مباد کس کشد از یار و شہر خویش نفور  
ایک اور جگہ جب کہ جس سے رائی کی امید منقطع ہو جاتی ہے۔ کہتے ہیں  
کار اطلاق من چہ بستہ باند      کہ ہیں ایزدش بنگشاید  
مر مرا حافظی ہی باشد      و نہ دلم غارتھے ہی زاید  
نخلہ باید از حسد و اندم      کہ از بوسے لودہور آید  
کہ ہی ز آرزوے لوباور      جان دول در خم ہی ناید

لاہور کے سب سے پہلے شاعر ابو عبد اللہ روزیہ بن عبد اللہ النکتی اللہوری  
ہیں جو مسعود شہید کے مدح ہیں مسعود رازی سلطان محمود اور سلطان مسعود  
شہید کے عہد کا شاعر ہے۔ ذوالحجہ ۷۳۳ھ کے جشن ہرگاہ کے موقع پر اس نے  
سلطان مسعود کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا جس میں سبجوتیوں کے بڑھنے  
اقتدار کی روک تھام کے لئے سلطان کو نصیحت کی تھی۔ یہ نصیحت سلطان پر

مسعود رازی

لے مسعود رازی کے اشعار یہ ہیں

مخالفان تو مراں بدندہ مار شدند      بر آرزو زہور ان مار گشتہ دمار  
مدہ زمان شاں زیر پیش روزگار میر      کہ اثر دہا شود ار روزگار یاد مار

(بہتقی ص ۷۴)

گراں گذری شاعر سے ناراض ہوا۔ اور سزا دی کہ لے لے اسے ہندوستان بھجوا دیا  
 ۱۸۔ جمادی الآخر ۱۲۳۱ھ کے جشن نوروز منانے وقت شاعر کے دوستوں نے  
 اس کی شفاعت کی سلطان نے شاعر کا قصور معاف کر دیا۔ اُس کے قصیدہ پر  
 تین سو دینار صلہ دیے۔ اور ہزار دینار مشاہیر بھی معاملات حلیم پر مقرر کر دیا لیکن  
 حکم دیا کہ ہندوستان ہی میں رہے۔ استاد ابو الفرج رونی اسی شاعر کا فرزند ہے۔  
 رونی منسوب ہے۔ رونی کی طرف جو لاہور کا ایک موضع بیان کیا جاتا ہے معلوم  
 ہوتا ہے کہ ابو الفرج نے اپنی تمام عمر لاہور ہی میں گذری۔ ضرورتاً ایک آدھ  
 مرتبہ اس نے غزنین کا سفر کیا۔ حتیٰ کہ جو قصائد اُس نے سلطان ابراہیم اور  
 اُس کے فرزند سلطان مسعود ثالث کی طرح میں لکھے ہیں۔ ایسے موقع پر لکھے ہیں  
 جب یہ سلاطین ہندوستان آئے ہیں۔

ابو الفرج رونی

علماء میں سب سے مقدم شیخ اسمعیل لاہوری متوفی ۶۴۸ھ ہیں۔ جو جامع  
 علوم ظاہری و باطنی تھے۔ آپ سادات بخارا سے ہیں۔ اور لاہور کے پہلے واعظ  
 ۶۹۹ھ میں بخارا سے لاہور تشریف لائے۔ اور یہیں آباد ہو گئے۔ آپ کی مجالس  
 وعظ میں مخلوق کثرت سے جمع ہوتی تھی۔ ہندو ہزاروں کی تعداد میں آپ کے  
 وعظ سُن کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے پہلے جمعہ میں  
 ڈھائی سو۔ دوسرے میں پانچ سو پچاس۔ اور تیسرے میں ایک ہزار ہندو مشرف  
 بہ اسلام کیے۔

شیخ اسمعیل

اسے مسعود جب کا تخلص مسعودی ہے۔ ہندوستان میں زمانہ امارت سیف الدولہ محمود ۶۷۰ھ  
 کے قریب وفات پاتا ہے۔ ابو الفرج اس کا فرزند ایک قصیدہ میں سیف الدولہ محمود سے اپنے  
 باپ کی تنخواہ پر تقرری کا تمس ہے۔  
 کہ جو ہے کہ داشت مسعودی کند آثر ملک بدان تعیین

مشائخ کے سلسلہ میں ابی الحسن بن ابوعثمان الجلابی صاحب کشف المحجوب  
ہیں جو ۶۵۶ھ میں انتقال فرماتے ہیں۔ اور لاہور ہی میں مدفون ہیں۔ فی زمانہ  
داتا گنج بخش کے نام سے مشہور ہیں۔ شاہ یوسف ایک بلند پایہ بزرگ پیر  
اور ۷۵۵ھ میں وفات پاتے ہیں۔ ان کے علاوہ شیخ فخر الدین حسین زنجانی  
سید احمد توختہ ترمذی لاہوری، سید یعقوب صدر دیوان زنجانی لاہوری کو ہم  
فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ یہ بزرگ قرن ششم ہجری سے تعلق رکھتے ہیں  
خاندان غزنہ کے دو بادشاہ خسرو شاہ متوفی ۷۵۵ھ اور خسرو ملک متوفی  
۸۳۳ھ لاہور ہی کو اپنا دار السلطنت بنالیتے ہیں۔

باوجودیکہ اس عہد کی تاریخ مفقود ہے۔ ان چند ناموں سے جو اوپر  
ہیں یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ لاہور ان ایام میں ایک بارونتی اسلامی  
اور مرجع علم و فضل و ادب بن گیا تھا۔

آل غزنہ کی حکومت ہندوستان میں کم و بیش ایک سوستر سال تک رہی۔  
اس عرصہ میں مسلمان اور ہندو اقوام کی یکجائی سے ایک نئی زبان کا پیدا ہوا  
لازمی بائیکاٹ۔ سرکاری ضروریات کی بنا پر بھی شاہی عمدہ داروں لازماً  
اس ملک کی زبان سے واقف ہونا ضروری تھا۔ آخر غزنویوں کے قبضہ پر  
پنجاب، سندھ اور طتان تھا۔ ہنسی، ہسرتی اور میرٹھ تک ان کے قبضہ میں  
بلکہ یوں کہیے۔ دہلی کے قریب تک پھیلے ہوئے تھے۔ اتنے بڑے علاقہ  
مالی و ملکی انتظام کے لئے شمال کو اس ملک کی زبان سیکھنی ضروری تھی۔ جو  
لاہور ہند کا دار السلطنت تھا۔ اس لئے ظاہر ہے کہ اس خطہ کی زبان کو ان  
کی حکومت اور مسلمانوں نے ترجیح دی ہوگی۔ یہ خیال کرنا کہ جب تک مسلمان  
میں آباد ہے۔ انہوں نے کسی ہندی زبان سے سروکار نہ رکھا۔ اور جب اپنا

دہلی گئے۔ تب برج بھاشہ اختیار کی۔ ایک ناقابل قبول خیال ہے جو عقل و درایت کے منافی ہے۔ اس لئے کہ ان کو نہ صرف سرکاری ضروریات کی بنا پر ایسی زبان کی ضرورت تھی۔ بلکہ خود مسلمانوں کی اقوام کو بھی ایک دوسرے سے مبادلہ خیالات کیلئے اس کی ضرورت تھی۔ تعلیم یافتہ گروہ کیلئے یہ مشکل فارسی نے حل کر دی تھی۔ لیکن ان کا غیر تعلیم یافتہ طبقہ جو ان کی آبادی کا جزو اعظم تھا۔ فارسی سے قطعاً نا بلد تھا۔ یہ مسلمان چونکہ تازہ ولایت تھے۔ انہوں نے اس کا نام ہندی رکھ دیا۔ خود غزنویوں نے شروع ہی سے ہندی زبان کی طرف توجہ دی تھی۔ ان میں ابوریحان محمد بن احمد البیرونی قابل ذکر ہے۔ جو ابتدائیں ابو العباس ماموں خوارزمشاہ کے دربار سے تعلق رکھتا تھا۔ لیکن ماموں کے قتل کے بعد ششمین صلیبی سلطان محمود کے ہمراہ غزنیں چلا آیا۔ البیرونی محمود کی غزوات میں شریک رہا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک عرصہ تک اس کا قیام لاہور اور ملتان میں رہا ہے۔ اس نے ہندی اور سنسکرت زبان سیکھی۔ اور ہندوؤں کے مذاہب اور علوم مثلاً ہیئت نجوم و ریاضی جغرافیہ و طبعیات پر کما حقہ عبور حاصل کیا۔ عربی سنسکرت میں اور سنسکرت عربی میں متعدد کتابیں ترجمہ کیں۔ عربی میں جو ترجمہ کیں۔ ان کے نام شکلیا اور تیغلی ہیں۔ لیکن البیرونی کی سب سے ضروری کتاب تاریخ الهند ہے۔ جو اہل ہند کے اس عہد کے علوم کی قاموس ہے۔

ابوریحان البیرونی

محمود کے زمانہ میں ہندی زبان کے ترجمانوں کی ایک جماعت غزنین میں مقیم تھی۔ ان میں تلک ہندی اور بہرام کے نام ہم تک پہنچے ہیں۔ تلک دراصل ایک حجام تھا۔ ہندی اور فارسی زبانوں سے بخوبی ماہر تھا۔ کشمیر میں تربیت پائی تھی۔ خط ہندی و فارسی نہایت اعلیٰ لکھتا تھا۔ ترجمانی سے ترنہ کر کے ہندو انواع کے سپہ سالار (غزنین میں ہندوؤں کی فوج بھی رہا کرتی تھی) سند

ہندی زبان کے ترجمان



کی وفات پر سلطان مسعود شہید نے اسے سپہ سالار بنا دیا۔ تلک نے بالآخر اس قدر عروج پایا کہ سلطان نے یہاں تلکین سپہ سالار ہند کی سرکوبی کے لئے جو باغی ہو گیا تھا تلک ہی کو مقرر کیا۔ اور تلک نے ہندوستان آکر اور کئی شکستیں دے کر یہاں تلکین کو قتل کر دیا۔

کوئی تعجب نہیں اگر خود سلطان محمود ہندی زبان سے کسی قدر آشنا ہو کیونکہ جب ۱۱۳۳ھ کی مہم میں سلطان کا لہجہ پنجابی ہے۔ ننداکا لہجہ کا راجہ سلطان کی طرح میں ہندی شعر لکھ کر بھیجتا ہے۔ سلطان فضلاء ہند و عرب کو یہ اشعار دکھاتا ہے اور سب ان اشعار کی توصیف میں رطب اللسان ہوتے ہیں۔ سلطان ان اشعار سے اس قدر خوش ہوتا ہے کہ صلہ میں ننداکو پندرہ قلعوں کی حکومت کا پٹہ لکھ دیتا ہے جن میں کا لہجہ بھی شامل تھا۔ بد قسمتی سے اس عہد کی تاریخ پر ایسا پردہ پڑا ہوا ہے کہ ہم ان ایام کے سیاسی حالات سے بھی بخوبی واقف نہیں۔ چہ جائیکہ معاشی۔ اقتصادی اور ادبی پہلو کے حالات میں۔ لیکن یہیں یقین رکھنا چاہئے کہ پنجاب کے میدانوں میں مسلمان حملہ آور بہت جلد سیاسی منافرت کے باوجود ہندوؤں کے ساتھ مل جل کر رہنے بسنے اور ان کے ساتھ اختلاط و ارتباط قائم کرنے لگے ہیں۔

حکیم سنائی متوفی ۷۴۷ھ کے متعلق ہم اسی قدر جانتے ہیں کہ وہ صوفی شاعر ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان بھی آئے ہیں۔ اور کسی قدر ہندی زبان سے بھی واقف ہیں۔ ایک شعر میں پانی کے لفظ کو اس طرح

مت۔ ۱۱۔ محمد۔ ۴۔ گر ما کہ فارسیہ زما۔ کا لفظ ہے۔

عثمان مختاری غزنوی بھی ہندوستان آئے ہیں۔ انہوں نے والی سندھ  
اور محمود روہای والی ہند کی طرح میں قصائد لکھے ہیں۔ ایک موقع پر بازار سے  
ایک غلام خریدتے ہیں۔ اس کے ذکر میں ایک شعر میں دو ہندی لفظ باندھ گئے  
ہیں۔ اس قصیدہ کا مطلع ہے ۷

یکے غلامکے ہندی خریدیم از بازار    ہاں بہا کہ زگفتار آئم آید عسار  
اور وہ شعر یہ ہے ۷

زمن بادے بادیے بختہ گتے چوں    گس بادے برمن شستہ گتے مار  
اس شعر میں چوں اور مار دونوں ہندی لفظ ہیں ۷

لیکن یہ خواجہ مسعود سعد سلمان ہیں۔ جن کے متعلق متقدمین متاخرین  
متفقاً کہتے ہیں کہ وہ ہندی میں بھی صاحبِ یوان تھے۔ مجھ کو ان کی ہندی شعر  
گوئی کے متعلق شبہ تھا۔ کیونکہ جہاں وہ اپنی فارسی و عربی زبان دانی پر اپنے قصائد  
میں فخر کرتے ہیں۔ وہاں ہندی کا ذکر نہیں کرتے مثلاً ۷

مر ایدان تو کہ در پارسی دوتاازی    بنظم و شریدارد چون کس استغلال  
دوسرے موقع پر گویا ہیں ۷

کس ار پارسی دتاازی امتحان دے    مرا مبارز میدان امتحان شدے  
تیسرے موقع پر کہا ہے ۷

ہیں ہر زبان ہر ویدل    بگردنم رسیدہ کا حرائی  
سجود آرد پیش خاطر من    روان رود کی وام دانی  
لیکن جہاں محمد عوفی کہتا ہے:-

”داود اسدیوان ست یکے تباازی ویکے پارسی ویکے ہندی (لیاب

عونی کے ساتھ امیر خسرو بھی فرماتے ہیں :-

”پیش ازین از شامان سخن کہے راسہ دیوان بنود مگر مراکز خسرو ممالک کلام  
مسعود سعد سلمان را اگر چہ ہست اما آں سہ دیوان در عبارت عربی وقاری ہی ہندو  
است۔ در پاپسی مجروح کہے سخن راسہ قسم نکرہہ بزمن کہہ دیں کا قسام و عا دلم۔“

(دیباچہ غرۃ الکمال ص ۶۶)

اس لئے ہمیں تسلیم کرنا چاہئے کہ خواجہ ہندی میں بھی اشعار کہتے تھے مگر بد قسمتی سے  
ان کا ہندی کلام دستگیر زمانہ کے ہاتھوں شاید ہمیشہ کیلئے برباد ہو گیا۔ خواجہ  
سعد سلمان برابر ساٹھ سال تک ہندوستان میں رہے۔ خواجہ مسعود وہیں پیدا  
ہوئے اور یہیں رہے۔ خود ثالث کے عہد میں منقطع جالندھر تھے۔ قصداً  
میں بھی رہے ہیں۔ لاہور ان کا وطن ہے۔ اور جس محنت کے ساتھ وہ اس وطن کا  
ذکر کرتے ہیں۔ ان اشعار سے ظاہر ہے جو اس سے پیشتر نقل ہو چکے ہیں۔ اس  
لئے اگر انہوں نے اپنے وطن کی زبان میں اشعار لکھے ہوں تو کوئی تعجب کی بات  
نہیں ہے۔ خواجہ کے دیوان فارسی میں بعض باتیں ایسی موجود ہیں جن کو ہندوستان  
کا پر تو مانا جاسکتا ہے۔

(۱) فارسی زبان میں بارہ ماسہ کی صنف کی نظموں کا رواج نہیں ہے۔ اور نہ  
سنسکرت میں ایسی نظمیں موجود ہیں یا دھر آردو پنجابی اور ہندی میں اس کے  
بیس سال قبل تک بارہ ماسوں کا بکثرت رواج تھا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ خواجہ  
نے دوازدہ ماہہ لکھنے میں جسے غزلیات شہور یہ کے نام سے یاد کرتے ہیں  
پنجابی کی تقلید کی ہے۔ یا بارہ ماسے خود انہی کی ایجاد ہیں۔ ہندی میں سب سے  
قدیم بارہ ماسہ وہ ہے جو کبیر کی طرف منسوب ہے۔ ہندی کے بارہ ماسوں میں ایک  
ہجرانیدہ عورت کی کہانی بالعموم دی جاتی ہے۔ جو خود اپنے فراق کی داستانِ لطم

حضرت ناک الفاظ میں سناتی ہے۔ خواجہ مسعود کے ماں دوازدہ ماہ صرف مدحیہ ہے! اور مہینہ کی خوشگواہی کا ذکر کر کے شریسا کی دعوت دی جاتی ہے! اس پر وہ یہ میں ان کا مدح شاہ ارسلان بن مسعود متوفی ۱۲۸۵ھ ہے! اور ہر مہینہ کی غزل کی بحر مختلف ہے۔

(۶) دوازدہ ماہ کے ساتھ غزلیات ایامیہ اور غزلیات اسبوعیہ کا ذکر بھی کیا ہے غزلیات ایامیہ میں ہر غزل فارسی ماہ کے دنوں کے نام پر لکھی گئی ہے اور بدستور ارسلان بن مسعود کی طرح میں ہے۔ غزلیات اسبوعیہ ہفتہ کے دنوں کے نام پر ہیں۔ اور حسب معمول ارسلان کی طرح میں ہیں۔

(۷) انہوں نے قطعات شہر آشوب بھی لکھے ہیں جن میں پیشہ وروں کا ذکر کیا گیا ہے! میر خسرو نے بھی شہر آشوب لکھا ہے۔ سنا جاتا ہے کہ منسکرت میں بھی اس قسم کی نظمیں ہوتی ہیں۔

اس قسم کی نظمیں فارسی ادبیات میں موجود نہیں ہیں۔ اور خواجہ مسعود ان میں تمام شعرے ایران سے منفرد ہیں۔ کیا اس کو ہندوستان کا اثر تسلیم کیا جائے یا خواجہ کی ایجاد مانا جائے۔ خواجہ نے ایک شعر میں ایک ہندی محاورہ بھی استعمال کیا ہے۔

چور عدز بربغزید کو س محمودی برآمد از پس دیوار حصن مار مار

سلطان معزالدین محمد بن سام ۸۲۰ھ میں لاہور فتح کرتا ہے۔ اور آل ناصر کا آخری ناجدار خسرو ملک قید ہو کر سلطان غیاث الدین کے پاس غور پہنچا دیا جاتا ہے۔ فاتح دہلی کی سمت بغرض تسخیر نگاہ ڈالتا ہے۔ ترائین کی جنگ میں دے پتھوڑا کی شکست کے بعد مسلمانوں کا قبضہ اجمیر پر ہو جاتا ہے۔ قطب الدین ایبک ۸۵۹ھ میں دہلی اور میرٹھ پر قابض ہو جاتا ہے۔ دہلی کے قبضہ کے بعد پانچ تخت لاہور و کراچم سے تبدیل ہو کر دہلی آ جاتا ہے جس طرح ہماری یادداشت میں انگریزی حکمران نے اپنا دار السلطنت

کلکتہ سے دہلی تبدیل کر لیا۔ یہی صورت اس وقت بھی پیش آئی۔ لیکن اس تبدیلی اور  
 اُس تبدیلی میں بے حد فرق ہے۔ آج صرف اسی قدر ہوا ہے کہ وائسرائے ہند  
 کلکتہ کے بجائے دہلی رہنے لگے۔ اور نئی عمارات ان کے دفاتروں کے لئے بنا  
 دی گئیں۔ لیکن ان ایام میں اس تبدیلی کا مطلب یہ تھا کہ لاکھوں انسان بچہ  
 سے ہجرت کر کے دہلی اور اس کے نواح میں آباد ہو گئے۔ تمام فوج اور اہل دیوان  
 مع ان کے متعلقین اور قبائل کے ہجرت کر کے چلے آئے۔ یہیں اس عہد کی معاشر  
 کا یہ پہلو یاد رکھنا چاہئے کہ انسان مختلف قبائل میں منقسم تھے۔ حکومت کا تعلق  
 براہ راست قبیلہ سے نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ قبیلہ کے رئیس کے ساتھ۔ رئیس قبیلہ کی  
 حرمت و وقعت قبیلہ کے ارکان کی تعداد اور وجاہت پر منحصر ہوتی تھی۔ ایک قبیلہ جس  
 قدر طاقتور ہے اُس کے مطابق اس کے سردار کی عزت، حکومت اپنی فوجیں انہی  
 قبیلوں سے بھرتی کرتی تھی۔ اور قبیلہ کا سردار ہی اکثر ان کا افسر ہوا کرتا تھا۔  
 سلطنت غزنین کی فوجوں میں زیادہ عنصر ترکوں۔ خلیجیوں۔ افغانوں اور ہندوؤں کا  
 تھا۔ بلخان کی وادیوں میں چیمپال کی شکست کے بعد خلیج اور افغان قومیں جو  
 افغانستان کے پہاڑوں میں آباد تھیں۔ ناصر الدین سبکتگین کی مطیع ہوئیں۔ اور کشمیر  
 '۱۵۸۰' تعداد میں اس کی فوج میں بھرتی ہو گئیں۔ خلیج ان ایام میں افغانوں سے زیادہ  
 طاقتور تھے۔ اور افغانوں کی ہمسائیگی میں آباد تھے۔ ان کی اصل ترکم غلاموں  
 کے عہد میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم ساری کی ساری ہندوستان کی طرف ہجرت  
 کرتی ہے اور مختلف مقامات میں آباد ہو جاتی ہے۔ پرانے زمانے میں غنچی پور نام کے  
 پمبیوں قبیلہ اور موضع نظر آتے ہیں۔ قیاس میں آتا ہے کہ اسی قوم کے آباد  
 کردہ ہونگے۔ یہی لوگ بہار و بنگال فتح کرنے ہیں۔ جہاں ایک علی۔ سلطان کی  
 بنیاد ڈالتے ہیں۔ بنگال میں ان کی سلطنت اگرچہ دیر پا ثابت نہیں ہوئی۔ لیکن

سیاسی لحاظ سے وہ اس قدر طاقتور تھے کہ غلاموں کے بغیر تخت ہندوستان کے یہی وارث بنتے ہیں۔ اور مالوہ میں علیحدہ سلطنت قائم کرتے ہیں۔ اس کے بعد ان کے اصلی وطن افغانستان میں خلیجیوں کا نام نہیں سنا جاتا۔ خلیجی کس زمانہ میں اسلام لائے تیارچ اس بارہ میں خاموش ہے۔

افغان ہندوستان کے مغربی پہاڑوں میں دریائے سندھ تک آباد تھے البتہ پورے ایک مقام پر ان کو افغانوں کے نام سے یاد کرتا ہے۔ دوسرے مقام پر ہندو لکھتا ہے۔ ابو الفرج زونی افغانوں اور جاٹوں کو مشترک کہہ رہا ہے۔ اس سے ظاہر ہے افغان ان ایام میں تابع اسلام نہیں تھے۔ سیاسی اعتبار سے افغان ہر زمانہ میں اہمیت رکھتے تھے۔ سلطان محمود نے دوسرے ان کی گوشالی کی ہے۔ مسعود شہید نے ان کے خلاف فوج بھیجی ہے۔ مسعود ثالث نے بھی ان کو سزا دی ہے۔ لیکن ہندوستان میں اگرچہ فوجوں میں ہمیشہ بھرتی ہونے لگے تھے۔ تیغلوں کے عہد میں وہ حاصل کرتے ہیں۔ اگرچہ خلیجیوں کی طرح افغان بڑی تعداد میں ہندوستان کی طرف ہجرت نہیں کرتے۔ تاہم ایک معتدبہ تعداد ان کی ہر زمانہ میں یہاں موجود رہتی ہے۔ دہلی سے چار کوس کے فاصلہ پر افغان پورا ایک قصبہ تھا۔ جو غلاموں کے زمانہ میں آباد ہوا تھا۔ اور اس میں افغان ہی آباد تھے۔

خط پنجاب کے باشندے اپنے دو قدامت اور طبعی جرأت کی بنا پر فوجی خدمات کے لیے بہت موزوں اور مناسب ہیں۔ اس لیے سلطان محمود نے جو فوج ہندوستان انتخاب کی۔ وہ تمام پنجابی تھی۔ اس کے جانشین بھی پنجابی فوجیں رکھتے تھے۔ جب دہلی کی طرف مہاجر ہوئی ہے۔ تو ایک بڑی تعداد ان پنجابیوں کی بھی تھی۔ انہی ایام میں ملتان لوگ بھی جوت جاکر دہلی میں آباد ہو گئے ہیں۔ ان میں سے بعض تجارت کرتے ہیں۔ ممالک غیر سے براہ راست ان کے تعلقات تھے تیارچ

میں مسیح پہلے ان ملتانوں کا ذکر غیاث الدین بلبن کے عہد میں ملتا ہے وہ ساہوکار کا کام بھی کرتے تھے۔ امرا و رؤسا کو روپیہ قرض دیا کرتے تھے۔ اور اپنی دولت مندی کے لئے ضرب المثل تھے۔ علاء الدین خلجی کے عہد میں وہ سلطنت کے معاملات میں بھی دخل پڑے۔ بعض ان میں سے بڑے بڑے عہدوں کے مالک ہیں مثلاً الباقاں امیر ملتان، ملک عین الملک ملتان اور خواجہ حبیب الدین مالک التجا ملتان جو بعد میں تاحی شہر دہلی بنا دیئے گئے۔ اور مالک فضل اللہ ملتان، بعض مشاہیر علما اسی جماعت سے تعلق رکھتے تھے جن کے فضل و شہرت کی بنا پر پانچویں میں ان کے نام مذکور ہیں مثلاً مولانا محب ملتان، قدیم اور مولانا شہاب الدین ملتان۔

سوائے عدل علاء الدین کے کپڑے کی منڈی تمام تر ملتان تاجروں کے قبضہ میں تھی سلطنت نے بیس لاکھ روپیہ کپڑے کا نرخ ارزا کرنے کے لئے سیاست ان کو عطا کیا تھا۔

جب عز الدین اور اس کے والی قطب الدین ایک نے چند سال کے عرصہ میں اجیر، ہنسی، برستی، کرام، میرٹھ، دہلی، بدایوں، قنوج، بنارس، نروال، پٹنیکر، گوالیر، کانوج اور مالوہ فتح کر لئے تو اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس نئے علاقہ کے انتظام کے لئے ان کو کس قدر آدمی درکار ہوئے ہونگے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر شہر میں ان کو اپنی چھاؤنی رکھنی پڑی ہوگی۔ چاروں طرف طاقتور ہندو راجہ موجود تھے جن کو نذرنا مسلمانوں سے عداوت تھی۔ اس لئے ہمیں ماننا پڑیگا کہ ان ایام میں شمال سے لوگ بڑی تعداد میں ہجرت کر کے ہندوستان کی طرف چلے گئے ہیں۔ اور ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ لاہور چونکہ پُرانا دار السلطنت تھا۔ اس لئے ضروری ہوا کہ یہاں کے لوگ تبدیل دار السلطنت کے وقت بتقریب ملازمت و تجارت و دیگر خدمات زیادہ تعداد میں جائیں۔

قطب الدین ایک کے ساتھ جو لوگ ہجرت کر کے دہلی آ گئے ہیں۔ اگرچہ یوں تو ان میں مختلف اقوام شامل تھیں مثلاً ترک، (جو بڑے عہدوں پر ممتاز تھے) خراسانی جو متا دیوانی پر سرخراز تھے خلیج، افغان، اور پنجابی۔ لیکن ان میں زیادہ تعداد مؤخر الذکر کی تھی۔ جو نوجی اور دیوانی خدمات کے علاوہ زندگی کے ادیشیوں اور شعیبوں پر بھی متصرف تھے۔ اس سے قبل اشارہ کیا جا چکا ہے کہ سندھ میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے اختلاف سے اگر کوئی نئی زبان نہیں بنی تھی۔ تو غزنوی دور میں جو ایک سو تیر سال پر حاوی ہے۔ ایسی مخلوط یا بین الاقوامی زبان ظہور پذیر ہو سکتی ہے۔ اور چونکہ پنجاب میں بنی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ وہ یا تو موجودہ پنجابی کے مماثل ہو یا اس کی قریبی رشتہ دار ہو۔ بہر حال قطب الدین کے نوجی اور دیگر مسلمان پنجاب سے کوئی ایسی زبان اپنے ہمراہ لے کر روانہ ہونے ہیں جس میں خود مسلمان قومیں ایک دوسرے سے مکالمہ کر سکیں۔ اور ساتھ ہی ہندو اقوام بھی اس کو سمجھ سکیں۔ اور جس کو قیام پنجاب کے زمانہ میں وہ بولتے رہے ہیں۔

دہلی میں آباد ہونے کے بہت جلد بعد ان نوآبادکاروں میں ہندی زاراہل کمال پیدا ہونے لگتے ہیں۔ تاج الدین سنگ یزہ جو التمش ۶۳۳ھ اور اس کے اسباط کا قتلح ہے۔ دہلی کا پہلا ٹرنورس ہے جو ہمیں معلوم ہے وہ اپنے کمال اور ہندوستان ائی کے متعلق ایک شعر میں گویا ہے۔

مولد و منشایں دفاک ہندوستان مرا      نظم فخر میر کہ آب خراساں آمد است

ایک شعر میں دو ہندی لفظ سیر اور من باندھ گیا ہے۔ وہو ہند اسے

نیز از مئے قدیم مرا سیر کن بر خلل      بگذرانیز حدیث کہ یک بیرویک لمن است

تیسرا شعر

علاموں اور ان کے جانشین خلیجیوں کے دور میں پنجاب کو اس عہد کی سیاسی وجوہ کی بنا پر زبردست اہمیت مل گئی تھی۔ یعنی چنگیزی مغلوں کے حملے یا بارہ ہند پر



ہوتے تھے۔ ان حملوں کی روک تھام کے لئے سلاطین دہلی حکومت لٹان دیپال پور کے لئے اکثر تجربہ کار و بہادر سپہ سالار یا ولیمہ سلطنت کو نامزد کرتے تھے جو ایک بڑی فوج کے ساتھ ہر وقت ان کے مقابلہ کے لئے طیارہ رہتا تھا۔ چنانچہ شمس الدین الہمش نے اپنے فرزند رکن الدین فیروز شاہ کو ریاست لاہور دی۔ ناصر الدین محمود نے شیر خاں کو جو ایک مشہور جنگ آزماعہ پنجاب کا حاکم بنایا۔ غیاث الدین بلبن نے اپنے ولیمہ سلطان محمد شہید کو ایالت لٹان ہوللاہور دی۔ چنانچہ مغلوں کے اٹھ سے پندرہ جنگیں مارا گیا۔ اس کا فرزند شہزادہ کیخسرو اس کا جانشین بنایا جاتا ہے۔ جلال الدین فیروزہ خلجی نے اپنے ولیمہ رکنی خاں کو حاکم لاہور و لٹان و سندھ مقرر کیا تھا۔ علاء الدین کے ولیمہ میں ملک ہزیر الدین ظفر خاں اور بعد میں غازی ملک تغلق و لٹے پنجاب ہوئے۔ اول الذکر مغلوں کے اٹھ سے ہی شہید ہوتا ہے۔ غازی ملک تغلق کو پنجاب کے ساتھ گہرے تعلقات ہیں۔ بقول ابن بطوطہ اترک قروند سے تھا بقول فرشتہ اس کا باپ ملک تغلق غیاث الدین بلبن کا غلام تھا۔ اور پنجاب کے جاٹوں میں اس نے شادی کی تھی جس سے غازی ملک تغلق پیدا ہوا۔ اس طرح غازی ملک پنجابی ہے۔ ان ایام میں ہندو اپنی بیٹیاں مسلمانوں کو دے دیا کرتے تھے۔ اس نازان نے اکثر شادیوں ہندوؤں میں کی ہیں۔ فیروز شاہ تغلق کی ماں بھی رانا لہٹی والی ابوہر کی دختر تھی۔ غازی ملک کا تمام وقت پنجاب میں گذرا۔ اور قطب الدین مبارک شاہ کے آخری عہد تک دلی دیپال پور رہا اس عرصہ میں مغل حملہ آوروں سے بیس مرتبہ اس نے جنگیں کیں۔ اور ہر جنگ میں ان کو ہزیمت دی۔ جب خسرو ملک حرام نے غداری کر کے ضعیف نازان کے تمام افراد کو قتل کر دیا اور خود تخت دہلی پر قابض ہو گیا۔ غازی ملک کی رگ حسرت حرکت میں آئی۔ وہ ایک بڑی فوج کے ساتھ دہلی کی طرف بڑھا۔ اور خسرو ملک حرام سے اپنے آقاؤں کے خون کا بدلہ لے کر عام خواہش کے مطابق سنہ ۷۵۲ھ میں بادشاہ ہندوستان بن گیا۔ اور غیاث الدین

تعلق کے نام سے تاریخ میں مشہور ہوا۔ یہ اُس کے افعال شریفہ کا انعام تھا کہ غازی کو تخت ہند وستان مل گیا۔ لیکن ہمارے لئے سب سے زیادہ دلچسپی کا امر یہ ہے کہ غیاث الدین پنجابیوں کے لشکر کے ساتھ دہلی میں قتل ہوتا ہے جس نے وہاں آباد ہو کر دہلی کی زبان پر بے حد اثر ڈالا ہوگا۔ اور دہلی کے کوچہ و بازار میں ہر طرف پنجابی اور پنجابی بولنے والے نظر آتے ہوئے جب نارمنوں کی فتح نے انگریزی زبان پر ایک نہ مٹنے والا اثر ڈالا اور ہمیشہ کے لئے اس کی رفتار کو بدل دیا تو ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ دہلی پر ان پنجابیوں نے کس قدر اثر ڈالا ہوگا۔ جو دیوال پور سے اٹھ کر دہلی آباد ہونے کے لئے آگئے تھے۔ اگرچہ دہلی کے مسلمان اس سے پیشتر بھی کوئی ایسی ہی زبان بول رہے تھے جو ان دیوال پوریوں کی زبان کے بہت قریب تھی۔

تعلقوں کے عہد میں دہلی میں جس قسم کی زبان بولی جاتی تھی۔ اگر ہم کو اُس کے نمونے دیکھنا ہیں۔ تو قدیم دکنی اردو کے ادبیات دیکھنے چاہئیں جو اس زبان کے بہت قریب ہیں۔ دکنی زبان میں شعر و شاعری کا آغاز اواخر قرن نہم سے شروع ہو جاتا ہے۔ یہاں یوں کہنا چاہئے کہ اس عہد تک کی بعض تصنیفات ہم کو مل جاتی ہیں۔ ان میں سب سے قدیم میراجی شمس الشاق کی تصنیفات ہیں۔

خامیوں نے دکن سب سے پہلے آباد کیا۔ اور اردو مسلمانان فتوحات کے ساتھ وہاں پہنچ گئی۔ لیکن یہ غیاث الدین کا فرزند محمد تعلق <sup>۱۵۰۰</sup> سے ہے۔ جو دہلی کی زبان کو دولت آباد پہنچاتا ہے۔ محمد تعلق کو عالمگیر کی طرح دکن سے بے حد شغف تھا۔ شہزادگی کے زمانہ میں چشم خود دیکھ آیا تھا۔ ورنہ اس نے دوبارہ فتح کیا ہے۔ دولت آباد کے قدرتی استحکام نے اُس کے دل پر بے حد اثر ڈالا۔ یہ شہر اُس کے نزدیک دارالسلطنت ہند کے لئے زیادہ مناسب اور مرکزی تھا۔ وہاں سے دہلی، گجرات، لکھنؤ، سینگانہ، متارگانوں، تلنگانہ، معبر، دہلی، سمندر اور کنپڑ وغیرہ ایک ہی مسافت پر آجاتے تھے۔

اس لئے ۲۸ ستمبر میں ایک صبح اس نے یہ اعلان کر دیا کہ رعایا بستے دہلی معانہ قصبہ  
 کے لوگوں کے جو دہلی سے چار چار کوس کے اندر واقع تھے۔ تمام دکنال امیر و غریب پیر و  
 جوان مع زن و بچہ کنیز و غلام دولت آباد کی طرف کوچ کریں۔ شہر و نواحی کو یہ ہوشربا  
 حکم ملا۔ اور حکم کے ملتے ہی اس کی تعمیل شروع ہو گئی۔ شاہی فرمان اس قدر سخت تھا کہ  
 شہر و قصبہ کے انسان تو انسان۔ بلی کتے تک فراموش نہیں ہوئے تھے۔ ان ایام میں دہلی  
 کے گرد و اطراف میں بے حد قریات و قصبات آباد تھے۔ لوگ اپنی زمینیں۔ جائداد اور  
 آباد گھر چھوڑ کر تعمیل فرمان میں روانہ ہوئے۔ سلطنت نے مسافروں کی سہولت  
 کے لئے کسی قدر انتظام بھی کیا۔ اور مزاد راہ بھی محتاجوں اور بے استطاعتوں کو لایا لیکن  
 دہلی کی آرام طلب اور خانہ دوست رعیت کو یہ سفر راس نہ آیا۔ اور بہت سے راستہ میں  
 تلف ہو گئے چند سال کے بعد سلطان نے فرمان عام جاری کر دیا کہ جس کا جی چاہے  
 دہلی چلا جائے۔ جس کا جی چاہے دولت آباد میں رہے۔ اس حکم پر بعض صاحب  
 استطاعت واپس چلے گئے۔ لیکن ایک بڑا حصہ مرہٹو اڈی میں ہی رہ پڑا۔ اور آباد ہو گیا  
 اس طرح دہلی کی زبان دکن پہنچ گئی۔ محمد تعلق کے آخر زمانہ سلطنت میں امیران سدھنے  
 دکن میں بغاوت کر دی۔ موت نے بادشاہ کو اتنی ہمت نہ دی کہ باغیوں کی سرکوبی کرتا۔  
 ۲۸ ستمبر میں حسن گنگوہہ علامہ الدین شاہ کے نام سے بادشاہ دکن بن گیا۔ اور تقریباً دو سو سال  
 تک ہمینی خاندان دکن میں حکومت کرتا رہا۔ اور ۹۳۲ھ میں ختم ہوا۔ یہ پہلا افغان خاندان  
 ہے جو مالک ہند میں سریرا ہوتا ہے۔ بہمنیوں کی میراث پانچ سلطنتوں میں منقسم ہوئی  
 ہے۔ (۱) عموماً شاہی جسے ۹۸۰ھ میں نظام شاہی برباد کرتے ہیں۔ (۲) نظام شاہی جنہیں  
 اکبر کی فوجیں ۱۵۷۰ھ میں فتح کر لیتی ہیں (۳) برید شاہی جو ۱۵۸۰ھ تک حکمرانی کرتا ہے  
 (۴) عادل شاہی، ان کو ۱۵۹۰ھ میں عالمگیر فتح کر لیتا ہے۔ (۵) قطب شاہی ۱۶۰۹ء  
 میں عالمگیران کا علاقہ اپنی قلمرو میں شامل کر لیتا ہے۔ جو سلطنتیں ان میں لاقتور اور ممتاز

تھیں اور جن کے زمانہ میں اردو ادبیات کو فروغ ہوتا ہے۔ قطب شاہی اور عادل شاہی ہیں۔ تین سو پچاس سال کے بعد ان علاقوں کا دہلی کے ساتھ الحاق ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں دہلی سے دکنیوں کا براہ راست کوئی تعلق نہیں رہا۔ اور نتیجہ یہ نکلا کہ دکنی اردو متعدد امور میں جو بعض صرف و نحو سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور بعض محاورہ سے مختلف ہو گئی۔ اسی امتیاز کے ظاہر کرنے کے لئے اہل علم نے ایک کا دکنی اور دوسری کا نام اردو سے ملے رکھ دیا۔ لیکن یہ فرق ان زبانوں میں کیوں آگیا۔ اس کا جواب یہی ہے کہ دکنی تعلق کے عہد کی زبان کی جو دہلی میں بولی جاتی تھی تقلید کر رہے ہیں۔ ادھر اردو زبان دہلی میں آنے والے سیاسی واقعات اور ماحول سے برابر متاثر ہوتی رہی۔ اس لئے ایک یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ تعلقوں کے زمانہ سے پیشتر ہی اردو ایک علیحدہ اور مستقل زبان بن چکی تھی۔ اور اس نے اپنی صرف و نحو کے قواعد علیحدہ مقرر کر لئے تھے۔ ممالک گجرات اور دکن دوسرے الفاظ میں بھٹی پریسیڈنسی (علاقہ سندھ) اور مدراس۔ پریسیڈنسی کے اہل اسلام میں جو زبان رائج ہے۔ وہ یہی دکنی ہے۔ اور دونوں پریسیڈنسیوں کی زبان میں بہت کم فرق ہے۔ اور جو فرق ہے اس قابل نہیں کہ بیان کیا جائے۔ اس کی وجہ بھی تاریخی ہے۔ یعنی گجرات کو دوبارہ فتح کرتے ہیں۔ لیکن محمد تغلق کے جانشین سلطان فیروز شاہ منوخی نے دکن کی تقلید کر کے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ اور تقریباً دو سو سال تک گجرات دہلی سے علیحدہ رہا۔ شہرہ میں جلال الدین گبر نے دوبارہ اس کو فتح کیا جس قسم کی اردو گجراتیوں نے تعلقوں سے سیکھی تھی۔ وہ اسی پر قائم رہے۔ اس کے علاوہ دکن اور گجرات ہمسایہ ممالک ہیں۔ اور ان میں تعلقات بھی قائم تھے۔ فقہ حنفیہ وجوہ میں جن کی بنا پر گجرات اور دکن میں ایک ہی زبان رائج ہے گجراتی اردو میں بھی دسویں صدی سے تصنیفات شروع ہونے لگی تھیں۔

پنجاب ایک مرتبہ اور خضر خاں کی صورت میں دہلی پر حملہ کرتا ہے خضر خاں ملک

سلیمان کا فرزند ہے جس کو ملک مردان دولت نے اپنا پسر خواندہ بنایا تھا۔ ملک مردان  
دولت لٹان کا حاکم تھا۔ اس کی وفات پر اس کا فرزند صلیبی لکاشین جانشین ہوا جس کی  
وفات پر ملک سلیمان حاکم لٹان بن گیا۔ اس کے بعد اُس کا فرزند خضر خاں فیروز شاہ تغلق  
کے حکم سے حاکم لٹان بنا دیا گیا۔ جب سارنگ خاں نے اس سے لٹان چھین لیا خضر خاں  
تیمور کے حملہ شدہ کے ایام میں امیر سے دہلی میں جا ملا۔ امیر نے اس کی خدمات پسند  
کر کے لٹان و پنجاب کی حکومت پھر اُس کے حوالہ کر دی خضر خاں اپنے آخری حملے میں جو  
۱۷۷۱ء میں کیا تھا۔ دہلی پر قابض ہو گیا۔ اس حملہ کے تفصیلی حالات معلوم نہیں۔ مگر  
اتنا معلوم ہے کہ خضر خاں کے ساتھ اس وقت ساٹھ ہزار سوار تھے۔ ذوالحجہ سنہ ۱۱۸۰  
میں حملہ ہوا اور ۱۵ ربیع الاول ۱۱۸۱ء میں دولت خاں لودھی نے جو دہلی پر قابض تھا  
تھپار ڈال ڈٹے خضر خاں کی تمام فوج پنجاب سے تعلق رکھتی تھی جس طرح کہ وہ خود  
پنجابی تھا۔ اور جب وہ بادشاہ بن گیا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ دہلی کی زبان پر پنجاب کا اثر  
جدد اہو گیا ہو گا۔

لودھی بھٹان بسلسلہ تجارت ہندوستان آتے رہتے تھے۔ ان میں ملک بہرام اپنے  
بھائی سے ناخوش ہو کر لٹان چلا آیا۔ اور بہمد فیروز شاہ تغلق ملک مردان دولت حاکم  
لٹان کے ہاں ملازم ہو گیا۔ اس کے پانچ فرزند ہوئے۔ ملک سلطان شاہ۔ ملک کالا  
ملک فیروز۔ ملک محمد اور ملک خواجہ۔ باپ کی وفات پر پانچوں بھائی لٹان ہی میں آباد  
رہے۔ جب خضر خاں حاکم لٹان بن گیا۔ ملک سلطان شاہ اس کے ہاں ملازم ہو گیا۔ اُس  
کچھ عرصہ میں افغانوں کی ایک جماعت کی افسری حاصل کر لی خضر خاں کی علو اقبال خاں  
کے ساتھ جو جنگ ہوئی۔ اُس میں سلطان شاہ نے غیر معمولی بہادری دکھائی۔ وہ دشمن  
کی صفیں چیرتا ہوا ملو اقبال خاں تک پہنچ گیا۔ اور اس کا سر کاٹ لایا۔ اس خدمت  
کے صلہ میں خضر خاں نے اس کی تدر دانی کی۔ اور اسلام خاں کا خطاب دے کر

سرہند کی حکومت غنایت کر دی۔ اسلام خاں کے بھائی اس کے ہمراہ رہے اور ملک کالا جو بہلول کے باپ کا نام ہے۔ پرگنہ دورالہ کا حاکم بن گیا۔ ملک کالا کی بیوی پورے دنوں سے تھی۔ عین اس وقت مکان کی چھت گری جس کے نیچے دب کر وہ فوت ہو گئی۔ اس شبہ میں کہ کہیں بچہ زندہ ہو مروجہ کا پیٹ چاک کیا گیا۔ دیکھا تو بچہ زندہ و سلامت ہے اس کا نام بہلول رکھا۔ ویسے تو کہا کرتے تھے۔ ملک کالا نیازی افغانوں کی جنگ میں مارا گیا۔ اور یتیم بہلول اس کے چچا اسلام خاں کے پاس پہنچا دیا گیا۔ سن رشد کے قریب بہلول نے ایک جنگ میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے اس پر اسلام خاں نے اپنی بیٹی اسے بیاہ دی۔ اب اسلام خاں اس قدر طاقتور ہو گیا تھا کہ بارہ ہزار افغان جن میں اکثر اس کے خویش اور ہم قوم تھے۔ اس کے لئے لازم تھے اپنی وفات پر اسلام خاں نے فرزند ان زربنہ چھوڑنے کے باوجود ملک بہلول کو برے وصیت اپنا جانشین بنا دیا اب اسلام خاں کی فوج کی تین ٹولیاں بن گئیں۔ ایک ٹولی بہلول کے تابع تھی۔ دوسری ملک فیروز برادر اسلام خاں کی اور تیسری قطب خاں حلقہ اسلام خاں کی لیکن بہلول اپنی حسن تدبیر سے فتنہ فتنہ اور دوسری جماعتوں کو توڑ کر طاقتور بن گیا۔ اور سلطنت دہلی کا کبھی باغی اور کبھی مطیع رہ کر ۵۵۵ھ میں بادشاہ دہلی بن گیا۔ اگرچہ اس کے لشکر میں زیادہ تعداد افغانوں کی تھی۔ لیکن یہ افغان ایسے تھے جو زیادہ تر پنجاب میں آباد تھے۔

ان چند مختصر بیانات سے جو میں نے اوپر عرض کئے ہیں۔ بخوبی واضح ہوتا ہے کہ سیاسی نقطہ نظر سے پنجاب کا اثر دہلی پر ہر عہد میں نمایاں رہا ہے۔ یہ امر ظاہر من شمس ہے کہ سیاسی واقعات کا اثر زبان پر بہت گہرا ہوتا ہے چنانچہ جب ہم اردو اور پنجابی زبانوں کی صرف و نحو ان کے قواعد اور عام ہیئت کا مقابلہ کرتے ہیں تو یہ اثر قدم قدم پر محسوس ہوتا ہے اور دونوں بانو

کی حماقت کا راز صریح طور پر آشکارا ہو جاتا ہے۔ آئندہ باب میں اسی مسئلہ پر تبصرہ کیا جاتا ہے۔



## پنجاب

پنجاب اگرچہ میاندا یک ہمسایہ ملک ہے لیکن رسم و راج اور اوضاع و اطوار میں اس سے بالکل مختلف ہے۔ ہندو اقتدار کے دور میں میان دایوں اور پنجابیوں میں چشمک ہی ہے اور میاندا بچو اپنے منسکرت کے تمدن پر نازاں تھا۔ پنجاب کو ایک وحشی ملک تصور کرتا رہا ہے۔ مہا بھارت اور اپنی کے بعض اشاروں سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس ملک کے لوگ کسی باقاعدہ نظام کے ماتحت نہ تھے نہ ان کا کوئی بادشاہ تھا وہ ہمیشہ جنگ و فساد میں مبتلا تھے۔ ان کے ہاں برہمن نہیں تھے۔ تمام پنجاب چھوٹے چھوٹے رئیسوں میں منقسم تھا جو ایک دوسرے سے برسر پیکار تھے۔ باشندے ویدوں کا احترام نہیں کرتے تھے۔ اور نہ دیوتاؤں پر قربانیاں چڑھاتے تھے۔ وہ بالکل وحشی اور غیر مذہب تھے۔ شراب پیتے تھے۔ اور ہر قسم کا گوشت کھانے کے عادی تھے۔ ان کی عورتیں قد و قامت کی بڑی رنگ کی پہلی اور اخلا تا گندی ہوتی تھیں کئی کئی شوہر رکھتی تھیں۔ ایک شخص کا دارث اس کا فرزند نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ اس کی ہنس کا لڑکا۔ یہ بیانات دشمنوں کی قلم سے ہیں۔ اور بہت ممکن ہے کہ ان میں صداقت کا عنصر بہت کم ہو۔

بہر کیف اسلام کی آمد پر پنجاب کی حالت میں ایک انقلاب رونما ہوتا ہے اور اہل پنجاب حلقہ بگوش اسلام ہو کر دینی و دنیاوی ترقی کرتے ہیں۔ ابھی مسلمانوں کو

دہلی میں آباد ہوئے ایک صدی بھی نہیں گزرنے پائی ہے کہ ہم دہلی کے دربار میں پنجاب کے بعض مشاہیر اور فضلا دیکھتے ہیں۔ اگرچہ اس عہد کی تاریخ کے فقدان نے ہمارے لئے یہ امر ناممکن کر دیا ہے کہ کوئی مکمل بیان اس عہد کے مشاہیر پنجاب پر دیا جائے لیکن یہاں میں بعض ایسے اسما درج کرتا ہوں جو خاک پنجاب سے ہیں۔ اور اتفاقاً اس زمانہ کی تاریخ میں ان کے نام مل جاتے ہیں۔ ساتویں صدی میں اگرچہ پنجاب دارالسلطنت ہند نہیں رہا تھا۔ تاہم دیکھتے ہیں کہ پنجاب کے شہروں میں مقتدر مستنیا پیدا ہو رہی تھیں مثلاً ملک عین الدین علیشہ کوہ جودی۔ یلمین اور کیفباد کے عہد میں امیر تھے۔ ملک تاج الدین کرامی اور ملک نصیر الدین کرامی اسی زمانہ کے امرا ہیں داخل ہیں۔ سامانہ سے سید عزیز اور سید معین الدین بہت ممتاز اور زہد و اتقا و علو نسب میں شہرہ آفاق تھے۔ قاضی رکن الدین بھی سامانہ کے باشندے ہیں۔ اور جید علما وقت میں شمار ہوتے ہیں۔ مولانا رکن الدین ستامی اور مولانا ضیاء الدین ستامی خلیجیوں کے عہد کے علما ہیں۔ مؤخر الذکر حکماء احتساب کے افسر تھے۔ اور صوفیہ کے خلاف تھے۔ انہوں نے اپنی تصنیف یادگار چھوڑی ہے مولانا علاء الدین لاہور کے باشندے اور اپنے زمانہ کے ممتاز علما میں محسوب تھے۔ قصور سے مولانا سراج الدین پیدا ہوئے ہیں۔ جو فضل و کمال سے متصف تھے۔ ملتان میں شیخ بہاء الدین زکریا اور ابو ذکریا شیخ فرید الدین مشہور نرائز آفتاب ہستیاں ہیں۔ ان کا خاندان علم و فضل تصوف عرفان کے، نئے صدیوں مشہور رہا ہے۔ اگرچہ مغلوں کے حملوں نے پنجاب کو عرصہ تک دم نہیں لینے دیا۔ اور اس کی ترقی کی رفتار کو روک دیا۔ لیکن اسی نقصان سے پنجاب کو یہ فائدہ پہنچا کہ اس نے تین خاندان ہندوستان کو ایسے پیسے جنہوں نے تخت دہلی پر بیٹھ کر پورے دو سو برس تک ہندوستان پر حکومت کی۔ اس معاملہ میں ہندوستان کا کوئی صوبہ پنجاب کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔



ملک پنجاب کی زبان آج کل پنجابی کے نام سے موسوم ہے! میر خیر و اس کو  
 لاہوری کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اور ابو الفضل ممتا نے لکھا ہے مغربی موہین نے  
 شمالاً و جنوباً ایک خط کھینچ کر مشرقی و مغربی پنجابی میں اسے تقسیم کر دیا ہے مشرقی  
 حصہ کی زبان کا نام پنجابی رکھا ہے۔ اور مغربی حصہ کی زبان کا نام ہند پنجابی  
 کو وہ مغربی ہندی میں شامل کرتے ہیں۔ اور ہند اکو بیرونی دائرہ میں اہل کر کے  
 سندھی اور کشمیری کا رشتہ دار مانتے ہیں۔ اہل پنجاب یہ فرق تسلیم نہیں کرتے  
 ان کا بیان ہے کہ پنجابی اور ہند ایک ہی چیز ہے۔ مغربی اور مشرقی زبان میں  
 جو فرق ہے۔ وہ اصولی نہیں ہے بلکہ تدریجی اور ضلع ضلع کی مقامی خصوصیات  
 کی بنا پر پیدا ہوتا چلا گیا ہے۔ اور تقسیم ہر حال میں ناجائز ہے۔

پنجاب اگرچہ پانچ دریاؤں کا ملک ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ صوبہ  
 زبان انہی دریاؤں کے مابین محصور ہے بلکہ وہ ان دریاؤں سے جھلک کر دونوں طرف  
 پھیل گئی ہے۔ اور دریاؤں گھلگھلایے گئے ہیں۔ اور دریاؤں سندھ پار کر گئی ہے  
 ایک اہم مغربی عقیدہ یہ ہے کہ پنجابی زبان کی ہمسایہ ہندوستانی زبان جو مغربی ہند  
 کی ایک شاخ ہے۔ ایک زمانہ میں تمام مشرقی پنجاب پر پھیل گئی ہے۔ اور اس  
 صوبہ کی اصلی زبان ہند اکو ہٹاتی ہوئی یا اس پر چھاتی ہوئی دریائے چناب تک  
 پہنچ گئی۔ بلکہ بعض اوقات اس کا اثر نخل تک محسوس ہوتا ہے ہند میں مسلمانوں  
 کی آمد کے بعد سیاسی واقعات کا بھاؤ شمال سے زیادہ تر جنوب کی طرف رہا ہے  
 سیاسی واقعات نیز مغلوں کے دباؤ کے زیر اثر آٹھویں اور نویں صدی ہجری میں  
 بڑے بڑے گروہ پنجاب سے ہجرت کر کے دہلی اور اس کے نواح میں آباد ہوئے ہیں  
 ہیں۔ بارہویں صدی میں سکھ پنجاب سے نکل کر اردو بانگڑ اور بیکانیری علاقوں  
 میں گس جاتے ہیں۔ ان واقعات کے سامنے ہندوستانی زبان کے شمال کی طرف

بڑھنے اور بلند آکھینچے دھکیلنے کا کوئی مناسب موقع نظر نہیں آتا۔  
 پنجابی میں شعر و ادب ایک متحدہ مقدار میں موجود ہے جس کا اکثر حصہ مسلمان  
 دماغوں کی کوشش کا نتیجہ ہے۔ خواجہ مسعود سعد سلمان کے بعد پنجابی کے پہلے  
 شاعر شیخ فرید الدین مسعود متوفی ۶۱۲ھ ہیں۔ سکھوں کا بیان ہے کہ وہ فرید الدین  
 ابراہیم ہیں جو گوردوانک کے معاصر ہیں۔ ان کے کلام کا کسی قدر حصہ اتفاق سے  
 سکھوں کی مقدس کتاب گرنتھ صاحب میں محفوظ ہے۔ دوسرے شاعر گرو نانک  
 صاحب ہیں جن کا جب جی سکھوں میں بہت مقبول ہے۔ شاہ حسین متوفی ۱۰۱۲ھ  
 نے ایک کافی اپنی یادگار چھوڑی ہے۔ پنجاب کے علمائے پیشمار کتابیں اور رسالے  
 اس نظر سے تصنیف کئے ہیں کہ مسلمان جماعت کا غیر تعلیم یافتہ طبقہ احکام دین  
 رونے، نماز اور مسائل شرعیہ سے ضروری واقفیت حاصل کر سکے۔ ایسی کتابیں اکثر  
 اوقات مختصر نظم کی شکل میں ہوتی تھیں۔ تاکہ لوگ آسانی سے یاد کر سکیں چاہل طبقہ  
 کیلئے بڑی تعلیم مسلمانوں نے ہندوستان کی باقی زبانوں میں بھی اختیار کیا ہے  
 پنجابی میں ایسی تالیفات کا سلسلہ بہت وسیع ہے اگرچہ تحقیق معلوم نہیں کہ سلسلہ  
 کس زمانہ سے شروع ہوتا ہے۔ لیکن اس کے قدیم ہونے میں کوئی شک نہیں کیونکہ  
 اکبری عہد کی ایسی تالیفات اب بھی موجود ہیں۔ ان میں مولانا عبدی ابن محمد ساکن پاتو  
 کا رسالہ ہندی سے مقدم ہے جو ۹۹۷ھ کی تصنیف ہے۔

نوسے دسے ستائیس جاں گزرنے چ شمس پچھے ہجرت مصطفیٰ تدن نہیا طیار  
 مولوی عبداللہ خصوصاً سے قابل ذکر ہیں۔ جو ہانگیر کے عہد سے شروع کر کے  
 شاہجہان کے آخری ایام تک برابر چالیس سال تک تصنیف و تالیف میں مصروف ہیں  
 شریعت ان کا میدان ہے۔ اور اسی میں تمام عمر گزار دی۔ ان کی پہلی تصنیف تحفہ  
 ۱۰۲۵ھ میں اور آفری کتاب خیر العاشقین ۱۰۶۵ھ میں ختم ہوئی ہے۔ خلاصہ

۱۳۱ھ میں انواع العلوم ۱۳۲ھ میں ذخیرۃ الشفین کلاں ۱۳۳ھ میں اور سراج  
۱۳۴ھ میں نظم ہوئیں۔ مولانا عبد اللہ کے حالات زندگی سے ہم ناواقف ہیں۔  
لیکن اس میں شک نہیں کہ انہوں نے علوم دین اور فقہ کی زبردست خدمت کی ہے  
مولوی عبد اللہ کے مقلدین میں علماں ناجی (علماں ناجی کذا) اور درویش محمد ہیں  
فقہی رسائل دونوں نے اپنی یادگار چھوڑے ہیں۔ علاء الدین درویش محمد نے مسائل  
فقہ لکھے۔ مولانا عبد اللہ کے ۱۳۶ھ میں سبحات المؤمنین تصنیف کی۔ ۱۳۷ھ  
میں فقیر شاعر نے نور نامہ کو نظم کیا۔

عالمگیر کے عہد سے بچوں کی تعلیم کیلئے متعدد کتب نصاب کا سلسلہ شروع  
ہو جاتا ہے جن میں ذریعۃ تیم نچابی زبان ہے۔ کمرل رائے ستامی نے ۱۳۸ھ میں  
ایزد باری اور امید نے ۱۳۹ھ میں اللہ باری تالیف کیں۔ فارسی نامہ عبد الرحمن بن  
محمد تاقم قصوری کی یادگار ہے۔ رازق باری اور واحد باری کا ذکر وارث شاہ علی المرتضیٰ  
اپنی شہنوی ہیر و رانچا میں کرتے ہیں۔ نصاب ضروری کے مالک خدا بخش میں ۱۳۲ھ  
میں گنیش داس صنعت باری پر قلم اٹھاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب کے بچوں اور غیر  
تعلیم یافتہ گروہ کی تعلیم کا انتظام اور مقامات پر بہتر کیا تھا۔

تیم نہی تصنیفات میں احوال الآخرت معراج نامہ۔ نور نامہ۔ وفات نامہ۔  
جنگ نامہ وغیرہ قسم کی کتابوں کی بڑت وسیع سلسلہ موجود ہے۔ طب میں بھی بعض کتابیں  
تصنیف اور بعض ترجمہ ہوئی ہیں۔ مثلاً دار الشفا۔ ترجمہ فائزہ نوحہ و مہربات کبریٰ وغیرہ  
قصص افسانہ کے سلسلہ میں میرزا انجھا کی قصہ بچہ مشہور ہے۔ قبل نے  
محمد شاہی عہد میں اور وارث شاہ عدیہ الرحمت نے ۱۳۸ھ میں سن فسانہ کو نظم کر کے  
ایک غیر فانی شہرت چل کر لی ہے۔ ان کے مقلدین میں فضل شاہ نے زیادہ نام پیدا  
کیا۔ سوہنی مینوال کے قصہ پر سید فضل شاہ مشتاق مینا۔ اوغنا کے طبع آزمائی کی

ہے بستی و بیوں کو ہاشم، سید فضل شاہ، مولوی غلام رسول، احمد یار اور بوٹالے علیحدہ علیحدہ نظم کیا ہے فضل شاہ نے بیل و مجنوں کی نظم لکھ کر اپنا نام کیا ہے یوسف لیجا کا قصہ بچی باہیں بہت مقبول رہا ہے متعدد شعرا نے اس کو نظم کا جامہ پہنایا ہے مثلاً پیر اندتہ، محمد سعید اور مولوی غلام رسول لیکن سب سے قدیم عبدالحکیم کی یوسف لیجا ہے جو ۱۲۱۸ھ میں حلیہ نظم پہنتی ہے۔ اور رافقہ سطور نے آئندہ اوراق میں اس سے بہت امدادی ہے عبدالحکیم اوجہ تحصیل احمد پور کے باشندے ہیں جو بہاول پور کے علاقہ میں واقع ہے عبدالحکیم نے یثمدوی اپنے علاقہ کی زبان میں جو متنی کے نام سے مشہور ہے لکھی ہے۔ اور نوابنا دل خوا کے نام پر معنون کی ہے۔

صوفی شعرا میں حضرت بلے شاہ متوفی ۱۱۱۹ھ اور علی حیدر متوفی ۱۱۹۱ھ شہرت خاص رکھتے ہیں۔ بلے شاہ کی کافیاں صوفی حلقوں میں بچہ مقبول ہیں۔ پنجابی میں قصص الانبیاء اور شاہنامہ جیسی کتا ہیں بھی ترجمہ ہو چکی ہیں۔ جنگ نامے پنجابی ادبیات کی ایک اور صنف ہیں۔ جن میں شہید کربلا اور ان کی جنگوں کا ذکر ہے۔ ان میں مفضل کا جنگ نامہ سب سے قدیم ہے جو ۱۲۹ھ جلوس محمد شاہی مطابق ۱۱۶۰ھ میں لباس نظم پہنتا ہے۔ اس کے علاوہ بارہ ماسے اور حسی فیال پنجابی ادب کی خصوصی شاخ ہیں۔ جواب بالکل متروک ہیں۔ سی حریفی گجراتی اردو میں بھی ملتی ہے۔ اور شاہ علیجو گام دہنی کے جو اہر اسرار اللہ میں موجود ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نظمیں بھی بارہ ماسوں کی طرح قدیم ہیں۔

# پنجابی اور اُردو

گزشتہ صفحات میں اشارہ کیا جا چکا ہے کہ پنجابی اور اُردو اپنی صرف و نحو میں ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں۔ یہاں اس بحث پر کسی قدر تفصیل کیساٹھ روشنی ڈالی جاتی ہے :-

(۱) مصدر کا قاعدہ دونوں زبانوں میں ایک ہے یعنی علامت "نا" امر کے آخر میں اضافہ کر دی جاتی ہے۔ قدیم زمانہ میں اس کا رسم الخط دونوں زبانوں میں "ناں" تھا یا ہویں صدی کے اختتام کے قریب ایسے نون غنہ کو ترک کر دیا جاتا ہے اور دیگر الفاظ سے بھی خارج کر دیا جاتا ہے مثلاً سیں۔ کوں ستیں وغیرہ جو بعد میں سے کو اور سبتی بن جاتے ہیں :-

(۲) تذکیر و تانیث کے قواعد دونوں زبانوں میں ایک ہیں۔ یعنی :-  
(۱) اکثر ایسے الفاظ جو "الف" پر ختم ہوتے ہیں تانیث کی حالت میں "ی" پر ختم ہوتے ہیں مثلاً بکرا۔ بکری۔ گھوڑا۔ گھوڑی۔ چنگا۔ چنگی۔ کالا۔ کالی۔ بوٹا۔ بوٹی :-  
(۲) جب اسم مذکر حروف علت کے سوا حرف صحیح پر ختم ہو تو دونوں زبانوں میں تانیث کے لئے "نی" یا "انی" اضافہ کر دیتے ہیں :-

مذکر	مونث پنجابی	مونث اُردو
مغل	مغلانی	مغلانی
لوار	لوارن۔ لُوہاری۔ لُوہارنی	لُوہاری۔ لُوہارن
دیود	دیوانی	دِود رانی
اونٹ	اونٹنی	اونٹنی

مؤنث اُردو	مؤنث پنجابی	مذکر
نٹنی	نٹنی	نٹ
فقیرنی	فقیرنی	فقیر
زمیندارنی	زمیندارنی	زمیندار
ڈومنی	ڈومنی	ڈوم
سیدانی	سید زادی	سید
(ب) اگر مذکر "ی" پر ختم ہو تو مؤنث میں "ی" "ن" سے بدل جاتی ہے:-		
مؤنث اُردو	مؤنث پنجابی	مذکر
میراٹن	میراٹن	میراٹ
تیلن	تیلن	تیل
	قریش	قریشی
موچن	موچن - موچانی	موچی
بھن	بھین	بھائی
قصائی	قصائ	قصائی
جوگن	جوگن	جوگی
درزن	درزیانی - درزن	درزی
نائن	نائین	نائی
قضیانی	قضیانی	قاضی
دھوبن	دھوبن	دھوبی
	کھترانی	کھتری

”نی“ لاحقہ تائید جو ہم زمیندارنی - فقیرنی - ڈومنی وغیرہ میں دیکھتے ہیں -

درحقیقت پنجابی میں عام علامت تائید ہے جو عورت کو خطاب کے لئے ابتدا میں بھی لائی جاسکتی ہے مثلاً ”نی کرٹیے“ ”لے لڑکی“ ”نی شیر محمد دی ماں“ ”راے شیر محمد کی ماں“ \*

(۱۳) اعلام واسما اور اسمائے صفات دونوں بانوں میں الف پر ختم ہوتے ہیں جبکہ برج بھاشہ میں واد جھول پر ختم ہوتے ہیں۔ جیسے :-

پنجابی	اُردو
منڈا	لڑکا
گھوڑا	گھوڑا
کت	کت
نیولا	خاتن باری میں نیول ملتا ہے بمصرع ”کثر دم بچھو
چنگا	راسو نیول ”میکن اُردو نے اپنا تاندہ مستمرہ جاری
نکا	چھوٹا
دڈا	بڑا
کتبا	الٹا
ستجا	سیدھا
اچّا	اونچا

(۱۴) اسماء صفات تذکیر و تائید اور جمع دو واحد میں اپنے موصوف کی حالت کے مطابق ہوتے ہیں مثلاً

اُردو (۱) اونچا گھوڑا (۲) میرا لڑکا (۳) چھوٹی لڑکی (۴) بڑے لڑکے (۵) دڈرتے گھوڑے سے (۶) چھوٹی لڑکیاں \*

پنجابی (۱) اچّا گھوڑا (۲) میرا منڈا (۳) نئی کرٹی (۴) دوڑے منڈے (۶)

دوڑ دے گھوڑے توں (۶) نکلیاں کڑیاں ۛ

برج میں اس موقع پر اونچو گھوڑا اور میر چھوڑا لائیں گے۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ اردو اور پنجابی فقرہ میں اسماء صفت اُن کے موصوفوں کے مطابق ہیں۔ یعنی جب موصوف غیر منصرف ہے۔ تو اس کا اسم صفت بھی غیر منصرف رہا۔ جیسے پہلے تین جملوں میں دیکھا جاتا ہے۔ چونکہ اردو پنجابی جملہ میں چونکہ موصوف منصرف ہو گئے ہیں یعنی اپنی اصلی حالت لڑکا اور گھوڑا کو چھوڑ کر لڑکے اور گھوڑے بن گئے ہیں اس لئے اُن کے اسماء صفت بھی منصرف ہو کر اپنے موصوفوں کی حالت قبول کر کے بڑے اور دوڑنے بن گئے۔ اہل برج اس موقع پر ”بڑے لڑکا“ اور ”دوڑتے گھوڑا“ سے لائیں گے جو اردو اور پنجابی کے خلاف ہے۔ یہ فرق اگرچہ بظاہر خفیف ہے۔ لیکن نہایت اہم ہے۔ چھٹے فقرے میں دیکھا جاتا ہے کہ پنجابی میں جبکہ صفت موصوف باہم متحد ہیں اردو میں باہم مطابق نہیں چھوٹی واحد ہے اور لڑکیاں جمع میں ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اردو میں یہ بیضابطگی میر و سودا کے عہد سے شروع ہوتی ہے اردو قدیم میں ”چھوٹیاں لڑکیاں“ ہی بولتے تھے۔ جو پنجابی کے عین مطابق ہے احمد دکنی ۛ

سوچا دوں سے پایاں سو بالیاں نکھیاں      دنا شرم انو تھے سکیاں سب سکیاں

(۵) خبر تذکیر و تائید واحد جمع میں اپنے مبتدا کے موافق آتی ہے:-

اردو (۱) یہ بات بھلی تھیں (۲) یہ باتیں بھلی تھیں ۛ

پنجابی (۱) ایگل جنگی تھیں۔ (۲) ایگلان جنگیاں نہیں ۛ

اردو کے دوسرے جملہ میں دیکھا جاتا ہے کہ خبر اپنے مبتدا کے مطابق نہیں باتیں

جمع ہے۔ اور بھلی واحد۔ جب کہ پنجابی میں مبتدا اور خبر دونوں جمع میں ہیں۔ یہ جدت

طرازی اسی زمانہ اصلاح سے تعلق رکھتی ہے جس کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ پُرانی



اُردو میں یہ جملہ یوں لکھا جاتا "یہ باتیں بھلیاں نہیں" بلکہ "یہ باتاں بھلیاں نہیں" جو پنجابی سے بالکل موافق ہے۔ سودا کہتے ہیں ۵

دوانہ ہو گیا سودا تو آخر رخصتہ پڑھ پڑھ

نہیں کتا تھا لے ظالم کہ یہ باتیں نہیں بھلیاں

۱۶) فعل "تذکیر" زانیث و واحد جمع میں اپنے فاعل کے مطابق ہے:-

اُردو:- (۱) گھوڑا آیا (۲) گھوڑے آئے (۳) عورت آئی (۴) عورتیں آئیں۔

پنجابی:- (۱) گھوڑا آیا (۲) گھوڑے آئے (۳) بڈھی آئی (۴) بڈھیاں آئیاں۔

چوتھے جملہ میں بڈھیاں غیر منصرف ہے۔ جو بالکل درست ہے۔ اُردو کے جملہ میں اسے عورتاں سے منصرف کر کے عورتیں بنالیا گیا ہے۔ پرانی اُردو میں یہی جملہ یوں لکھتے

"عورتاں آئیاں" ایک مثال سودا کے کلام میں موجود ہے ۵

گھٹی بھیں ہیں نت دل سے تارا شک کی لڑیاں

یہ نکھیاں کیوں مرے بیکے گلشن مار ہو پڑیاں!

(۷) اضافت اپنے فاعل کی تذکیر زانیث اور واحد جمع کے مطابق ہوتی ہے:-

اُردو:- اس میں کوٹھیریاں رنگ بزرگی ہیں۔ بعض چاندی کی بعض یا قوت سُرخ کی۔

اور بعض زمرہ کی۔ اور بعض زبرجد کی۔ اور بعض جواہرات سفید کی۔

پنجابی:- ادہ دے وچہ کوٹھیریاں رنگ بزرگیاں ہیں۔ بعضیاں چاندی دیاں بعضیاں

یا قوت سُرخ دیاں تے بعضیاں زمرہ دیاں تے بعضیاں زبرجد دیاں تے بعضیاں چٹے

جواہرات دیاں تے۔

یہاں اعتراض وارد ہوتا ہے کہ کوٹھیریاں جمع میں ہیں۔ اور اضافت "کی" واحد میں

لیکن یہاں پھر اُردو نے اپنے پُرانے قواعد کو توڑنے کی کوشش کی ہے۔ بارہویں صدی

ہجری میں بھی جملہ یوں لکھا جاتا تھا:-

اور اس میں کوٹھریاں رنگ بزرگی ہیں۔ بعض چاندی کپیاں۔ بعض یاقوت سُرخ کپیاں۔ اور  
بعض زعفران کپیاں اور بعض زبرجد کپیاں اور بعض جواہرات سفید کپیاں۔ ”وَمَنْعُولُ اَزْکَبَا  
ہزار مسائل“ +

مثال دیگر:-

اُردو:- یوں نو ہزار باتاں لکھ کپیاں جو محمد گیارہویں میں راز معراج العاشقین حضرت گیسو پڑا  
پنجابی اینج نوے ستر باتاں لکھ دیاں ہو محمد دیاں ہو یاں۔

مثال دیگر:-

اُردو:- قیامت کی نشانیاں کتنی ہیں اور کیسی ہیں یا رسول اللہ

پنجابی:- قیامت دیاں نشانیاں کتیاں نے کیہیاں نے یا رسول اللہ

قدما کی زبان میں یہ تہہ کیوں ہے:-

قیامت کپیاں نشانیاں کتیاں ہیں اور کیسیاں ہیں یا رسول اللہ (از ہزار مسائل) +

محمد امین دکنی

لکھن کی گردشاں پہ کپیں طرح کپیاں

کد میں غم کپیاں ہیں اور کد ہیں فرح کپیاں (یوسف لکھنا)

(۱۰) ماضی مطلق دونوں زبانوں میں ایک ہے:-

اُردو:- وہ آیا۔ وہ آئے۔ تو آیا۔ تم آئے۔ میں آیا۔ ہم آئے۔ وہ آئی۔ وہ آئیں۔

تو آئی۔ تم آئیں۔ میں آئی۔ ہم آئیں۔

پنجابی:- اوہ آیا۔ اوہ آئے۔ توں آیا۔ تسی آئے۔ میں آیا۔ اسی آئے۔ اوہ آئی۔ اوہ

آئیاں۔ توں آئی۔ تسی آئیاں۔ میں آئی۔ اسی آئیاں۔

جمع مؤنث کے صیغوں میں جو فرق پنجابی اور اردو میں ملاحظہ ہوتا ہے۔ وہ متاخرین

کی اصلاحی کوشش کا نتیجہ ہے جس نے قدما کے قاعدوں کو بالکل درہم و برہم کر دیا۔

وہ ان جھینوں کو یوں بولتے تھے :-

وہ آئیاں - تم آئیاں - ہم آئیاں \*

محمد امین دکنی

مصر میں خوب صورت بیبیاں تھیں انوں منیاں زلیخا کی سوتاں !  
(۹) ماضی قریب فعل امدادی کی تصریف سے بنتی ہے۔ یہاں پنجابی اور اردو میں  
کسی قدر اختلاف ہے :-

اردو :- وہ آیا ہے۔ وہ آئے ہیں۔ تو آیا ہے۔ تم آئے ہو۔ میں آیا ہوں۔ ہم آئے ہیں  
پنجابی :- اوہ آیا اے۔ اوہ آئے نے۔ تو آیا ایں۔ تسی آئے او میں آیا آں اسی آئے ایں  
اردو :- وہ آئی ہے۔ وہ آئی ہیں۔ تو آئی ہے۔ تم آئی ہو۔ میں آئی ہوں۔ ہم  
آئی ہیں \*  
پنجابی :- اوہ آئی اے۔ اوہ آئیاں نے۔ تو آئی ایں۔ تسی آئیاں او میں آئی  
آں۔ اسی آئیاں آں \*

(۱۰) ماضی بعید بھی توابع کی تصریف سے بنتی ہے۔

اردو :- وہ آیا تھا۔ وہ آئے تھے۔ تو آیا تھا۔ تم آئے تھے۔ میں آیا تھا۔ ہم آئے تھے  
پنجابی :- اوہ آیا سی۔ اوہ آئے سن۔ تو آیا سیں۔ تسی آئے سو میں آیا ساں اسی آئے ساں  
اردو :- وہ آئی تھی۔ وہ آئی تھیں۔ تو آئی تھی۔ تم آئی تھیں۔ میں آئی تھی۔ ہم آئی  
تھیں \*  
پنجابی :- اوہ آئی سی۔ اوہ آئیاں سن۔ تو آئی سیں۔ تسی آئیاں سو میں آئی ساں  
اسی آئیاں ساں \*

قدیم اردو میں اس ماضی کی تصریف یوں تھی :-

وے آئیں تھیاں یا آئیاں تھیاں \*

محمد امین دکنی :-

نشانیوں دیکھیں تھامو بتایاں      دے سب دائی سے آگے کہ سنایاں  
دیگر محمد امین دکنی :-

بھی جنت کی جلوں کیاں چوٹیاں تھیاں      ٹٹاں موتیاں کی اُس میں گونجتیاں تھیاں  
(۱۱) ماضی نا تمام میں بڑا فرق یہ ہے کہ پنجابی میں جہاں دال ہے اردو میں تے  
بن گئی ہے۔

اُردو :- وہ مارتا تھا۔ وہ مارتے تھے۔ تو مارتا تھا۔ تم مارتے تھے۔ میں مارتا تھا  
ہم مارتے تھے ۔  
پنجابی :- اودہ مارد اسی اودہ مارے سن۔ توں مارد اسیں تسی مارے سو میں مارد  
ساں۔ اسی مارے ساں ۔  
اُردو :- وہ مارتی تھی۔ وہ مارتی تھیں۔ تو مارتی تھی۔ تم مارتی تھیں۔ میں مارتی تھی  
ہم مارتی تھیں ۔  
پنجابی :- اودہ ماردی سی اودہ ماردیاں سن۔ تو ماردی سیں تسی ماردیاں سو میں ماردی  
ساں۔ اسی ماردیاں ساں ۔

(۱۲) ماضی احتمالی دونوں زبانوں میں بالکل ایک ہے۔  
اُردو :- وہ کھانا ہو۔ وہ کھاتے ہوں۔ تو کھانا ہو۔ تم کھاتے ہوؤ۔ میں کھانا ہوؤں  
ہم کھاتے ہوں ۔  
پنجابی :- اودہ کھاندا ہووے۔ اودہ کھاندے ہوں۔ تو کھاندا ہوویں تسی کھاندے  
ہوؤ۔ میں کھاندا ہوواں۔ اسی کھاندے ہووئے ۔  
اُردو :- وہ کھاتی ہو۔ وہ کھاتی ہوں۔ تو کھاتی ہو۔ تم کھاتی ہوؤ۔ میں کھاتی  
ہوؤں۔ ہم کھاتی ہوں ۔

پنجابی :- اوہ کھانڈی ہوئے ۔ اوہ کھانڈیاں ہوں ۔ تو کھانڈی ہو دیں تیسکی کھانڈیا  
 موٹھ } ہوؤ ۔ میں کھانڈی ہوواں ۔ اسی کھانڈیاں ہو بیٹے ۔  
 (۱۳) مضارع دونوں زبانوں میں ایک ہے ۔

اردو :- وہ آئے ۔ وہ آئیں ۔ تو آئے ۔ تم آؤ ۔ میں آؤں ۔ ہم آئیں ۔  
 پنجابی :- اوہ آئے ۔ اوہ آوں ۔ نوں آویں ۔ تسی آؤ ۔ میں آواں ۔ اسی آئیے ۔  
 اردو :- وہ آئے ۔ وہ آئیں ۔ تو آئے ۔ تم آؤ ۔ میں آؤں ۔ ہم آئیں ۔  
 پرانی اردو میں بھی آوے اور آویں ہی مستعمل تھا ۔ آنا دراصل آؤ نا تھا ۔ اس سے  
 مضارع آوے اور آویں تھیں ۔

(۱۴) فعل حال کی تصریف ۔ دونوں زبانوں میں ایک ہی اصول پر ہے ۔ ماضی ناتمام  
 کی طرح یہاں بھی دال اور تے آپس میں بدلتی ہیں ۔  
 اردو :- وہ کرتا ہے ۔ وہ کرتے ہیں ۔ تو کرتا ہے ۔ تم کرتے ہو ۔ میں کرتا ہوں ۔ ہم

کرتے ہیں ۔  
 پنجابی :- اوہ کر دالے ۔ اوہ کر دے نے ۔ تو کر دایں ۔ تسی کر دے او میں کر دایں  
 آں ۔ اسی کر دے آں ۔

اردو :- وہ کرتی ہے ۔ وہ کرتی ہیں ۔ تو کرتی ہے ۔ تم کرتی ہو ۔ میں کرتی ہوں ۔ ہم  
 کرتی ہیں ۔  
 پنجابی :- اوہ کر دی اے ۔ اوہ کر دیاں نے ۔ تو کر دی ایں ۔ تسی کر دیاں او میں  
 کر دی آں ۔ اسی کر دی آں ۔

پرانی اردو میں موٹھ کی گردان زیادہ قریب تھی ۔  
 اردو سے قدیم :-

وہ کرتی ہے ۔ وہ کرتیاں ہیں ۔ تو کرتی ہے ۔ تم کرتیاں ہو ۔ میں کرتی ہوں ۔ ہم کرتیاں ہیں

مثال:-

واسطے مردوں کے ہے حصہ اُس چیز سے کہ کلمتے ہیں اور واسطے عورتوں کے حصہ ہے  
اُس چیز سے کہ کلمات ہیں؟ (ترجمہ قرآن از شاہ رفیع الدین صاحب) ۴۰

مثال:-

ایسی ایسی ادبھڑیاں ہم چھڑیاں ہیں کہ دیکھنے والوں کی مار سے ہیبت کے جانیں  
نکلتیاں ہیں (آرامش محفل تالیف سنہ ۱۲۲۷ھ ص ۲۷)

(۵) مستقبل کا اصول دونوں زبانوں میں ایک ہے یعنی واحد و جمع میں لگا اور  
گے کے اضافہ سے بنتا ہے +

اُردو:- وہ آئیگا۔ وہ آئیگے۔ تو آئیگا۔ تم آؤگے۔ میں آؤنگا۔ ہم آئیگے۔  
پنجابی:- اودہ آدیگا۔ اودہ آدنگے۔ لوں آدیگیا تسی آؤگے۔ میں آواںگا۔ اسی آوانگے۔  
قدیم اُردو میں آدیگا اور آدیگے ہی بولتے تھے لیکن فصحاء نے منازین جن کی  
اصلاحات کا کسی قدر تماشہ ہم گذشتہ سطور میں دیکھ چکے ہیں۔ آئیگا اور آئیگے کہنا  
پسند کرنے ہیں۔ جمع مخاطب کی واؤ شاید انہیں نظر نہیں آئی۔ ورنہ وہ بھی اصلاح کی  
قرابنگاہ پر چڑھ کر دیجاتی۔ اہم آج ”تم آئیگے“ بولتے ہوتے۔ کم از کم اس صورت میں  
یکسانیت تو اتھ سے نہ جاتی ۴۰

اُردو:- وہ آئیگی۔ وہ آئیگی۔ تو آئیگی۔ تم آؤگی۔ میں آؤنگی۔ ہم آئیگی ۴۰  
پنجابی:- اودہ آدیگی۔ اودہ آدیگیاں۔ توں آدیگی۔ تسی آؤگیاں۔ میں آوانگی۔ اسی  
آواں گیاں ۴۰

قدیم اُردو میں یوں گردان ہوتی تھی:-

وہ آدیگی۔ وہ آدیگیاں۔ تو آئیگی۔ تم آؤگیاں۔ میں آؤنگی۔ ہم آدیگیاں ۴۰

مثال:-

اور بہت دالے لوگ جس چیز پر نظر کرینگے پرمایاں اس چیز کیاں بھر کر اوپر منہ اوستکیا  
بخت بند کیے لگیں گئیں۔ اور آپ سے ہٹ جائیں گئیں +

دیگر :-

بعد اُس کے جو رہے بہشت کیاں اپنے آتھ میں اللہ کر کر : ٹھاو چکیاں دھڑوا نکسار  
سے دعا مانگینگئیاں۔ (ہزار مسائل) +

محمد امین دکنی :-

یعنی معلوم تقدیر اُس کے تئیں اُن کر کیا کیا مشکلیں آئیں چڑھئیاں

(۱۶) امر کا تا وعدہ اُردو پنجابی میں بالکل ایک ہے -

اُردو :- دیکھ۔ کہا۔ لا۔ دے۔ پی۔ نکل۔ جا۔

پنجابی :- دیکھ۔ کہا۔ لا۔ دے۔ پی۔ نکل۔ جا۔

جمع مخاطب میں تعظیماً دونوں زبانوں میں ایک واو اضافہ کر دیا جاتا ہے

اُردو :- جاؤ۔ کھاؤ۔ آؤ۔ اٹھو۔ چلو۔

پنجابی :- جاؤ۔ کھاؤ۔ آؤ۔ اٹھو۔ چلو۔

(۱۷) مصدر یعنی امر دونوں زبانوں میں مستعمل ہے -

اُردو :- پرکھنا۔ سرکھنا۔ آنا۔ جانا۔ یاد رکھنا۔ بھول نہ جانا۔ سلام کہنا وغیرہ -

پنجابی :- پرکھنا۔ سرکھنا۔ آدنا۔ جادنا۔ یاد رکھنا۔

عبدالحمید :-

ملک طرہ میں نقوں یاد رکھنا کینے تے اسیداں توں پرکھناں

رب، اُردو میں امر کے بعد ”یے“ بڑھا کر مضارع اور امر کا مفہوم ادا کرتے ہیں

یہ دستور پنجابی میں بھی موجود ہے +

اُردو مضارع :-

مستا ہی نہیں میری دیوانہ کو کیا کہئے

عالم ہے

رہنے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہمزباں کوئی نہ ہو  
پڑیے گریار تو کوئی نہ ہو تیسرا دارا اور جو مر جائے تو نہ خوال کوئی نہ ہو

میر صاحب ہے

داؤد نہ یاد جا سب کر بیٹے + شاید اُس کے بھی دل میں جا کر بیٹے

پنجابی وارث شاہ ہے

جس دن عشق نے کم نوس تھ لائیے پھلان بدنام دلیے جی

پھر نبی رسول پیغیراں نوں دم دم درود پنچائیے جی +

(ج) اس صورت میں بعض اوقات "سی" "جیم" سے بدل بھی جاتی ہے۔ اور "جے"

بنالیا جاتا ہے۔ بیشکل بھی دونوں زبانوں میں موجود ہے +

اُردو۔ میر تقی میر ہے

ٹایا رب کہیں اس صیدانگن سرسبز کہیں کہ افشاں کیجے خوش اپنے سے اسکے امن کی

پنجابی۔ عبدالحکیم ہے

اکن یاد دکانی تدبیر کیجے کدی باہر مرتبے یاد دیجے (یوسف زبغا ص ۳)

دکنی اُردو میں یہی "جے" "تون غنہ کے ساتھ بھی ملتی ہے :-

محمد امین ہے

اپن گردن اوپر نا خون یجییں ہے یہ طلب پدر رسول دُور کیجییں

ایضاً ہے

پچھیں سوچا اپن اس کر کہ یجییں سمجھ کر دل بہتر یو کام کیجییں +

مغربی مصنفین کہتے ہیں کہ "یے" پنجابی میں اُردو سے آئی ہے۔ لیکن ہمیں یاد



رکھنا چاہئے کہ پنجابی کی مضارِع اور اَصنافِ احتمالی میں یہ شکل پہلے سے موجود ہے۔ اور صیغہ جمع متکلم میں ملتی ہے۔ پھر اسے اُردو سے لینے کی کیا ضرورت ہے۔ میرا خیال ہے کہ ابتدا میں یہ صرف جمع متکلم کا صیغہ تھا۔ بعد میں اس کا استعمال جمع مخاطب اور واحد مخاطب پر بھی تعظیماً ہونے لگا۔

دے آگے "پنجابی میں حال کے معنی بھی دیتا ہے۔ اُردو میں اگرچہ اب تخریر میں مترک ہے لیکن عوام بولتے ہیں۔ پُرانے کلام میں موجود ہے۔

اُردو: وہ ہینگا۔ وہ ہینگے۔ تو ہینگا۔ تم ہو گے۔ میں ہو گا۔ ہم ہینگے۔  
پنجابی: اوہ ہینگا۔ اوہ ہینگے۔ (ہنگے) توں ہینگا۔ تسی ہو گے۔ میں ہانگا۔ ہم ہینگے۔ (ہانگے)

اُردو: وہ ہینگے۔ تو ہینگے۔ تم ہو گے۔ میں ہو گے۔ ہم ہینگے۔  
پنجابی: اوہ ہینگے۔ لوہ ہینگیاں۔ توں ہینگے۔ تم ہو گیاں۔ میں ہانگی۔ ہم ہانگیاں  
میر تقی میرؒ

ابراٹھا تھا کب سے اور جھوم پڑا بس نہ پر

بادہ کشوں کا جھرمٹ ہیک شیشہ اڑپینا نہ پر

(۸) دعا ئیہ اُردو اور پنجابی میں ایک ہی طریق پر ہے۔

اُردو: تجھے سانپ ڈسے۔

پنجابی: پتینوں سپ اڑے۔

(۹) لازمی و متعدی کا دونوں زبانوں میں وہی اصول ہے۔ اور متعدی

بالواسطہ کا بھی وہی قاعدہ ہے۔

اُردو: سیکھنا۔ سکھانا۔ سکھانا۔ اٹھنا۔ اٹھانا۔ اٹھانا۔ اٹھانا۔ اٹھانا۔ اٹھانا۔

گھنا۔ گھنا۔ گھنا۔ گھنا۔ گھنا۔ گھنا۔ گھنا۔ گھنا۔ گھنا۔ گھنا۔

پنجابی: سکھنا سکھاونا۔ سکھلاونا۔ (سکھانا) اٹھنا۔ اٹھاونا۔ اٹھواونا۔ جگنا۔  
جگاونا۔ جگواونا۔ گلنا۔ گلانا۔ گلواونا۔

اُردو: ٹوٹنا۔ توڑنا۔ توڑوانا۔ جلنا۔ جلانا۔ جلوانا۔ پگھلنا۔ پگھلانا۔ پگھلوانا۔  
پنجابی: ٹٹنا۔ ٹوڑنا۔ توڑوانا۔ جلنا۔ جلانا۔ جلوانا۔ پگھلنا۔ پگھلانا۔ پگھلوانا۔  
اُردو میں بھی 'جانا'، 'بالنا' وغیرہ کا رولج تھا جو اب متروک ہے۔ احمد دکنی:-  
کتیاڑں جے ہو رہا لے منجے تیا کیا گئے ہو رہا لے منجے

(۲۰) معروف و مجہول کا وہی طریقہ ہے پنجابی میں بھی 'جانے' کی تصریف سے  
مجہول بنایا جاتا ہے۔

اُردو: لڑکی ماری گئی۔ لڑکا مارا گیا۔

پنجابی: لڑکی ماری گئی۔ منڈا مارا گیا۔

(۲۱) ندائیں میں دونوں زبانیں متفق ہیں۔

اُردو: لے لڑکو۔ اولاد کیو۔ اے رکے۔ لے بھائیو۔ او پرجم۔ او گدھے۔

پنجابی: لے یا او منڈیو۔ لے یا نی کڑیو۔ او منڈیا لے بھراؤ۔ او پرجم۔ او

کھوتیا۔

(۲۲) نفی کے وہی معمولی کلمے۔ مثلاً نہ۔ نا۔ ناں۔ نہیں۔ نیں۔ ناہی۔ ناہیں۔

پنجابی میں بھی آتے ہیں۔ جو ایک زمانہ میں اُردو میں بھی مستعمل تھے۔

جس موقع پر اُردو میں نہ کر داور نہ جاؤ کہیں گے۔ ایسی جگہ اہل پنجاب ناکر داور نا جاؤ

کہیں گے مثلاً عبدالجکیم کہتے ہیں۔

ولیکن ایہ خیانت ناکر یساں ایہو بچا متھے اپنے نہ یساں۔

دیگر۔

اسی گل تے مرادل ناکر دوسی جو میٹھوں ایہ سن مولی نہ ہوسی

گویا "نا" زیادہ تر تاکید کے لئے آتا ہے۔ دکنی میں بھی یہی "نا" موجود ہے۔

احمد دکنی قطب شاہی ۷

جو بندیاں تھے ناہجے گنڈ کا ظہور ۷ تو کس دلاۃ ہوئے نام تیرا غفور

دیگر ۷

راہیوں سکی سادۃ محیطا ہوئے جو نادودہ پیوے خوشی سول نسوے

پنجابی میں اس کی ایک شکل "نال" بھی ہے۔ جو دکنی اُردو میں بھی ملتی ہے۔

محمد امین دکنی ۷

کیوسف کی جگہ میں کیوں مواناں ! لے نائل باگہ میرا کیوں ہواناں

دیگر ۷

ایسیلی ایک ساعت چھوڑتی ناں شفقت الستی وے توڑتی ناں

(۲۳۳) امدادی افعال کے ذریعہ سے مختلف مقاصد کے اقدار کے لئے افعال

مرکب بنا لینے کا طریقہ دونوں زبانوں میں رائج ہے۔ اردو میں اس کے لئے افعال آنا

ہونا۔ چکنا۔ رہنا۔ لگنا۔ سکنا۔ بیٹھنا۔ پڑنا۔ دینا۔ لینا۔ ڈالنا۔ جانا۔ کرنا۔ چلنا۔ کھانا۔

وغیرہ زیادہ مستعمل ہیں۔ ان میں سے اکثر افعال پنجابی میں بھی یہی مطلب دینے ہیں یہ بعض

کی مثالیں دیتا ہوں ۷

(۱) سکنا۔ دارث شاہ ۷

کی صفت ہڑے دی کر سکاں گویا بہشت زیر تے آئیکے

(۲) علی الحکیم ۷

بہشتاں نوں بنا بیٹھے سکنا ۷

(۳) بیچ جانا۔ (۴) میں کم کر چکیا دل۔ (۵) نکہ رون گلیا۔ (۶) اوہ ہسد بہندا

لے۔ (۷) منڈا چنڈا گیا ۷

عربی و فارسی الفاظ کی ترکیب سے جس طرح اردو میں بیشمار مصادر بنائے گئے ہیں۔ پنجابی میں بھی اسی طرح بنائے جاتے ہیں۔ مثلاً روشن کرنا۔ قربان کرنا۔ خاموش کرنا۔ ہوش آنا۔ مقصود پانا۔ داغ پانا۔ گرفتار ہونا۔ حیران ہونا۔ سیر کرنا۔ آرام پانا۔ شور کرنا۔ فرمان دینا۔ وغیرہ +



گزشتہ سطور کے مطالعہ سے ہم پر یامر واضح ہو گیا ہے کہ اردو اور پنجابی کی ضرر کا ڈول تمام تر ایک ہی منصوبہ کے زیر اثر طیار ہوا ہے۔ ان کی تذکیر و تائید اور جمع اور افعال کی تصریف کا اتحاد اسی ایک نتیجہ کی طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ اردو اور پنجابی زبانوں کی ولادت گاہ ایک ہی مقام ہے۔ دونوں نے ایک ہی جگہ تربیت پائی ہے۔ اور جب سیانی ہو گئی ہیں۔ تب ان میں بُدائی واقع ہوئی ہے۔ ان زبانوں میں جو اختلاف دیکھا جاتا ہے۔ وہ اکثر اس وقت واقع ہوا ہے جب اردو کی پرورش شعر اور تعلیمی فتنہ طبقہ نے پہلی اور مکھنٹوں میں شروع کی ہے۔ انہوں نے اپنی دانست میں اردو کی اصلاح کی۔ مگر اکثر موقعوں پر دیکھا جاتا ہے کہ ان کی اصلاح اور ترمیم کے اصول نے ایک صرئی کے نقطہ نظر سے زبان کے قواعد میں اتیری اور برہمی پیدا کر دی ہے۔ قدیمی اصول جن پر زبان کی تعمیر ہوئی تھی۔ جامع مفید اور کارآمد تھے۔ پرانی جمع کے قاعدہ کو انہوں نے بالکل بیکار اور باطل کر دیا۔ اقلیم زبان سے حروف علت و نون غنہ کے اخراج میں نیم ان سے متفق ہو سکتے ہیں۔ لیکن افعال و اسماء سے جمع نمونہ کے ترک کرنے میں ہرگز ہرگز حق بجانب نہیں۔ اس نے زبان سے موسیقیت اور خوش آہنگی کے ایک بڑے عنصر کو برباد کر دیا ہے۔ کیا کوئی شخص میرزا سودا کے ان اشعار کی خوشنوائی سے انکار کر سکتا ہے۔ جو پرانی طرز میں لکھے گئے ہیں۔

خاکِ نرں میں مروتیں کیا کیا نہ رلیاں دیکھیاں  
سے تلک باتیں تیری کوئی نہ بھلیاں دیکھیاں

وہ رگدستِ تاسف کے تیشِ ملت ہوا۔ جن نے وہ انکھیاں شمار آلودہ عیاں کھیں  
 اُردو میں قدیم زمانہ میں مرفوعی منصوبی اور مجروری حالتوں کے لحاظ سے تین  
 شکلیں رائج ہوئیں یعنی غماں۔ غموں۔ غمیں۔ پاساں۔ پاسوں۔ پاسیں۔ فکراں۔ فکروں  
 فکرین۔ پچھال۔ پچھوں۔ پچھیں۔ راتاں۔ راتوں۔ راتیں۔ کدہاں۔ کدہوں۔ کدہیں۔  
 جدہاں۔ جدہوں۔ جدہیں۔ وغیرہ \*

لیکن بعد میں ان کے استعمال میں بیقاعدگی ہونے لگی۔ اور حالتِ نصیبی مرفوعی  
 و جارہ میں لوگ خلطِ ملط کرنے لگے۔ حتیٰ کہ قاعدہ بالکل ٹوٹ گیا۔ آج مونث کے  
 علاوہ مذکر اسماء کے ساتھ کبھی تینوں حالتیں نہیں ملتیں۔ جیسے رڈکیاں۔ رڈکیوں۔  
 رڈکیں۔ اسی طرح ہم کی شکل ہاں ہوں اور ہمیں ہونی چاہئے۔ لیکن ہاں نہ آج ملتا  
 ہے۔ نہ پرانے شعرا میں ہوں متاخرین نے متروک کر دیا۔ لیکن پرانے شعرا میں ملتا ہے  
 محمد امین کہتے ہیں ۷

تو ہم اک باگ کو مایں گے دس مل ہموں کو کیا نہیں ہو جے ہو کاہل ۸

دیگر ۷

ہمیں نے دیکھ اس کو گھا دکھاٹی بدن اوپر چھریاں اقصوں لگاٹی۔  
 ہمیں خدا کے فضل سے آج بھی زندہ و سلامت ہے علیٰ ہذا غماں۔ غموں اور  
 غمیں میں متاخرین نے غماں اور غمیں دونوں کو مجرور الاستعمال کر دیا۔ غموں آج تک جیتا  
 ہے غماں گذشتہ صدی میں ترک ہوا جس کی مثال کی کوئی ضرورت نہیں۔ رہا  
 غمیں اس کی مثال سنئے محمد امین ۷

توں اول پی بچھوں شے دے امیں کو امیں پی کر بھلا دے سب غمیں کو

غمیں جا دے نکل کر خرمی آے تیری انداوستی مرتبہ پلے

راتاں کچھ عرصہ قبل ترک ہوا ہے۔ راتوں اور راتیں آج بھی حی و قائم ہیں

گر پاساں۔ پاسوں۔ پاسیں آج بالکل مردود ہیں۔ ان کی یادگار پاس باقی رہ گیا ہے۔  
اسی طرح کڑواں۔ کدھڑوں کدھیں۔ کدھڑاں۔ کدھڑوں۔ کدھیں اُردو سے ہمیشہ کے لئے  
خصرت ہو گئے۔ ان امور سے یہ امر منکشف ہوتا ہے کہ زبان کا دائرہ روز بروز تنگ  
اور محدود ہونا جا رہا ہے۔

آدم برسر مطلب۔ ابھی تک ہم نے صرفیانہ طریق پر دونوں زبانوں کا مطالعہ کیا  
ہے۔ ذیل میں ہم ایسے مواد پر نظر ڈالینگے جو دوسری زبانوں کے مقابلہ میں اُردو اور  
پنجابی میں عام ہو۔ ہم نے اس غرض سے مروجہ اُردو سے اعراض کر کے ایسے نمونوں کو  
لیا ہے جو قدیم اُردو سے متعلق رکھتے ہیں۔ اور جن کا اکثر حصہ آج مٹروک الاستعمال  
قرار دیا گیا ہے۔ دوسری طرف وہی مواد پنجابی زبان میں مجنسہ یا کسی قدر تغیر کے  
ساتھ آج بھی موجود ہے۔ اس مطلب کیلئے میں نے دکنی اردو کو لیا ہے جس کے  
ادبیات کی قدامت اردو میں مسلم ہے۔

(۱) سب سے پیشتر ان زبانوں کی وحدت و جمعیت کے قواعد کے متعلق ہمیں  
کسی قدر اُردو جاننے کی ضرورت ہے۔ ان زبانوں کی جمع کا اثر تمام جملہ پر محیط ہے۔ وہ  
صرف جملہ کے فاعل بلکہ اُس کے متعلقات یعنی اسمائے صفات۔ اضافات۔ حالانہ  
نمائندہ افعال اور اُن کے توابعات تک پر آکر ہوتا ہے۔ اُس کی طاقت کے اندازہ  
کے لئے ہم ذیل کا جملہ ناظرین کے پیش کرتے ہیں۔

مرنے والی لڑکیوں کی مائیں روتی روتی کہتی تھیں۔

پنجابی میں یہی فقرہ آج یوں لکھا جائیگا۔

مرنے والی لڑکیاں کہیاں۔ دیاں۔ ماداں۔ روتیاں۔ روتیاں کہندیاں سن۔

اُردو سے قدیم میں اس طرح لکھا جاتا۔

مرنے والیاں۔ لڑکیاں۔ کیاں۔ مائیاں۔ روتیاں۔ روتیاں کہتیاں تھیاں۔

گو یا پورا جملہ جمع کا گلہ مستبہن گیا ہے میں بعض مثالیں اور یہاں درج کرتا ہوں :-

عبدالحکیم پنجابی ے

مکیتو سو قید تے زخمی ہزاراں ۛ تے قیدیاں زخمیاں لایاں قطاراں

دیگر ے

بی بی سدیاں غلاماں سی ہزاراں ۛ جو کھڑیاں ہر طرف لایاں قطاراں

احمد دکنی قطب شاہی ے

جو ہو ڈال کوئی سو کو تلا نہال ۛ سو کوئیاں کھیاں تک کھلیاں ات نکال

محمد امین دکنی ے

گیاں قھیاں آساں او پرے ڈالیاں ۛ انوں پھرتے فرشتے مشل چڑیاں

ایضاً ے

تری اور بوت جہانچاں ۛ جینیاں قھیاں ۛ نفیراں کی آوازوں گ جتیاں قھیاں

اس قاعدہ کی دکن اور پنجاب کے ساتھ خصوصیت نہ تھی۔ بلکہ دہلی کے فصحا بھی اسی

رنگ میں لکھتے تھے۔ میں یہاں سودا کا ایک اور شعر نقل کرتا ہوں :-

جب لبوں پر یار کے مسی کی دھڑیاں ۛ کھیاں

جون حل کی ساعتیں اس ۛں پر کڑیاں ۛ کھیاں

(۲) پنجابی میں آ۔ جا۔ کہا وغیرہ امر کے علاوہ ایک اور امر ہے جو معمولی امر کے

آخر میں ”میں“ یا ”دیں“ کے لانے سے بنتا ہے۔ جیسے۔ آویں۔ جادیں۔ لادیں۔

کھادیں۔ ڈالیں وغیرہ پنجابی شاعر عبدالحکیم کہتے ہیں ے

اے معرفت اپنی دسا میں ۛ شفیع سا ڈالیں ۛ اشد کر میں

دیگر ے

جدوں کھان شہر اندر سد ۛ دیں ۛ پھر یک رات ۛے تائیں نہ جادیں

جہاں تک معلوم ہے۔ امر کی شکل خاص پنجاب کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور  
دوسری زبانوں میں نہیں ملتی۔ لیکن بہت کم لوگ اس امر سے واقف ہیں کہ قدیم  
اردو میں بھی یہ شکل موجود تھی۔ چنانچہ محمد امین دکنی ۷  
امیں دل میں خدا کا عشق را کہیں مجازی عشق کوں سب کا ڈنا کہیں

دیگر ۷

مرے محبوب کو عزت سوں لائیں براقِ حنقی اوپر بٹائیں ۴ (ریسٹ نایام)  
محمد خوب اپنی شنوی خوب ترنگ تالیف ۹۸۶ھ میں لکھتے ہیں :-  
جوں مجنوں تھا پہلی شاں دوں مجنوں مت کریں گماں

دیگر ۷

یہ میلی کا پہلا چال خوں میں سمجھیں نہیں اتال  
شاہ میر انجی شمس العشاق متوفی ۹۸۶ھ :-

ایسا کیرا کرب نہ را کہیں جے توں ہو سی سورا  
مان را کہ مرشد ملاوے جس ہے گیاں سپورا (اردو شہدائے عشق و شہداء)  
۱۳) ”گا“ قسم کے مستقبل کے علاوہ جو پنجابی اور اردو میں عام ہے۔ پنجابی  
میں ایک اور مستقبل ہے جو ”سی“ کی تصریف سے بنتا ہے۔ اس کا تعلق زیادہ تر لہندا  
یا ملتان سے ہے۔ اس مستقبل کا صیغہ واحد غائب دکنی میں بھی استعمال ہوتا رہا  
ہے۔ چنانچہ احمد دکنی قطب شاہی ۷

کہیں سچ سچ نہ گلسی نہ منجہ کہیں مں کل پو دل کل سی منجہ (ایلی مجنوں)

دلی دکنی ۷

کہا ہے نہ ہر کا تا شیر اس میں

نہ چل سی کچھ مرا تدبیر اس میں (روضۃ الشہداء ص ۴۹)



بقول مولوی عبدالحق صاحب کتاب سہرسر میلانا وہی نے سن ۱۹۴۰ء کے لگ بھگ طیار  
کی ہے۔ اس میں فقرہ ذیل ملتا ہے :-

جس میں عشق کا کچھ درد اس کتاب کو سینے پر تے ہلاسی نا۔ اس کتاب بغیر اپنا  
وقت ہلاسی نا۔

مولوی عبدالحق صاحب نے رسالہ اُردو وحدہ بے ششم میں میر انجمی شمس العشاق کی  
تصنیفات پر ایک مضمون لکھا ہے۔ اس میں شعر ذیل ملتا ہے :-

تو جس کو بھاؤے جوڑ نا جاسی یہ گن چھوڑ (صفحہ ۱۸۷)

”سی“ کی جس قدر مثالیں ملتی ہیں سب صیغہ واحد غائب میں ہیں۔ مینقبل  
ہندوستان کی کئی زبانوں میں ملتا ہے۔ مثلاً گجراتی۔ مارواڑی۔ جیسو پوری۔ نیماڑی  
اور ملتان کی جس کی تصریف حسب ذیل ہے :-  
گجراتی :-

ہوں مارس۔ تو مارے۔ تے مارے۔ ہم ماری سوں۔ تے مارسو۔ تہو مارے ۔  
مارواڑی جسیلمیری :-

ہوں مارس۔ تو مارس۔ او مارے۔ مے مارسان۔ نھے مارسو۔ او مارے ۔

جے پوری :-

ہوں مارشوں۔ تو مارشی۔ او مارشی۔ مھے مارشان۔ نھے مارشو۔ او مارشی ۔

(بعض علاقوں میں سین حملہ کے ساتھ بولا جاتا ہے)

نیماڑی :-

ہوں مارس۔ تو مارس۔ دو مارے۔ ہم مارسان۔ تم مارسو۔ دو مارے ۔

ملتان :-

میں مریاں۔ تو مریس۔ او مریسی۔ اسال مریسوں۔ تو سال مریسو۔ او مریس (مریسیں)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سی قسم کا استقبال دکنی زبان میں کہاں سے لیا گیا ہے۔ ہماری نظریں قدرتا گجراتی زبان پر پڑتی ہیں جو ہمسایہ زبان ہے۔ لیکن گجراتی میں یہ صیغہ بایاے جمہول ہے۔ (یا "شے" بایاے جمہول جیسا کہ سورت میں بولتے ہیں) اور دکنی میں بایاے معروف ہے۔ اس لئے گجراتی سے مانو نہیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راجپوتانہ سے آیا ہو کیونکہ مولوی عبدالحق صاحب نے اس کی جو اور شکلیں دی ہیں یہ ہیں:-

ہیں نا کہیں۔ نا دیکھ سوں، کر سوں، کہہ سوں (ص ۵۳۲)۔ رانڈ اُردو حصہ سبت دہتم)

اور جواہر اسرار اللہ شاہ علی بیو گام دہنی میں یہ شکلیں ہیں :-  
واحد غائب :-

کر سیو کر یگا دکھو لے گھوٹ ٹگل لائے تھندرا کر سیو پتا سیناں (کر یو باتاں  
باتیں کر یگا۔ جاسی = جا ئیگا۔ ملاسی = ملا ئیگا :-  
واحد حاضر :-

دیکھ سی توں = تو دیکھ یگا۔ تو کر سی = تو کر یگا :-  
واحد متکلم :-

جان مذبیوں۔ جانے نہ دوںگا۔ دہر سوں = دہر دنگا۔ ملے سوں = ملو دنگا۔ ملوں سو  
ملو دنگا۔ کروں سیہ = کر دنگا۔ میں سو = میں ہوں۔  
احمد دکنی :-

تجھے نت من برت سوں شادی شراب برہ کی خماری سے میں سو خراب  
(۴) "کھڑا" اُردو میں عام طور پر آتا ہے۔ اس سے کھڑا ہونا اور کھڑا ہونا وغیرہ  
مصادر بنائے گئے ہیں۔ اور محاورے بھی بنائے ہیں۔ اہل لغات اس کا مافخرہ کر

کا "کھڑ داو" بتاتے ہیں۔ اس توجیہ کے بجائے میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کو پنجابی مصدر "کھڑنا" کی ماضی یا اسم مفعول مان لیا جائے۔ "کھڑنا" کے معنی پنجابی میں چلنا اور ٹھہرنا ہیں۔ پچھلے معنی کے اشعار ملاحظہ ہوں +

عبدالحمید

کیا یک نسا ڈی گال کھڑے کیا کوئی نہیں میں نال کھڑے

دیگر

لی بی سداں غلاماں سی ہزاراں جو کھڑیاں ہر طرف لایاں نظاراں  
دکنی میں اکبری عہد کے شعرا میں یہ مصدر موجود ہے۔ احمد دکنی  
کہاں تیں سوں تجھ نسبت کھڑے جو ہستی ہماری شرم ہمیں پرے

دیگر

اگر اپنی مد سے پرکٹ پڑے پچھانے جداں کام آر کھڑے  
افسوس ہے کہ ایسا مفید اور کارآمد مصدر ہماری زبان سے متروک ہو گیا +

(۵) "تھا" اس غریب کولفات نگاروں نے مصدر "ہونا" کا بے سر خواندہ بنا دیا ہے۔

ان کا بیان ہے کہ "ہونا" کی ماضی ہے جب یہ کہا جائے کہ ہونا کی ماضی "ہوا" ہے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ ناں وہ بھی ہے۔ اور یہ بھی سنسکرت اور پراکرت کی ٹٹی کی آڑ میں خدا جانے ہم سے کیا کیا قبولوایا جا رہا ہے لیکن ایک موٹی سی بات یہ ہے کہ کیا یہ ضروری ہے کہ ہر لفظ سنسکرت کے ماخذ سے نکالا جائے۔ اب میں بجائے اس کے کہ "تھا" کو "ہونا" کے گلے باندھوں اور پھر ہونا کو سنسکرت کے "ہو" سے استخراج کروں۔ یہ زیادہ موزون سمجھتا ہوں کہ اس کو ملتان کی زبان کے مصدر "تھیونا" (یعنی ہونا) کی ماضی مان لوں۔ تھیونا کی ماضی تھیانا آتی ہے۔ اردو والوں نے اسے یلے اشعار سمجھ کر اڑا دیا۔ اور تھا بنا لیا۔ تھیانا قدیم ہے کہ ہندی کا سب سے قدیم جملہ جو ہمیں تاریخ میں ملتا ہے۔ اس میں موجود ہے +

جملہ یہ ہے :-

”برکت شیخ قلیا اک سراک نہا“ ذی بیخ فیروز شاہی من شمس سراج عقیف (۳۲) +

اس جملہ میں ایک خوبی یہ ہے کہ اسے سندھی بھی کہا جاسکتا ہے۔ پنجابی بھی اور اردو بھی۔ سندھ پر محمد تغلق ۷۵۷ھ ابھی حملہ کر ہی رہا تھا کہ فوت ہو گیا۔ فیروز شاہ نے اپنی تخت نشینی کے بعد پھر سندھ پر حملہ کیا۔ لیکن فوج میں فحط اور جانوروں میں وبا پھیل گئی جس بنا پر وہ سندھ کا محاصرہ چھوڑ کر براہِ ریگستان گجرات روانہ ہو گیا۔ اس وقت ہمارا مورخ لکھتا ہے کہ سندھیوں نے یہ جملہ کہا۔ اس جملہ کا مطلب ہے کہ شیخ کی برکت سے ہمارا ایک دشمن مر گیا اور ایک بھاگ گیا +

پنجابی سے دو ایک مثالیں ملاحظہ ہوں :-

مولوی عبداللہ

اول صفت ثناء ربینوں رب فقیر بعد رسول

پڑھو مملوئیں حضرت بھجو داثم قنیو قبول (نص فرائن ص ۵)

دیگر

حضرت سایہ زمیں نہ پوندا محکمات مجھ کیا

مرت سایہ لے کو پیر دھرے سایہ منع قلیا (نص فرائن ص ۵)

(۶) پنجابی میں بعض مصداق کی ماضی خلاف قاعدہ آیا کرتی ہے مثلاً کہنے۔ لینے دینے اور پونے کی ماضی کہتا۔ دیتا۔ لیتا اور پنتیا بھی آتی ہے۔ جو واحد جمع اور تانیث کی صورت میں ملتی ہے۔ برج بھاشہ، راجستانی اور ادھی میں بالکل غیر مستعمل ہے لیکن قدیم اردو میں کثرت کے ساتھ ملتی ہے پنجابی کی مثالیں دینا فضول ہے اس لئے کہ آج بھی اس ماضی کا رواج عام ہے۔ لیکن میں اردو کی مثالیں دیتا ہوں :-

احمد دکنی

آگیا نہ دے گی ان سینتیں جواب دیتا ہو رکتا ادب سوں خطاب  
دیگر:۔

فرشتے جو آدم کوں سجدہ کہتے سویہ مان آدم پہن تھے لیتے (ریلی جنوں)  
محمد امین:۔

نبی جاتے انہوں نے عرض کہتی بڑائی رہے تم کوں آج دیتی  
دیگر:۔

جو کچھ تم نے یا سو ہم نے لیتا جو کچھ تم نے کیا سو ہم نے لیتا (یوسف ایٹا)  
برج بھاشہ و دیگر زبانوں میں اس کے مقابلہ میں کہنا۔ دینا اور کہینو۔ دینو وغیرہ ملتے  
مثلاً سورہ اس:۔

وہی ہوں کہ آہیں میں شیام کہلو کہینو  
سورہ اس پر پھر ہم سنا سن مت شکہ ری و دہینو

اور محمد جیسی:۔

سوہنے کے راجہ جیس دیناں میں دین کا رن تپ کہیناں  
لطف یہ ہے کہ یہ شکل بھی اردو میں رائج ہے۔ اگرچہ کہنی میں نہیں مٹی۔ محمد افضل جھنجھاڑی  
بست مدت ہوئی آؤں کہینا نہ کا گت ہی کسی کوں لکھ ندینا (کے کہانی)  
(۷) پنجابی میں قاعدہ ہے کہ غیر زبان کے الفاظ کے آخر میں اکثر ایک یا بے زائدہ اضافہ  
کر دیا کرتے ہیں جس کے بظاہر کوئی معنی نہیں ہوتے۔ جیسے نظر سے نظری اور حیات سے  
حیاتی۔ چنانچہ عبدالحکیم:۔

میں تیرے دامن اندر دست پٹیا تیرے جیہا کوئی نفی نہ آیا

دیگر:۔

ابھی کہا ات خوش گونج حیات پیادہ زندگی عالم مساقی

دکنی میں بھی یہ دستور موجود ہے۔ محمد قلی قطب شاہ ۸۰۰ھ سے  
 کمورات کن سات کہتی ہیں باتاں کہ چتا ہے تم میں تھے نگ خماری  
 احمد دکنی قطب شاہی شاعر دربار محمد قلی قطب شاہ ۸۰۰ھ  
 تجھ نت من مت سول شادی شراب برہ کی خماری تھے میں سو خواب (ریل ابرو)

محمد امین ۸۰۰ھ  
 غنی دیکر خوشی کوں مار کاٹے زمانہ یوں بیٹ عالم کوں پاٹے  
 ایضاً ۸۰۰ھ ہماری موت اور ان کی حیات آگ ہوتی تو مجھ کوں لے خوش آتی  
 ایضاً ۸۰۰ھ غدری کا پیالہ بن چیا ہے لے اپنے سراپہ دکھ دیا ہے  
 ایضاً ۸۰۰ھ اگر یہ موت محمد دیتا آئی لے یوسف کے تئیں دیتا پناہی

ولی دکنی ۸۰۰ھ  
 یہ خاک کہ ہلا کی ہے نشانی توں مرخ ہو گیا جس میں غانی (روئے الشہادتین)  
 یہ قاعدہ اُردو میں بہت دیر تک رہا ہے حتیٰ کہ خواجہ آتش کے ہاں بھی ملتا ہے چنانچہ  
 ہمارے گستاخ کی ہے آمد آمد خوشی پھرتے ہیں باغیاں کیسے کیسے  
 اور اب بالکل متروک ہے مجھے معلوم نہیں کہ اہل اُردو اس مئی کی کیا توجیہ بیان کرتے  
 ہیں \*

(۸) مانگا مانگا اور مانگے مانگے ایک محاورہ ہے اور اردو میں بالعموم مستعمل ہے  
 اس کے لئے اہل لغات کہتے ہیں کہ :-

”مانگا مانگا“ = صفت :- اول یعنی مانگا ہوا۔ دوم تابع فعل۔ قرض لیا ہوا۔ اُدھار  
 لیا ہوا۔ مستعار لیا ہوا۔ عاریتاً لیا ہوا“ (فرہنگ آصفیہ)  
 اور مانگے مانگے کے لئے کہلے :-

”مانگے مانگے“ = تابع فعل۔ مانگے مانگے۔ مانگ کر مستعار لے لیا۔ اُدھار

لے لو کر۔ جیسے مانگے تاکئے کام چلے تو بیاہ کرے بنا۔ یعنی کام جب ہی چلتا ہے

جب اپنی گرہ سے صرت کیا جائے" (فرہنگ آصفیہ)

ہمارے لغت نگار تاکا اور تاکئے کو تابع فعل کہتے ہیں۔ اور مجھے نہیں معلوم اُن کے پاس اس کے کیا وجوہ ہیں۔ میں نے کئی دوستوں سے جنگ پایہ اردو میں بند ہے درخت کیا۔ بعض نے کہا کہ تاککا فعل ہے۔ اور بعض نے کہا کہ عبارت میں موسیقیت پیدا کرنے کے لئے ایک ہوزن مصنوعی لفظ گھڑ لیا گیا ہے۔ قصہ مختصر اردو میں ایسے بسیوں الفاظ ہیں جن کو ہمارے اہل لغات نے بے معنی سمجھ کر تابع فعل کی ذیل میں داخل کر دیا ہے +  
جب ہم پنجابی زبان پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ بامعنی ہے۔ اور مصدر تاکنا سے مشتق ہے۔ اور مانگنا کا مرادف ہے عبدالحکیم

نہیں لیکن کسے دی تاکا و سنو  
دیگر سنا عشق تیری بانگ و سنو  
اور قس کی مثال میں پیش ہے۔

زینجبے زلف دی تار تاکئے کسے یوسف چری لے کال تاکئے دیوسف لکھا  
(۹) اسی طرح چپ چپاتے اور چپ چپاتا ہے جس میں چپتے کو اہل اردو تابع فعل مانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ چپانا محض حسن کلام کیلئے بڑا دیا گیا ہے۔ اور ہمیشہ ہے لیکن جب پنجابی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بامعنی لفظ ہے کیونکہ اس زبان میں برخلاف اردو کے وہ علیحدہ بھی استعمال ہوتا ہے۔ چپانچ عبدالحکیم  
جدن یعقوب اس گل نور بھاپا عذر سن کنوں ہو یا چپاتا  
چپا تا چپ کا مترادف ہے +

(۱۰) دن دہائے ایک اور محاورہ ہے۔ اہل اردو دہائے کو بھی تابع فعل مانتے ہیں اور جب معمول غلط ہیں۔ دہاڑا حقیقت پنجابی لفظ ہے۔ اور دن کے معنی دیتا ہے۔ اور

اُردو کے برخلاف تنہا مستعمل ہوتا ہے۔ عبدالحکیم سے

آیا چوتھے دہائے قافلہ گھیر، شہر بدین کنول اس کھوہ دے پھر

(۱۱) اسی طرح ہلنا۔ چلنا اور چل خیل وغیرہ ہیں۔ اس میں اُردو خواں چلنے کو چلنے کا تابع مانتے ہیں جس کے کوئی معنی نہیں بنتا۔ حالانکہ پنجابی میں چلنا چلنے کے معنی میں آتا ہے اور آج بھی مستعمل ہے۔ قدما نے اُردو اس لفظ سے وائف تھے۔ امیر خسرو فرماتے ہیں

من کر بر منی نہادم گل یار بر سر نہاد و گفنا چل

یہ محاورے ہمیں ان ایام کی یاد دلاتے ہیں جب کہ مسلمان لاہور سے کوچ کر کے دہلی جا کر آباد ہو گئے ہیں۔ اور اپنی زبان میں دہلی کی زبان کا پیوند لگا رہے ہیں۔ کیونکہ یہ محاورے ہندی الفاظ اور ان کے مرادف پنجابی الفاظ سے مل کر بنتے ہیں اسی قسم کے اور محاورے بھی ہیں۔ جیسے بزن بھانڈا یا باس بھانڈا۔ گورا چٹا۔ بھلا چنگا۔ موٹا جھوٹا۔

سند مسئلہ ۱۰

(۱۲) بے مخلوط قدیم زبانوں میں اُردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں ملتی ہے چنانچہ

اُردو میں مترک ہے اور پنجابی میں اب بھی بدستور موجود ہے۔ اردو میں اب وہ صرف

چار الفاظ میں ملتی ہے۔ جیسے کیا اور کیوں وغیرہ۔ بے مخلوط افعال والفاظ میں اکثر

آتی تھی۔ اور حرف ماضی کے ساتھ مخلوط ہو کر ماضی میں آتی تھی مثلاً لگیا۔ منگیا۔ ہویا۔

پڑیا۔ رہیا۔ چلیا۔ چڑیا (چڑھا) کیا۔ لیا۔ چلیا۔ بڑیاں کا (بڑوں کا) جانا۔ چھوٹا۔

لکھیا۔ مانیا۔ سنگیا۔ یاد سنگھارا۔ دیکھیا وغیرہ

اس قاعدہ کا دونوں زبانوں میں اس قدر زور ہے کہ غیر زبانوں کے الفاظ پر بھی

اس کا اجرا ہونے لگا۔ مثلاً دینا۔ دریا۔ اور خیال کی "سی" حرف سابق کے ساتھ ضم ہو کر

بدلی جاتی تھی۔ عبدالحکیم پنجابی سے

دسنے را تیں گد ایں اس طرح نال نہ ہوسے دوسوں یا۔ واد خیال



احمد دکنی ۛ

جو لیلی دیکھی مائی تھے یہ غضب ادنیٰ دک دریا آگ کی موج تب  
دیگر ۛ یہی ہے میرا حال اب سرد کال میرے حال کا خیال سٹوڈنٹ کال  
اور محمد امین دکنی ۛ

دیتے دیتے جب اس کا ال بھوٹا خلق سیتی تب اس کا خیال بھوٹا  
بلکہ خیال کا لفظ خود میر نے اسی تلفظ کے ساتھ استعمال کیا ہے ۛ  
عشق بے ہی خیال پڑا ہے چین گیا آرم گیا  
دل کا جانا ٹر گیا ہے مع گیا یا شام گیا

میر صاحب نے حسبِ روایت مولانا آزاد خیال کی "ی" کے متعین یہ غدر پیش کیا ہے :-

"آپ بوجہ اپنی کتابوں کے کہیں گے کہ خیال کی "ی" کو ظاہر کر دے پھر کہیں گے کہ

"ی" تغلیط میں گرتی ہے۔ گریاں اس کے سوا جواب نہیں کہ حارہ یہی ہے راہِ بیت

(۱۳۳) پنجابی زبان کی ایک عالمگیر خصوصیت یہ ہے کہ تمام ایسے الفاظ کہ جن میں ثانی حرف

علت ہو یہ تخفیف حرف علت تلفظ کیا جاتا ہے۔ مثلاً کان۔ ناک۔ ہاتھ اور لات پنجابی

لحم میں کن۔ بک۔ ہتھ اور لت بن جاتے ہیں۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ ایسے الفاظ میں برج

بھاشہ میں پہلے حرف کے بعد حرف علت اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً پگ پنجابی بھاشہ

میں جا کہ پاگ بن گئی اردو میں جو پنجابی اور بھاشہ کے بین ہیں ہے۔ اس قاعدہ کا اثر

بہت نمایاں ہے۔ اردو دونوں زبانوں کی تغذیہ ہے کبھی برج کی تقلید کرتی ہے اور کبھی

پنجابی کی۔ اور کبھی دونوں کی مثلاً اردو میں بگنا بھی بولتے ہیں۔ اور جاگنا بھی۔ لیکن

اکثر موقعوں پر دیکھا جاتا ہے کہ اردو کا میلان زیادہ تر پنجابی قاعدہ کی طرف ہے

بھاشہ	پنجابی	اردو	بھاشہ	پنجابی	اردو
بیاکل	بیکل	بیکل	کھیال	کھیاں	کھیال
			کھیڈ	کھیل	کھیل

اردو	پنجابی	بھاشہ	اردو	پنجابی	بھاشہ
ہنسی	ہاسا	ہاسا۔ ہانسی	چچا	چچہ۔ چاچا	چاچا
چاکھنا	چاکھنا	چاکھنا	کپوت	کپوتر	کاپوت
کھٹی	کھٹی	اکھی	رہے	رہو	راہے
سانپ	سپ	سانپ۔ سرپ	بندر	باندر	باندر
دہنورہ	تختورا	دہاتورہ	بجنا	بجنا	باجنا
کچا	کچا	کاچا	پٹی	پٹی	پاٹی
متروک ہے	نہر	ناہر	بھنگ	بھنگ	بھانگ
پتھر	پتھر	پاتھر	مچھر	مچھر	ماچھر
کندھا	کندھا	کاندھا	پکا	پکا	پاکا
آگ	آگ	آگ	چھوڑو	چھڑو	چھاڑو
جھوٹ	چھوٹھ	جھوٹ	کھٹا	کھٹا	کھانا
تکڑی	تکڑی	تاکڑی	بیج	بیج	سایج۔ ساج
گڈی	گپ	پاگ	گندھی	گندھی	گاندھی
کینچلی	x	کاسخلی	گھنٹی	گھنٹی	گھانٹی
بلی	بلی	بلانی	بادل پل	بدل	بادل
آگے	آگے	آگے	ہڈی	ہڈی	ہڈی
مٹی	مٹی	ماٹی	پچھے	پچھے	پاچھے
کھٹ۔ کھاٹ	x	کھاٹ	لاڈنا۔ لڈنا	لڈنا	لاڈنا
بھانڈ	پھنڈ	بھانڈ	کھانڈ	کھنڈ	کھانڈ
مونگ	منگ	مونگ	مانگن	منگن	مانگن

اُردو	پنجابی	بھاشہ	اُردو	پنجابی	بھاشہ
پکنا	پکنا	پاکن	ٹوٹنا	ٹٹنا	ٹوٹنا
کڑی	کڑی	کڑی	جوانسہ	جوانسہ	جوانسہ
اچھا	اچھا	آچھا	سجی	سجی	ساجی
کنکر	کنکر	کانکر	کچھری	کچھری	کھبچھری
چادل	چول	چادل	انڈا	آنڈا	آنڈا
چلنی	x	چالنی	ماٹ	مٹ	ماٹ
کل	کل	کال	چکی	چکی	چاکی
ڈھکنی	ڈھکنی	ڈوانکنی	تتا	تتا	تانا
پتلی	پتلی	پوتلی	پسلی	پسلی	پانسلی
آم	انب	آنب-آم	چھاج	چھج	چھاج
ٹھکری	ٹھکری	ٹھیکری	جامون	جموں	جامون
ٹیککا	ٹیکا	ٹیککا	پھول	پھل	پھول
تال-تالاب	تل-تلا	تال	چولھا	چلھا	چولھا
جاٹ	جٹ	جاٹ	گاڑی	گڈی	گاڑی
کئی	کئی	موکی	مستا	مستا	ماسہ
مول	مُل	مول	ہاٹ	ہٹ	ہاٹ
جھاگ	جھگ	جھانگ	اوکھلی	اکھنی	اوکھلی
کنگھسی	کنگھسی	کانگھسی	ریچھ	رچھ	ریچھ
آنگن	*	آنگن	ادن	اُن	ادن
کام	کم	کام	بڑھا	بڑھا	بوڑھا

(۱۴) اے۔ ایہ اور ادہ اسماے اشارہ قریب بعید کے لئے پنجابی کے ساتھ  
مخصوص ہیں۔ اور آج بھی رات دن بولے جلتے ہیں۔ دکنی اردو میں دونوں موجود  
ہیں۔ اور وہی مقصد ادا کرتے ہیں پنجابی کی مثالیں دینے کی ضرورت نہیں۔ دکنی کی  
ذیل میں عرض ہیں۔  
محمد امین ے

کہیں روتی کہیں ہستی رتی او کہہں چپ اور کہہں باتاں کتی او  
دیگر ے

کہیں ہستے کے تعین نگیں کرے او کہہں نگیں کے دل شادی بھرے او  
دیگر ے نہیں پھرتے اسے کچھ لاگتی بار کہہوں اے یا رہے کہہوں اے اغیار  
دیگر ے کہے اک گال میرے دیکھ تازہ نہیں اے گال کچھ محتاج غاذہ  
(۱۵) حالت مجروری میں پنجابی میں کسی لفظ کے آخر "ون" بڑا دیتے ہیں مثلاً بچپوں

اٹھوں یعنی پیچھے سے اور اٹھ سے عبداللہ ے  
بچھوں اس قیں کڑی بیوش ہو کے سوتی نازہ توڑے روئے دھو کے  
دکنی میں بھی یہ قاعدہ موجود ہے۔ مثلاً محمد امین ے

بیٹی کا حال دیکھا آ کے نظروں ے کر گئی ٹوٹ اس دہشت کی فکر دں  
حالت ظرفیہ میں "ین" لفظ کے آخر میں پنجابی میں لگا دیا جاتا ہے مثلاً عبداللہ ے  
راہر فر دینغیر دا جابا یا دلیہ یوسف را بختیں سوایا

دکنی اردو میں بھی یہی دستور تھا۔ محمد امین ے

بہت آرام تھا سار جی خلق کوں غاری کوئی اس اتیں پلک کوں

(۱۶) بعض خلاف قیاس جمع دکنی میں ملتی ہے جو پنجابی کے بہت مطابق ہے مثلاً  
سات کی جمع ستیں۔ دو کی جمع دوہوں۔ اور برس کی جمع براں پنجاب میں یہ جمع براتی ہی ہے

ستے۔ دوہوں اور دریاں۔ احمد دکنی جو محمد قلی قطب شاہ کے دربار کے شاعر ہیں لکھتے ہیں  
 ۵ جو احمد کرے اس دہر دن سنگار سواب شد تھے پائے ستیں سنگار  
 دیگر ۵ دن شعر کے ہیں دوہوں جب امول دوہوں جب چھپاؤں نزن رول رول  
 اور محمد امین دکنی ۵

دو دون کی اگن کوں رب نے دہوئی کیوں لاکھوں وراں میں ڈبوئی  
 (۱۷) جب ہم مصدر کو منصرف کرنا چاہتے ہیں تو اردو میں قاعدہ ہے کہ مصدر کے  
 آخری حرف الف کو سی سے بدل دیتے ہیں مثلاً مکھنا سے مکھی جانسے جانے وغیرہ بنا لیتے  
 ہیں۔ یہ قاعدہ پنجابی میں بھی موجود ہے مثلاً عبد الحکیم ۵  
 ب۔ اس دے تریوں خوں کھلے توں گوے لب خندہ دل در چاھنے توں  
 لیکن پنجابی میں زیادہ رائج طریقہ یہ ہے کہ مصدر کے آخری الف کو اسی مطلب سے گرا دیا جائے  
 ہے مثلاً آگن لگیا۔ کھنے لگا۔ رون لگیا۔ رونے لگا۔ ارن لگیا۔ مارنے لگا وغیرہ۔  
 عبد الحکیم ۵

پچھے اُس دے گئے گوہر و ساون تصدق سر زینا خے کرادن  
 دیگر ۵ ہو یا کھنڈان دے وچہ کال ظاہر گلی مکن خلق دی جان باہر  
 اب قدیم اردو اس قاعدہ میں بالکل پنجاب کی ہمنوا ہے۔ محمد فضل جنبانوی متوفی ۱۰۳۵ھ  
 اگر غم ہتے میری اگن کا کر دیکھ نگر پیاسے کے من کا (دیکھ کمانی)

دلی دکنی ۵  
 کر دن کیا دنت نیں ہے اب من کا کچھ فرصت ہے اب باتاں کرن کا  
 دیگر ۵ لگا دل جون لوالا بسل میں کاپن لگا جوں زسوں تاری منہ کوڑا پین  
 محمد امین ۵

ہی اس بات سوں عاجز ہو دائل زینا کے اگن بولن نیسائی

(۱۸) اکثر ایسے معنادار ہیں جو پنجابی اور اردو میں مشترک ہیں۔ لیکن یہاں بعض ایسے مصادر کا ذکر کیا جائیگا۔ جو فی زمانہ اردو میں متروک ہیں اور پنجابی میں رائج ہیں ۔

(الف) اکھنڈ کہنا اور بیان کرنا اور دریافت کرنا پنجابی میں رائج ہے۔ لیکن ہرانی اردو میں یہ مثال۔ محمد امین دکنی ۷

حقیقت سب تیری میں تجھ کوں آکھی نہیں اس ہی بہتر چھانی میں راکھی  
(ب) سڑنا۔ پنجابی میں جلنے کے معنوں میں آتا ہے۔ ہرانی اردو میں رائج تھا۔

محمد افصٰل جنہما نوی متوفی ۱۰۳۵ھ ۷

اے آساں بخانوں عشق کرتاں تیں اس آگ موں ہرگز سڑناں (بکت کمانی)

(ج) لوٹنا۔ ضرورت ہونا۔ پنجابی میں بالعموم آتا ہے۔ ہرانی اردو میں موجود تھا۔

احمد دکنی ۷

کے ایک نیکی توئے دس ثواب جو لوٹے یادہ پے دے حساب (ریلی عینوں)

(د) انپڑنا۔ پہنچنا۔ دکنی کی مثال۔ احمد دکنی ۷

جوتنا صد کیرے ہفتہ نامہ چڑیا جو نول کے نیلے ترت انپڑیا

(ک) پچھانا۔ پہچانا۔ پنجابی میں آج بھی پے کے بعد چھلاتے ہیں۔ ہرانی دکنی

اس بارہ میں پنجابی کے دوش باروش ہے۔ محمد امین ۷

تائے سعد اور سب نحس جانوں سونج اور چاند کی گردش پچھانوں

دیگر ۷ پڑے جس کے سومرا و پر سوجانے مگر وہ حق تعالیٰ سب پچھانے +

شاہ میراں جی شمس العشاق شرح مرغوب القلوب میں فرماتے ہیں :-

”ہو ریختہ ہوا اساک انپڑوں۔ بات تو بہندی کرتا یوں ہے۔ جوں جھالاں کا پانی بھو

ہے۔ اے ہندی کی جھوٹ ہے۔ خدا کا پچھانت ایچ رسالہ اردو حقیقت سب ششم ۱۸۹

(و) سننا۔ پھینکنا۔ ڈالنا اور چھوڑنا۔ پنجابی میں آج بھی موجود ہے۔ اور بطور فعل

وہمادی فعل رائج ہے۔ لیکن احمد دکنی :-

سو جیو عشق کے بند میں جا پڑیا      پٹ گیاں شکر شکر پڑیا  
دیگر ۛ      مجھے دگر کہتے کہ مرٹ دے پرت      پرت چھوڑ دینی کسے ہے سکت  
محمد قلی قطب شاہ ۛ

پانکھی سٹے ہیں سب پران ورو بھڑے سمندراں  
چھوٹے ہیں سب اپنے گھران کیکھو زاری دے دے  
(ر) لبھانا تے تلاش کرنا۔ دریافت کرنا۔ عبدالحکیم پنجابی کہتے ہیں ۛ  
کہا ہک جو کوئی کہو لبھا دیں      اسی چاہ یوسف نوسا دیں  
دکنی میں انہی معنوں میں آتا ہے۔ محمد امین ۛ

یقین جو کوئی اللہ بن بھلاے      مراداں دے کبھی جگ میں نپاے  
(ح) لانا لگانا۔ آج بھی پنجابی میں ملتا ہے! اور دکنی سے یہ مثال۔ احمد دکنی ۛ  
ہودن کے ناموس کون لگاٹا      سس برس کا ننگ مائی ٹاٹا  
اور محمد افضل جینجاما نوئی ۛ

سکھی کسی سکھی پیہ نہیا      کوئل نے انب پر چھڑ شور لایا  
(ی) پانا = ڈالنا پنجابی میں آج بھی موجود ہے۔ اور پرانی اردو سے بہ مثالیں۔  
محمد امین ۛ

خدا نے یوں انہوں کے دل میں پایا      عزیز مصر نام اپنا بتایا  
دیگر ۛ تمہیں دل اس نکر کے بیج نہ پاؤ      اٹھو جیوں آے ہوتیوں بھر کے جاؤ  
(ک) لٹانا۔ پنجابی میں سانپ کے ڈسنے کے لئے آتا ہے۔ آج بھی کثرت سے  
بولاجاتا ہے۔ دکنی میں بھی انہی معنوں میں آتا ہے۔ احمد دکنی کہتے ہیں ۛ  
تے کیر کالی سنپوں لٹے      نہ آتے بہ جگ منتر پڑے      (یہ لے جمنوں)

(ل) نسائ پنجابی میں بھاگنے کے معنے دیتا ہے کسی قدر اختلاف کے ساتھ دکنی میں بھی ملتا ہے۔ احمد دکنی کہتے ہیں ے

جو لیدان آئے فقیران وراس چل سب فقیری جگت چھوڑھاس  
محمد امین دکنی ے

بلا کر لائے چاکر شاہ کے پاس کھانا پاپا کر جاتے ہیں ناس  
دلی دکنی ے

دونوں باتاں آپس کے کھو گیا اور ننگ ٹھاسن لگا ہے سگ پچاؤ  
میں اسی قدر پر اکتھا کرتا ہوں۔ یہ یاد ہے کہ ان مصادر میں سے بعض ممکن ہے کہ  
برج یا گجراتی واد دہی میں مل جائیں لیکن سب بحیثیت مجموعی نہیں ملتے۔ اس لیے ہم اس  
قیاس میں حق بجانب نہیں ہیں کہ اردو نے ان مصادر کو برج یا دیگر زبانوں سے لیا ہے  
بلکہ ہمیں یقینا ہوگا کہ یہ اس ذخیرہ زبان سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو مسلمان ابتدا میں پنجاب  
سے بلکہ دہلی آئے ہیں +

(۱۹) میں یہاں بعض ایسے الفاظ کا ذکر کر چکا جو پنجابی اور اردو میں مشترک ہیں  
اگرچہ اردو میں اب مستعمل نہیں +

(الف) دل پنجابی میں طرف کے معنے دیتا ہے۔ دکنی میں اس کی ترکیبے ڈولال  
بمعنی دو طرفہ آتا ہے۔ محمد قلی قطب شاہ جو اکبر کا معاصر ہے اپنے ایک قصیدہ میں لکھتا  
ہے ے

دسے فانوس کے دریا نے تھوں یوں جوت دیوے کا

سوتیوں دسٹا ڈولال میں تھے میو یاں کا برن سارا

(ب) نال۔ ساتھ پنجابی میں آج بھی موجود ہے۔ اردو میں بالعموم رائج تھا۔

محمد افضل منٹو فی ۱۳۵۵ھ ے

بسا بر تخت اوپر ناریاں ے پیاب کے نال بیٹھی ساریاں ے



محمد امین دکنی ۛ

ہنسے بولے خوشی ہو کے ہموں نال ہموں اس کو بھی راکھے خوش خوش حال  
دیگر ۛ اٹنے بھی سات خوشے نیل کچال اٹنے بھی سات سوکھے تھے انوں نال  
(ج) کان پنجابی میں بمعنی "واسطے" و "لئے" آتا ہے۔ اور دکنی میں بھی یہی معنی  
دیتا ہے۔ عبدالحکیم پنجابی ۛ  
سونراں نے ادسے تائیں بیا کھاہ میں ہاں حیران ادسے کان لے شاہ  
احمد دکنی قطب شاہی ۛ

سو کچھ مان مانس کول کیتا عطا جو سب کچھ اسی کان پیدا کیتا  
دیگر ۛ جت میں سدا برہ کا در کہوں مرے کان جھکاوارا کہوں کہوں  
(د) کچھ کو پنجابی میں چکا کہتے ہیں۔ دکنی میں بھی چکا آتا ہے۔ احمد دکنی قطب شاہی  
بڑے جو رکت ہو رچاؤ میں پڑے پکھی جو سٹے کاٹ سوڑ پڑے  
دیگر ۛ پہچاڑی جو کھا کر ابی بی بڑا یا رکت ہو رماٹی چکاؤ میں پڑا  
(کا) گیسو پنجابی میں گھی کو کہتے ہیں۔ پُرانی اُردو میں یہ لفظ بھی آتا تھا۔ میر جعفر زٹلی  
عہد عالمگیر و شاہ عالم کے مصنف ہیں۔ اُن کے ہاں یہ لفظ استعمال ہوا ہے چنا سچہ  
ترے ہمیشہ گیسو کو سمجھائے راکھے جو کو جیسا پیسا پیو کو یہ نوکری کا حظ ہے  
(ض) چوڑا بمعنی خاکہ و پنجابی لفظ ہے۔ میر جعفر کے ہاں یہ لفظ بھی ملتا ہے  
ۛ دے پر کیا جو ہڑے کو سلام نہ پونچھا علال اور نہ پونچھا حرام  
(ح) کھیر ملتان میں دودھ کے معنوں میں آتا ہے۔ قدیم اساتذہ دکن بھی اسی  
معنی میں لاتے ہیں۔ میراں جی شمس العشاق ۛ  
تھاں دیکھنیں لاگا بالک کھ نہ آسے کھیر + جس کے انگو بھرم نہ جا دے اس کیوں کننا پیر  
دیگر ۛ راج دہن کو دیو یں مان کرتیوں فقیر جرم نہ چلکے تاک جنبہ دیکھا بوجھیں کھیر

(۲۰) یہاں ایسے الفاظ مذکور ہیں جو پنجابی لہجہ میں اردو میں مستعمل رہے ہیں ۔  
 (الف) منگنا پنجابی لہجہ میں ہے ۔ اردو میں ہم مانگنا کہتے ہیں ۔ دکن میں یہی لہجہ  
 رائج ہے ۔ احمد دکنی ے

سرفراز کرنے منگیا توں منجے خدا دنداس کا جزا دے تجھے  
 اور محمد امین دکنی ے

زیلخانے شکر رب کا کیا تب جو میں تجھ کن مرنگا سو مجھ دیا سب  
 (ب) بندنا = باندھنا پنجابی لہجہ میں بندنا یا بننا ہے ۔ اہل دکن بھی بندنا بولتے  
 تھے ۔ مثلاً معراج العاشقین :-  
 ”کنبہ کو نیست بندنا میراج“

(پ) ہنسنا پنجابی میں تجفیف زون غنہ آتا ہے یعنی ہنسنا ۔ اہل دکن بھی ہنسنا  
 بولتے تھے ۔ محمد امین دکنی ے

سو تب یقو کے یوں دل میر آیا یوسف کو نیند بھتر کن ہسایا  
 دیگر ے یوسف جاگے تو تب پوچھا پد رنے سپن بھتر ہسایا تجلوں کن نے  
 (د) ٹٹٹا = ٹوٹنا ۔ پہلا پنجابی ہے اور دوسرا اردو ۔ اہل دکن نے دونوں طرح  
 سے لکھا ہے ۔ احمد دکنی ے

پرت جوڑ دے دے دل جو جوڑے نہ ٹوٹے جو آکاس شکر پڑے  
 (د) پٹی = پاٹی بمعنی ننھی دلوں ۔ دکنی پنجابی لہجہ میں پٹی لکھتے ہیں ۔ احمد دکنی  
 ے پرت حرف تیس تن سبہ کیٹی کہاں گودیں دھر سکے دہ پٹی  
 (د) ہتھ = ہاتھ اہل دکن پنجابی طرز میں بھی لکھتے ہیں ۔ محمد علی قطب شاہ ے  
 حضرت نبی کے گیسواں دونوں اماں کے چکلاں  
 جبریل بھلا ہے اپ ہتھ آرات ماری دے وا

(ج) بھکا۔ بھوکا۔ محمد قلی پنجابی لہجہ میں باندھتا ہے۔

دو نور دیدے بی بی کے آئندہ دیکھو کیوں دکھ دیکھے

لو میں پڑے پیاسے بچکے دیکھو نیواری لے دے

(پج) ڈبنا۔ ڈوبنا۔ دکنی پنجابی لہجہ سے بھی واقف ہیں۔ احمد دکنی

جو ڈبنا نکلتا دے جگ میں سورا سورا مشرق پھر اہو دیں نزدیک دور

(ح) بھین۔ ہن۔ دکنی بھین ہی لکھتے ہیں۔ محمد امین

چلتے تیر بھین کے گھر کو خوش حالی صہیں دو دکھ دوہل اس صاحبے مالی

(خ) حکیم یوسفی دسویں صدی ہجری کے مشہور مصنف ہیں۔ طب ان کا میدان ہے

جس میں کئی تصنیفات یادگار چھوڑیں۔

جناب سید مسعود حسن ضوی۔ اتم۔ آئے کچھ اور لکھنؤ یونیورسٹی اپنے مضمون اردو

کے منظوم لغت (خیابان لکھنؤ) بابت جنوری سنہ ۱۳۸۷ء میں حکیم یوسفی کے ایک قصبہ کا

ذکر کرتے ہیں جو ”قصبہ در لغات ہندی“ کے نام سے موسوم ہے۔ اس قصبہ میں کل

چوالیس آیات ہیں جن میں سے چند سید صاحب نے اپنے مضمون میں نقل کئے ہیں: ہاں

سے ہیں دو شعر یہاں نقل کرتا ہوں۔

جیہ کن آمد زبان و گوش داری ریش داں موج را میخوار بر دت و کتا نہ کور و ہرہ کر

ہست پیشانی حقہ سینہ چتی دست است بہت موہ روی و چل رواں شو میت نبشیں دگ نگہ

ان اشعار میں یہ الفاظ پنجابی لہجہ میں ہیں:-

کن۔ منہ۔ چتی۔ بہت۔ موہ۔ دک۔ کان۔ ماتھا۔ چھانی۔ منہ۔ دیکھ۔

(د) ہیر۔ اور۔ یا طیفہ آج بھی پنجابی میں مستعمل ہے۔ اردو سے خالق ہو گیا ہے

لیکن قدما نے اردو کے استعمال میں عام طور پر تھا۔ محمد قلی قطب شاہ

سمندر ہے یک ہوزندیاں ہیں سونہراں باناں سو کر دڑاں ہیں ملے ایک سنہ

رڈ) لوک = لوگ پنجابی میں کاف ہے اور اردو میں گاف۔ لیکن اردو قییم  
میں کاف ہی تھا۔ چنانچہ شاہ برٹان الدین غلام منٹو فی ستمبر ۱۹۳۷ء  
جے ہوویں لوک عوام بے مرشد بے نیام

احمد دکنی سے

جو بیلی کے لوک اسٹنی یہ خبر سنواری صدر رت سند گادھر  
(ذ) جو ک = جو تک۔ اہل دکن پنجابی لہجہ میں لکھتے رہے ہیں۔ محمد امین دکنی سے  
لگے بھوکوں سے مرنے دے سبھی لوک مرین پونیکے کجوں بھوکے مرین جوک  
(درا) پنجابی اور اردو میں بعض حروف آپس میں تبدیل ہو جایا کرتے ہیں مثلاً  
پنجابی کی ”داد“ اردو میں ”دے“ سے بدل جاتی ہے :-

پنجابی	اردو	پنجابی	اردو	پنجابی	اردو
دینا	بچنا	دھچنا	بچھنا	دیر	بیری
وال	بال	وٹا	بیٹہ	وڑنا	بڑنا
درتاوا	برتاوا	ویاج	بیاج	ویھٹ	بیھٹ
واگیاں	باگیاں جمع باگ	ویہڑ	بیھڑ	وچارا	بیچارہ (بیچارہ)
وچار	سچار	وچلی	سجلی	وگھ	بیگھ
وکاتا	بکاتا	وٹا	بٹا	وڑین	بڑین
وگاڑ	بگاڑ	واری	باری	وڈت	برف
وار	بار	ور	بر	والا	بالا
والی	بالی	وچ	بیچ، بیج	وچنا	بچنا
وکاڑ	بکاڑ	وٹا	بٹا	ویر	بیر
وساکھ	بیساکھ	وٹرنا	بٹرنا	وڑس	برس (زہر)

پنجابی اُردو پنجابی اُردو  
دات بات دلی بٹی

(رنا) پنجابی کی "ہے" اُردو میں "ہیں" سے بدل جاتی ہے :-

پنجابی	اُردو	پنجابی	اُردو	پنجابی	اُردو
کیا	کیا	چہا	جیسا	کہیں	کسی
ادہ	اوس	ایہ	اس	ورہ	برس
ترہیہ	ترس	درہیا	برسا	درہا ہے	برستا ہے
سوہرا	سُسر	پھایس	پھنسا	تہیہ	تہیس
ویہ	میس	چالیہ	چالیس	گماہ	گھاس
		سرہوں	سرسوں		

(ط) پنجابی کی "ہے" اُردو میں "الف" سے بدل جاتی ہے :-

پنجابی	اُردو	پنجابی	اُردو	پنجابی	اُردو
ہک	ایک	ہور	اور	ہسوار	اسوار

(ڈ) پنجابی کی "ڈال" اُردو میں "تے" سے بدل جاتی ہے :-

پنجابی	اُردو	پنجابی	اُردو
ڈالگا	ڈالگا	ماردا	مارتا

(س) بعض الفاظ میں حروف مقدم مؤخر ہو جاتے ہیں :-

پنجابی	اُردو	پنجابی	اُردو	پنجابی	اُردو
کوڑا	کڑدا	پھڑنا	پڑہنا	چکڑ	کچھڑ
پچھان	پچان	بھین	ہن	انچک	اچانک
		سہرند	سہرند		

## قدیم اردو پر پنجاب کا اثر

اردو پر قدیم زمانوں میں پنجابی لہجہ غالب تھا۔ اس کا ثبوت دینا موجودہ حالات میں بہت دشوار ہے۔ اس لئے کہ ان ابتدائی زمانوں کے جبکہ مسلمان لاہور سے ہجرت کر کے دہلی میں آباد ہوئے ہیں۔ نیز اس کے بعد کی تین صدیوں تک کے کوئی کتابی نمونہ ہم کو نہیں ملتے۔ نہ ہم کو یہ علم ہے کہ اس عہد کی برج اور پنجابی میں کیا فرق تھا۔ الغرض برج پنجابی اور اردو کے نمونوں کی عدم حاضری سے ہمارا کام بہت مشکل ہو گیا ہے۔ یقینی ہے کہ جب مسلمانوں کا بیشتر گروہ قطب الدین ایبک کے ساتھ شمال سے ہجرت کر کے دہلی آیا ہے تو اپنے ساتھ پنجاب سے کوئی نہ کوئی زبان ضرور لے کر گیا ہے۔ آیا یہ زبان موجودہ پنجابی کے مماثل تھی۔ یا اس کی کوئی شاخ تھی۔ جو اب معدوم ہے ہم اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ بہر حال یہ زبان برج اور اس کی ہمسایگی میں ایک عرصہ دراز تک رہنے سننے کے باعث بدلتی شروع ہوئی ہے +

برج اور موجودہ پنجابی کا اصولی فرق گزشتہ سطور میں دکھا چکا ہوں پنجابی کے اکثر الفاظ میں حرف علت کو جب کہ حرف ثانی واقع ہو کر ادیا جاتا ہے۔ اس اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب ہم فارسی کی تصنیفات اور تارخوں کی ورق گردانی کرتے ہیں جن میں اتفاقیہ ہندی لفظ آ جاتے ہیں۔ اور ان الفاظ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ خلیجیوں اور غزنویوں کے عہد میں پنجابی کا دہلی کی زبان پر خاصہ اثر تھا۔ مثلاً پہلا ہندی لفظ جس پر ہماری نظر پڑتی ہے ”لک“ یعنی لاکھ ہے چنانچہ فارسی خوان اب تک لک ہی بولتے ہیں قطب الدین ایبک کو لک داتا کہا جاتا تھا۔ اب لک پنجابی لہجہ میں ہے +

اُردو میں چار پائی کو ہم کھاٹ کہتے ہیں۔ پنجابی لہجہ میں اگر اس کو نکھٹا جائے تو کھٹ ہوگا۔ اب مولانا ابراہیم فاروقی صاحب شرفنامہ نویں صدی ہجری کے مصنف جو بنگالہ کے رہنے والے ہیں لکھتے ہیں :-

”کت۔ بالفتح تحت میاں بانٹہ ہند کھٹ نامند“

مولانا فخر الدین مبارک قواس غزنوی جو ہندوستان میں فارسی لغات نگاروں کے یاد آدم ہیں۔ اور عبد علاء الدین خلجی کے شاعر ہیں۔ اپنی فرہنگ میں اسی لغت کے لئے کہتے ہیں :-

”کت۔ تحت ہند واں باشند میاں بانٹہ“

تایخ میرالایا میں جو تلفظوں کے عہد کی تصنیف ہے یہ لفظ بار بار بھی ملتا ہے۔ اور ہم بار کھٹ کی شکل میں ملتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان ایام میں اہل دہلی کھاٹ کو کھٹ کہتے تھے یعنی پنجابی لہجہ میں بولتے تھے +

پاگ بمعنی پگڑی۔ ایک اُردھباشہ کا لفظ ہے۔ اس کی پنجابی شکل ”پگ“ ہے۔ اب امیر خسرو دہلوی باوجودیکہ دہلی میں پرورش پاتے ہیں۔ اور مسلمانوں کو دہلی میں آباد ہے اس وقت تک ایک صدی گزر گئی ہے۔ تاہم پگڑی کو پنجابی شکل میں ”پگ“ لکھتے ہیں۔ چنانچہ لے دہلی وے بتاں سادہ پگ بستہ دچیرہ کج نمادہ

صنیا الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی میں ص ۲۴ پر ملک فخر الدین کھنڈ اور ملک کن الدین انبہ کے نام نظر آتے ہیں۔ ان ناموں میں کھنڈ اور انبہ عرفی یا تمیزی نام ہیں۔ اس عہد میں کچھ اسی قسم کے عرف ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک امیر نرنار“ کے نام سے منسوب تھا دوسرا امیر توراباڈ“ کہلاتا تھا۔ اب بھاشہ میں کھنڈ کو کھاڈ۔ اور انبہ کو آنب یا آم کہتے ہیں۔ لیکن ان امرا کے ناموں کے ساتھ کھنڈ اور انبہ مذکور ہونے سے واضح ہوتا ہے کہ اس عہد کے مسلمان کھاڈ کو کھنڈ اور آم کو انب پنجابی لہجہ میں کہتے تھے۔ اس سے پتا

ہوتا ہے کہ ان ایام میں دہلی کے مسلمانوں میں پنجاب کے لہجہ غالب تھا۔ کھنڈا اور قند کا ماخذ ایک ہی معلوم ہوتا ہے ۔

ہم برج بھاشہ کے لہجہ کے مطابق اردو میں نقال کو بھانڈا کہتے ہیں۔ لیکن ہمارے اسلاف پنجاب کے لہجہ میں بھنڈا کہتے تھے۔ اور اس سے بھانڈا پن "کا مفہوم ادا کرنے کے لئے "بھنڈائی" بنا لیا ہے۔ چنانچہ ضیا و برنی کہتا ہے :-

"از سخن مسوگاہ و بھنڈائی بھنڈاں دیو العجی باز گراں دے شرمی نادہشتاں کہ از اطراف مالک بدرگاہ رسیدہ بودند در اطراف سرای پہلے سلطان بازی میکردند و ہنرے خود می نمودند و دوا سخن میدادند و نادہشتی و بھنڈائی را نہایت میرسایندند" (تاریخ فیروز شاہی ص ۱۶۳)

یہ الفاظ ثابت کرتے ہیں کہ ان ایام میں دہلی پر پنجابی لہجہ غالب تھا ۔ اسی صفت کے لئے ایک اور مقام پر یہ عبارت ہے :-

"در چندین مواضع برہمچوڑہ بنانیدہ بودند و چہر انداختہ و چاہ کا دیندہ و مٹہ و دسبہ پر آب آفتابہ لئے گلیں مرتب داشتہ و بویا فراد کردہ"

مٹہ پنجابی میں مٹ یا گول کو کہتے ہیں ۔

ضیا و برنی کے لئے یہ فقرہ بھی آتا ہے :-

"و آخر کہ احمدایاز رالرزہ در اندام افتاد و دلش در پاک شد و زہرہ تر قید نگرفت و از شدت خوف و غلبہ ہراس پک در گردن انداختہ و سر محلق را برہند کردہ و پیش درگاہ سلطان آمد" (تاریخ فیروز شاہی ص ۱۵۵)

ہم دیکھتے ہیں کہ برنی بھی امیر خسرو کی طرح پگڑی کو پگ ہی لکھ رہے ہیں۔ یہ یاد رہے کہ پگ بھاشہ میں پانوں کے معنی میں مستعمل ہے ۔

اسی تاریخ میں ایک اور فقرہ پر یہ فقرہ آتا ہے :-



”دودھ خان کھرنی وجوں دھڑلے ہندوی دھڑلے سنبل وپیل وکل نہال خواہند

کرد“ (صفحہ ۵)

برقی یہاں ”جوں“ پنجابی طرز میں لکھ رہا ہے۔ ہم آج کل بھاشہ کی تقلید میں جامن یا جامونا

کہتے ہیں \*

”یابنخ فیروز شاہی میں شمس راج عقیف فیروز شاہ غلجی کے شکار کے ذکر میں فقرہ  
ذیل لکھتا ہے۔

”دھچنیں اگر دوتلے دودھندے باہی بوئے شہنشاہ فرمویے کہ آں داہماے گراں

کہ بالائے میل بارکہوے بر دند آں داہما د آں تل دودھند اندازند“ (صفحہ ۳۲۵)

اس فقرہ میں تل اور دھند پنجابی ہیں۔ ”تل“ تال یعنی تالاب کی پنجابی شکل ہے۔ خالق بابا  
میں تال آتا ہے :-

رایت لوانیزہ بود سپرست ڈٹال لب آپ ندی حوض دگر سر راست تال

ڈھنڈ ٹر ملانی لفظ ہے جو بڑے اور گہرے تالاب یا جھیل کے معنی دیتا ہے۔ اب  
یہ لفظ ایسا ہے کہ آج پنجاب میں بھی عام طور پر لوگ اس سے واقف نہیں ہیں۔ اور جب ہم  
دیکھتے ہیں کہ دہلی میں ان ایام میں بولا جا رہا تھا۔ تو ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ پنجاب کا اثر  
دہلی پر کس قدر زبردست ہو گا \*

ہم آج کل دیوچہ کو چونک بانوں غصہ پڑتے ہیں۔ پنجابی تکلم کے مطابق جیسا کہ اس  
سے قبل عرض کر چکا ہوں یہ لفظ جوک ہے۔ اہل دکن بھی جوک کہتے تھے۔ دکن کے علاوہ  
باقی اُردو خوان دنیا بھی جوک ہی کہتی تھی۔ چنانچہ صاحب شرف نامہ ابراہیم فاروقی قرن  
نہم ہجری کے ہنگامی مصنف کہتے ہیں :-

”دیوچہ۔ ہندش جوک گویند“

آج ہم چونک بولتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ بعد میں بھاشہ کے اثرات میں ہم نے دیوچہ

اختیار کیا ہے \*

صاحب شرف نامہ کلاوہ کی تشریح میں کہتے ہیں :-

”کلاوہ وکلاوہ ہند“ اقل ”نامند“ \*

اب الیٰ پنجابی ہے۔ برج میں آنٹی ہے۔ اردو میں غالباً دونوں لہجے رائج ہیں یعنی وہ الیٰ بھی کہتے ہیں۔ اور انٹی بھی البتہ برج کے لہجہ میں اتنی اصلاح کر دی ہے کہ آنٹی کے مد کو ترک کر دیا ہے \*

گاڈی کو پنجابی گڈی کہتے ہیں۔ صاحب شرف نامہ کہتے ہیں :-

”گردوں، چرخ۔ ہند گڈی خوانند“

یہاں پھر صاحب شرف نامہ پنجابی لہجہ میں لکھ رہے ہیں۔ اسی طرح گڈیا کے واسطے مصنف موصوف کہتے ہیں :-

”لغت۔ لعبت دختر کایاں و آں صورت کہ از جامہ سازند۔ ہند گڈی گویند“

گڈی پنجابی میں گڈیا کو کہتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اس عہد میں عام مسلمان اس لفظ کو پنجابی لہجہ میں بول رہے تھے \*

چغندر کے ذکر میں بھی مصنف فرماتے ہیں :-

”تہذہ ایست شل ترب کہ آرا شلغم گویند۔ ہندش گانگلو نامند“

اہل پنجاب آج بھی شلغم کو ”گوانگلو“ کہتے ہیں۔ یہ یاد ہے کہ صاحب شرف نامہ بنگالہ کے رہنے والے ہیں۔ اور انہیں پنجاب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بنگالہ میں شلغم کو آج کل شلغم ہی کہتے ہیں جب اس عہد کے مسلمان عام طور پر گوانگلو کہہ رہے ہیں۔ تو کیا یہ پنجاب کا اثر اردو پر ظاہر نہیں کرتا۔ بعد کے اثرات میں ہم نے گوانگلو کہنا ترک کر دیا ہے۔ اور شلغم کہنے لگے \*

بنو ماش کے ذکر میں بھی مصنف حوالہ قلم کرتے ہیں :-

”ہنوماش باصم دھام غلہ کہ ہندش منگ نامند“

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :-

”عزور آشلمے است کہ مرین را دہند چنانچہ دریں دلایت مثلاً از برج و منگ شام

سازند و درخسان از شکر و نار دہند“

اس عمدتک گویا منگ کو پنجابی طرز میں مسلمان منگ کہتے رہے۔ لیکن صاحب یدالفضلہ جو دسویں صدی ہجری کے مصنف ہیں۔ اس کو صاف منگ لکھتے ہیں۔ اور جب سے اب تک ہم منگ ہی بولتے آئے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس لفظ کے متعلق دسویں صدی میں مقامی لہجہ اختیار کیا گیا ہے۔

ال پنجاب سببہ کو سکا کہتے ہیں۔ چنانچہ نصاب سروری :-

ارز نعلی سرب سکا سطر ٹھلا بار یک نحا

اور ہم آج اردو میں سببہ بولتے ہیں چنانچہ اسمائے فارسی :-

آنک سرب سببہ کو جانو رنگے کو ارزیز بکھانو

لیکن حکیم یوسفی جو دسویں صدی ہجری کے پہلے ربع کے مصنف ہیں۔ اپنی تصنیف رابیع الادویہ میں آنک کا ہندی مرادف سکا بتاتے ہیں۔ ان کے کچھ عرصہ بعد صاحب یدالفضلہ آنک کی تشریح کے وقت دونوں لفظ یعنی سکا و سببہ دیتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ ال اردو و ال پنجاب کی طرح ابتدا میں سکا کہتے رہے۔ بعد میں سببہ کہنے لگے۔ اور سببہ ہی آؤگا غالب رہا۔

اردو میں برج لہجہ سے پنجابی لہجہ کا سخت متقابلہ رہا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہی وقت میں ایک لفظ دونوں لہجوں میں بولا جا رہا ہے مثلاً بادل اور بدل۔ بازار اور بزار۔ پھال اور پھج۔ صاحب ثر نادر ۸۶۴ و ۸۶۵ھ آرخ کے بیان میں لکھتے ہیں کہ :- ”ہند متاخواند“

لیکن صاحب موبد الفضلاؒ اسی لفظ کے ذکر میں کہتے ہیں کہ ”ہند واسہ گویند“ اور ہم آج متا ہی بولتے ہیں۔ یہاں گویا پنجابی لہجہ غالب رہا۔ تاریخ فیروز شاہی میں جتوں بلوچہ پنجابی آیا ہے۔ لیکن صاحب موبد الفضلاؒ الوسیہ کے بیان میں اس کا ہندی مرادف جاسن ثبت ہے۔ چنانچہ آج بھی جاسن یا جاسون بولا جاتا ہے۔ یہاں دیکھا جاتا ہے کہ برج کا لہجہ غالب رہا۔ اسی طرح اشتر خا کے ذکر میں صاحب شرف نامہ کہتے ہیں ”وہند اور اجواسہ گویند“ لیکن مصنف موبد الفضلاؒ کا بیان ہے کہ ”ہندش جانواسہ گویند“ ہم آج جو انسہ یا جو اسہ کہتے ہیں اور پنجابی لہجہ کے مقلد ہیں۔

لفظ درائے کے متعلق صاحب ادات الفضلاؒ کا بیان ہے کہ وہ اہل ہند آزر گھنٹی گویند۔ لیکن صاحب شرف نامہؒ کا قول ہے کہ ”درائے جس ہندش گھانٹی خواند“ ہم آج گھنٹی کہتے ہیں۔ صاحب شرف نامہ کے ہاں اور ایسے الفاظ ملتے ہیں۔ جو برج لہجہ میں ہیں۔ مثلاً تسمہ کے بیان میں ”پاٹی“ شتار کے ذکر میں ساجی شتک کی تشریح میں پھکی اور تشی کے بیان میں ”سہاسی“ علی ہذا چا پائی آج ہم ان الفاظ کا تلفظ پنجابی لہجہ کے موافق۔ پٹی۔ سہی۔ پھکی۔ سہی۔ اور چپائی کہتے ہیں۔

حکیم یوسفی نے ریاض الادویہ میں منجملہ اور ہندی الفاظ کے جو ہندی اور پنجابی میں مشترک ملنے جاسکتے ہیں یہ الفاظ بھی دئے ہیں۔

”لانی۔ انب۔ تہاں۔ کوچ۔ آئدہ۔ آئی۔ آرنڈ۔ مکھی۔ کانیچلی۔ بلائی۔ ماڈ۔ ساجی“

ان میں پہلے چار تو خالص پنجابی ہیں۔ باقی تمام برج کے لہجہ میں ہیں۔ جن کو آج ہم انڈا۔ اٹی۔ آرنڈ۔ مکھی۔ کینیچلی۔ تلی۔ ہڑی۔ سہی بلوچہ پنجاب ادا کرتے ہیں۔

میں خالق باری سے اور مثالیں دیتا ہوں مثلاً:-

ٹائی۔ پاتھر۔ چانسی۔ چاک۔ کال۔ تانا۔ ڈاکنی۔ چاکھ۔ مکھی۔ مانچھر۔ کانگر۔ مانسی۔

پوتلی۔ پانسلی \*

جنہیں آج ہم پنجابی لہجہ میں مٹی۔ پتھر۔ چلنی۔ کل۔ نتا۔ ڈکھنی۔ چکھ۔ یکھتی۔ مچھر۔ کنکر۔  
ہنسی۔ پتلی۔ پسلی کہتے ہیں \*

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بالکل ممکن ہے کہ پرانی برج میں اور پنجابی میں کوئی  
فرق نہ ہو۔ اور برج میں حروف علت کا اظہار بعد کی نشوونما ہو۔ اس کے متعلق ہم  
اتنا جانتے ہیں کہ پنجابی میں قیاعدہ یعنی حروف علت کی تخفیف تقریباً مسلمانوں کی ہند  
میں آمد کے وقت بھی موجود تھا۔ عرب سیاحوں نے بعض ہندی الفاظ کا ذکر کیا ہے۔  
جن میں انہ اور زط بھی شامل ہیں۔ پنجاب میں انہ آج بھی بولا جاتا ہے۔ باقی رط زط  
یہ پنجابی لفظ جٹ کی معرب شکل ہے۔ اردو میں برج کی تقلید میں جاٹ بولتے  
ہیں۔ یہ ایک جنگجو قوم کا نام ہے۔ جو ان ایام میں سندھ و پنجاب میں کثرت سے آباد تھی  
ایرانی بتعلیب پنجاب جت کہتے ہیں۔ چنانچہ ابوالفرج رونی :-

گرد افغان دجست بر خبت حرم پڑہ زد موکب سوار ملک

ان مثالوں سے ظاہر ہے کہ قدیم زمانوں میں پنجاب کا اثر اردو پر بڑت نمایاں تھا۔  
لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ یہ اثر رفتہ رفتہ زائل ہوتا گیا \*

سطور آئندہ میں برج بھاشہ کی بعض خصوصیات درج کی جاتی ہیں تاکہ قارئین  
کرام اردو پنجابی اور برج زبانوں کے فرق کو معلوم کر سکیں۔ اور یہ رائے قائم کر سکیں کہ  
آیا اردو زبان پنجابی کے قریب ہے یا برج کے \*

## برج بھاشا

در اصل ضلع مظفر کی زبان ہے جہاں سے نکل کر اس نے بہت وسعت اختیار کر لی ہے۔ یعنی جنوب میں تمام ضلع اگرہ اکثر علاقہ تیریاہست بھر تپور۔ دھولپور اور قرولی مغربی علاقہ تیریاہست گوالیار اور مشرقی علاقہ ریاست جے پور میں پھیلی ہوئی ہے۔ شمالاً گڑکانہ کے مشرقی حصہ میں شمال مشرق میں دو آبہ۔ بنہ شہر۔ علیگڑھ۔ ایٹہ۔ مین پوری میں اور گنگا پار۔ بدایوں۔ بریلی اور ترائی پر گنہ مینی تال میں بولی جاتی ہے۔ اور مختلف مقامات پر مختلف نام رکھئے گئے ہیں مثلاً مشرقی علاقہ میں جہاں قنوجی زبان سے اس کا اتصال ہوتا ہے۔ انتر بیدی کہا جاتا ہے۔ گوالیار کے شمال مشرقی گوشہ میں جو دھولپور کے متوازی ہے۔ اور جہاں سیکر واڑ راجپوت آباد ہیں سیکر واڑی اور قرولی کے میدانی علاقہ اور بعض علاقہ گوالیار میں چمپل پار جادو بانی کہتے ہیں۔ اس لئے کہ اس علاقہ میں اس نام کی راجپوت قوم آباد ہے۔ بھر تپور کے جنوبی علاقہ۔ قرولی خاص اور مشرقی علاقہ جے پور میں جو ڈانگ کے نام سے موسوم ہے۔ ڈانگی کہتے ہیں۔ اور پھر اس کی مقامی تین تقسیمیں ہیں۔ یعنی ڈونگر واڑا۔ کالی مال۔ اور ڈانگ بانگ۔ علاقہ مینی تال میں اس کا نام بھکسا ہے۔ قدیم زمانہ سے برج بھاشہ نے شاعری کی گو د میں پردیش پائی ہے۔ اور ہندوستان کے بعض مشہور شاعر اسی زبان میں لکھتے رہے ہیں۔ دھھلنا تھ۔ سوڑاں ناہجہ داس۔ دیودت اور بہاری لال بھی مشہور ہیں۔ (گریرین) ۴۰

اہل مغرب نے اس زبان کی یہ حد بندی شاید درست کی ہو۔ لیکن مسلمانوں نے اس کو بہت وسعت دے دی تھی۔ وہ اس کو بھاکھا یا بھاشہ کے نام سے یاد کرتے رہے اور بھاکھا کی ذیل میں انہوں نے قنوجی۔ اودھی اور بنیدی کو بھی داخل کر لیا تھا۔ بلکہ اس کا

میدان اس سے بھی وسیع تر تھا۔ یعنی مشرقی اور مغربی ہندی اس کے دامن میں آجاتی تھی۔ مسلمانوں کا یہ نقطہ نظر عجیب رہا ہے۔ وہ ہندوستان کی ہر زبان کو ہندی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ عام اس سے کہ پنجابی ہو یا برہمچاری ہو یا پوربی۔ اردو ہو یا مارواڑی اور بنگالی۔ آج ہندوؤں نے بھی ہندی کے ذیل میں سرج۔ قنوجی۔ اودھی۔ بندیلی۔ مارواڑی وغیرہ زبانوں کو شامل کر لیا ہے۔ بھاشہ شاعری کی زبان تھی۔ اور اس میں ہر ہندو شاعر عام اس سے کہ وہ اودھی ہو یا گجراتی۔ مالوی یا بہاری شعر لکھتا تھا۔ اگرچہ اس کے اشعار میں اس کی وطنی زبان کی خصوصیات زیادہ غالب ہوتی تھیں۔ ہمیں سمجھ لینا چاہئے کہ مسلمانوں کے لئے جہاں فارسی شاعری اور ادب کی زبان تھی۔ اسی طرح بھاشہ موسیقی اور شعر کی زبان تھی۔ اہل اسلام کی شعر دوستی نے بھاکا کی شاعری کو بہت کچھ تقویت دی ہے۔ انہی کے زمانہ سے اس زبان میں شعر و ادب پیدا ہوتے ہیں۔ گویا اہل اسلام کے پاس تین زبانیں تھیں۔ اول فارسی جس میں وہ شعر و ادب تیار کرنا لکھتے رہے۔ دوسری اردو جس کو اپنے ساتھ پنجاب سے لے گئے۔ تیسری بھاکا یا بھاشہ جس میں موسیقی اور شعر لکھتے رہے۔ خلیجیوں اور غلاموں کے عہد میں فارسی پر زوال آنے لگا۔ آئندہ قرون میں عام توجہ بھاشہ کی طرف منعطف ہو گئی۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں عام ہندی گوشترا پیدا ہو گئے۔ بھاشہ میں کثرت سے شعرا ہوئے ہیں جن میں صوفی وغیرہ صوفی شامل ہیں۔ لیکن موجودہ نسلوں کی عدم اعتنا سے ان کے کلام کا اکثر حصہ ضائع ہو گیا۔ اور جو کچھ باقی ہے۔ وہ بھی عنقریب مدوم ہو جائیگا۔ برج بھاشہ کوئی قدیم نام نہیں ہے۔ نداما اس کو گوا بیاری کے نام سے یاد کرتے تھے۔

## برج کی بعض خصوصیات

برج میں مصدر ”بو“ یا ”دو“ یا ”نو“ آخر میں لگانے سے بنتا ہے مثلاً ہو بیو = ہونا  
 جو جمع = جو بھنا، چلتو = چلنا۔ اسما و افعال اور اسمائے صفات کے آخر میں ایک اور  
 مجہول اضافہ کر دیا جاتا ہے جس موقع پر اردو اور پنجابی میں الف لٹا ہے مثلاً اپنو =  
 اپنا، تھاریو = تمہارا، چلیو = چلا، یادو معروف بڑا دیا جاتا ہے۔ جیسے بست سے  
 بستو۔ غلام سے غلامو۔ شیطان سے شیطانو۔ مستقبل کے اردو اور پنجابی لاحقہ ”گا“ کے  
 بجائے ”گو“ آتا ہے مثلاً مارو نگو۔ مارو نگا۔ لیکن زیادہ رائج شکل ”مارہوں“ یا ”ماے  
 ہوں“ مارو نگا، ”ماے ہیں“ = دہم، مارینگے، ”مارہے“ یا ”ماے ہے“ = (تو یا وہ)، مارینگا  
 ”مارہو“ یا ”مارہو“ = (تم)، مارو گے۔ ”مارہیں“ یا ”ماے ہیں“ = (وہ)، مارینگے۔ ظاہر ہے  
 کہ جس طرح مصدر کی علامت ”نو“ اسی طرح مستقبل کی علامت ”گو“ اردو سے لی گئی  
 ہے۔ ہے کی گردان اردو۔ برج اور پنجابی میں یکساں ہے۔ صرف یہ فرق ہے کہ واحد  
 متکلم میں برج میں ہوں باوا و مجہول اردو میں یادو معروف ہوں۔ اور پنجابی میں  
 واو الف سے بدل کر لں بن گیا۔ اور جمع واحد میں ”ہن“ بن گیا +

تھا کی تصریف میں پنجابی اور اردو کسی قدر اختلاف کے ساتھ متفق ہیں لیکن  
 برج میں مختلف ہے یعنی واحد مذکر ”ہو“ واحد مؤنث ”ہی“ جمع مذکر ”ہے“ اور  
 جمع مؤنث ”ہیں“ +

ماضی ناتمام میں ”ہو“ بجائے ”تھا“ لاتے ہیں مثلاً میں مارتا تھا کے بجائے میں  
 ماے ہو وغیرہ کہتے ہیں۔ حال و استقبال میں بُنت کم فرق ہے۔ ہوں ماروں ہوں  
 ہیں مارتا ہوں۔ وغیرہ یا ہوں مارتا ہوں وغیرہ لاتے ہیں۔ جمع کے لئے بالعموم  
 اسم کے آخر میں ایک نون اضافہ کر دیا جاتا ہے مثلاً موتی۔ اور۔ دن۔ گھاٹ۔ کان



بات۔ چور گوال اور گاسے کی جمع موتن۔ اورن۔ دن۔ گھاٹن۔ کانن۔ باتن۔ چورن  
گوانن اور گاین ہے۔ منصرغ۔ کانن میں موتن کو چوکڑا گل بھولن کا ہر مد ظرف  
کے لئے ایک یا اسم کے آخر میں لاتے ہیں۔ جیسے گھر سے گھر یعنی گھر میں۔ "ن۔" "نی"  
اور "نوں" بغرض جارہ آخر میں لگا دیتے ہیں مثلاً بھوکن بھوکنی اور بھوکنوں یعنی بھوک  
سے علامات جارہ میں کا اور کے کی جگہ کو "آتا ہے مثلاً گل بھولن کو ہار۔ یعنی گلے  
میں پھولوں کے ہار۔ گھوڑن کو یعنی گھوڑوں کا۔ جمول کا کم رواج ہے۔ لاحقہ نے  
اکثر اوقات افعال لازمی کے ساتھ در خلاات اُردو اور پنجابی کے ہستعمل ہوتا ہے۔  
مثلاً لھوٹے بیٹانے چلیو۔ یعنی چھوٹا بیٹا چلا۔ نے کے استعمال میں مضافاً بگلی سے  
ظاہر ہے کہ وہ اُردو اثرات میں برج میں پہنچتا ہے۔ داد اکثر اوقات ہم سے بدل  
جاتی ہے۔ جیسے ماں = دماں۔ چرامنو = چاوتا یعنی چرانا۔ آمتو = آوتا یعنی آنا۔  
منامن = مناون یعنی منانا۔ جامیں = جاویں۔ رومتی = رووتی یعنی روتی۔ بامج  
بادن۔ مادہ = والدہ = اُردو کے اثرات میں اسم کی تصریف کا استعمال برج میں  
ہونے لگا ہے۔ لیکن بقاعدہ اور غلطاً مثلاً اُردو میں جہاں چھوٹے لڑکے کا کہینگے۔  
اہل برج اس کی جگہ "لوہڑے چھوڑا کو" کہینگے۔ اس میں مضافاً عدگی یہ ہے کہ اہل اُردو  
اسم کی تصریف کی خاطر اس کے اسمائے صفات و دیگر متعلقات کو پنجابی کی طرح  
منصرف کرتے ہیں۔ یہاں برج میں اسم "چھوڑا" کو منصرف نہیں کیا۔ اور اسم صفات  
لوہڑیکو منصرف کر دیا۔ ظاہر ہے کہ اہل اُردو اسی تہلے کو لوہڑے چھوڑے کا لکھینگے  
اس سے ہمیں قیاس لگا لینا چاہئے کہ تصریف کا قاعدہ اُردو سے گیا ہے۔ یہی حالت  
کنواں میں ہوں اور کالے گھوڑا کو زمین کی ہے۔ اُردو میں جمع الف و زنون کے  
اضافہ سے بنتی ہے۔ برج نے بھی اس قاعدہ کو اُردو سے لے لیا ہے۔ لیکن اس کا  
استعمال بہت کم ہوتا ہے۔ افعال کا پیچیدہ طریقہ جو اُردو اور پنجابی میں افعال

مرکبہ یا تو اباحت کے الحاق سے ہوتا ہے۔ برج اس سے بڑی حد تک آزاد ہے۔  
 اُردو کی "لام" برج میں "ے" سے بدل جاتی ہے۔ مثلاً جلنا = جڑنا۔ یہ بھی  
 یاد ہے کہ "ٹے" اُردو میں کثرت سے آتی ہے۔ اس کے برخلاف برج میں بہت کم  
 مستعمل ہے۔ اُردو کی "ٹے" یا تو "ٹاے" حلقہ سے بدل جاتی ہے مثلاً لڑی = لڑا  
 لڑائی = لڑائی۔ جوڑی = جوڑی۔ پھاڑنا = پھاڑنا۔ یا ڈال "ے" بدلتی ہے۔ جیسے بڑا =  
 بڑا۔ گاڑی = گاڑی۔ گوڑ = گوڑ۔ گاڑنا = گاڑنا۔

شہر دہلی میں اگرچہ اُردو بولی جاتی ہے۔ لیکن آس پاس کے دیہات میں پانی  
 زبان موجود ہے۔ جو حقیقت اُردو سے قدیم کی ایک شکل ہے۔ یہ نظریہ کہ اُردو  
 برج سے نکلی ہے۔ اس عقیدہ پر مبنی ہے۔ کہ قدیم زمانوں میں دہلی میں برج زبان  
 بولی جاتی تھی۔ حالانکہ آج دہلی برج کے علاقہ سے فاصلہ پر واقع ہے۔ مسلمان عہد  
 سے پیشتر ممکن ہے کہ دہلی میں برج کا رواج ہو۔ لیکن اُردو پر برج کے اثرات  
 کی توجیہ اور طرح سے کی جا سکتی ہے۔ سکندر لودھی کے عہد سے شاہجہان کے  
 زمانہ تک اگرہ لودھیوں۔ سوروں اور مغلوں کا پایہ تخت تھا۔ جو عین برج  
 کے علاقہ میں واقع ہے۔

# مسلمان اور ہندی زبانیں

امیر خسرو اپنی شہسوی نہ پہر میں ہندوستان کی مقصد ذیل زبانوں کا شمار کرتا

ہیں :-

(۱) سندھی - (۲) لاہوری (۳) کشمیری (۴) ڈوگری (۵) دہوی - سندھی (۶) تلنگی

(۷) گجراتی - (۸) معبری (۹) گوڑی - فسوب - بگوڑ - قدا گوڑ کو لکھنوی کہتے تھے۔

پٹھان گوڑی مغلوں نے جنت آباد نام دیا۔ (۱۰) بنگالی (۱۱) اودھی (۱۲) دہوی

(۱۳) سنسکرت - جو عربی کے سوا تمام زبانوں سے افضل ہے ۔

کسی قدر مزیم کے ساتھ یہ تقسیم آج بھی صحیح مانی جا سکتی ہے۔ ان زبانوں کو ہندوستان کی قدیم پراکرتوں کی یادگار مانا جاتا ہے۔ لیکن ان میں ادب شعر مفقود تھے۔ البتہ گیت اور سرود کا رواج تھا۔ جو عوام کی زبان زد تھے۔ اور یہ مسلمان پہلے جنہوں نے سب سے پیشتر ان زبانوں کی طرف توجہ دی ہے۔ اور شاعری کا ان میں رواج دیا ۔

مسلمانوں کی آمد سے پیشتر سنسکرت زبان ہندوؤں کی مذہبی - علمی - درباری

اور ادبی زبان تھی۔ برہمن راجاؤں کے درباروں میں حاوی تھے۔ اور مذہب و علوم

انہی کی حفاظت میں تھے۔ درباروں میں سنسکرت اور سنسکرت بولنے والوں کا گھر

تھا۔ عوام الناس میں تعلیم عام نہیں تھی۔ اور نہ اس دیوبانی زبان کی تحصیل کی

اجازت تھی۔ وہ صرف برہمنوں کی میراث تھی۔ رعایا میں تجارت پیشہ لوگ اپنے

لئے اسی قدر تعلیم ضروری سمجھتے تھے کہ یہی کھانا اور حساب جان سکیں۔ درباری

رعایا جاہل مطلق تھی۔ ویسی زبانیں جن کے بولنے والوں کی تعداد کروڑوں تھی۔

عام کس مہر کی حالت میں تھیں۔ نہ ان میں ادب تھا نہ شعر۔ برہمن جو ملک کا

طبقہ تھا۔ سنسکرت کے ہوتے ہوئے عام پر اگر توں کی طرف کیوں توجہ کرتا۔ ان زبانوں کی ترقی یا ان میں علوم و فنون کا رواج اس فرقہ کے مقاصد کے عین مخالف تھا۔ راجا ادر پرچا پر اس کا اقتدار اس قدر عظیم تھا کہ دنیا کا کوئی مذہب اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ برہمن کے بغیر دین و دنیا کا ہر کام بند تھا۔ اس کی صدارت کے بغیر عبادت اور پرستش و شواہتھی موت زریست۔ شادی غی میں اس کی شرکت لازمی تھی۔ ان کا معالج وہ تھا۔ نجومی وہ تھا۔ وزیر وہ تھا۔ مشیر وہ تھا۔ مدبر وہ تھا اور مقنن وہ تھا۔ قصہ مختصر یہ کہ وہ زمین میں نجات انسانی کا مختار کار وہی تھا۔ ادھر راجا قبضہ میں تھے۔ اور ادھر دیوتاؤں پر تصرف تھا۔ برہمنوں نے نہ صرف جماعتی آزادی کو معطل کر دیا تھا۔ نہ صرف عوام الناس پر تعلیم کا دروازہ بند کر دیا تھا۔ بلکہ ضمیر انسانی کی حریت کو بھی اپنے طاقتور قوانین سے ہمیشہ کے لئے مغلوج کر دیا تھا۔ صدیاں اس ابدی سکوت اور سکون میں گزر گئیں۔ آخر بودہ جی ہمارا ج آئے اور انہوں نے اپنے مت کی تلقین عوام الناس کی زبان میں شروع کی۔ اس طرح پالی زبان نے کچھ ہی عرصہ میں بے حد ترقی کر لی۔ ادر بودہ مت والوں کی مذہبی زبان بن گئی۔ کئی صدی بعد برہمنوں نے اپنا کھویا ہوا اقتدار پھر حاصل کر لیا۔ ادر بودہ مت کا ہندوستان سے قراج کر دیا۔ اور ایک مرتبہ اور تمام ہندوستان میں بھٹو کا دورہ ہو گیا۔

سنسکرت اور برہمنوں کے اقتدار کے زمانہ میں ظاہر ہے کہ کوئی ایسی زبان رقی نہیں کر سکتی تھی۔ اور نہ اُس کے لئے کوئی ایسا موقع تھا۔ لیکن مسلمانوں کی آمد عظیم الشان تغیرات کا پیش خیمہ ہے جس کے دنبال میں اقتصادِ معاشی تبدیلی درسانی انقلاب و نما ہوئے مسلمان فاتحانہ حیثیت سے آئے۔ اور بڑت جلد اس سرزمین کو اپنا وطن تصور کرنے لگے۔ انہوں نے مالک خارجی کی تجارت کو دراز کر کے ملک پر کھول دیا۔ پیشیوں نئی صنعتیں مثلاً کاغذ سازی لپشمینہ سازی تیسری

فعلندی۔ باغبانی۔ فنِ حلوائی۔ قالین سازی۔ پارچہ بانی۔ طبِ یونانی۔ فنِ تعمیر کاری۔  
 آئینہ سازی۔ بیٹاری۔ دارو سازی۔ کشتی گیری۔ شمال بانی وغیرہ کی ترویج دی۔  
 زندگی کے ہر شعبہ اور فن کو نمایاں ترقی دی۔ فنونِ لطیفہ کی سرپرستی کی۔ مختلف کہانوں  
 اور اچھاروں کا رواج دیا۔ قسم قسم کے عطریات کی ایجاد کی۔ شعر و سنی اور ادب پرستی  
 مسلمانوں کی قومی خصوصیت ہے۔ چنانچہ جب وہ ہندوستان میں آباد ہو گئے۔ اور ملکی  
 زبان سمجھنے اور بولنے لگے۔ ان کی یہ قومی خصوصیت بروی کار آئی۔ اور وہ اس ملک  
 کی زبانوں میں دلچسپی لینے لگے۔ ہندوستان کے شمال و مغرب کی زبانیں جن میں  
 پشتو۔ کشمیری۔ سندھی اور پنجابی شامل ہیں۔ اکثر مسلمان شعرا کی مرہونِ محنت ہیں  
 برج اودھی۔ گجراتی اور بنگالی زبانوں میں ہندوؤں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں نے  
 بھی ایک معقول حصہ لیا ہے۔

میراج بیان کہ ہندی زبانوں کے ادبیات مسلمانوں کے ہندوستان میں قیام کا نتیجہ  
 ہیں۔ ایسے حلقوں میں جہاں برج کی شاعری اور پرہی راج راسا کی قدامت میں یقین  
 کیا جاتا ہے۔ ناقابل قبول ہو گا۔ کیونکہ ایک عرصہ سے برج اور راسا کا نام ہماری دلتا  
 میں گونج رہا ہے۔ لیکن اگر واقعات کو اچھی طرح پر تالا جائے۔ اور اس امر کو بھی بد نظر  
 رکھا جائے کہ ہندو قوم تاریخ میں ہمیشہ کمزور رہی ہے۔ اور آج بھی اس کی تحقیقات  
 قدیم ادبیات ہندی کے متعلق ابھی اور پریشان ہونے کے علاوہ زیادہ زلفی و انتفا  
 پر مبنی ہے۔ تو میرے مطالعہ سمجھنا آسان ہو جائیگا۔

یہاں میں اپنے دعوے کی تائید میں جناب دیش چندر سین بلی۔ آسے کی تاریخ  
 ادبیات بنگال سے ایک اقتباس جو زیادہ تر خلاصہ کی شکل میں ہے۔ ناظرین کے  
 پیش کرتا ہوں:-

”بنگالی زبان کے ادبی پایہ تک ارتقا حاصل کرنے کے متعدد اسباب ہیں۔ ان

میں مسکے پیش پیش بلا شائبہ ہشتبہا مسلمانوں کی فتح بنگال ہے۔ اگر ہندو  
 راجا بدستور سابق مختار اور حکمران ہوتے۔ تو بنگالی زبان کے لئے دریا دگر سائی  
 حاصل کرنا ایک دشوار امر تھا۔ ان پٹھانوں نے تیرہویں صدی میں بنگال کو تسخیر  
 کر لیا۔ ان کے سلاطین نے بنگالی زبان سیکھی۔ اور اپنی کثیر التعداد ہندو رعایا  
 کے ساتھ جن پر حکمرانی کرنے کے لئے وہ آپسے تھے۔ قریبی تعلقات قائم کر لئے۔  
 جب ان سلاطین نے سنسکرت کے مشہور زمیوں رامائن اور مہابھارت کا ذکر  
 سنا۔ جو ہندوؤں کی مذہبی اور منزلی زندگی کی تشکیل میں عجیب و غریب اثر رکھتے  
 تھے۔ تو قدرتا ان کو شوق ہوا کہ ان نظموں کے موضوع سے آگاہی حاصل کریں۔  
 انہوں نے چند عالموں کو بنگالی زبان میں ان کے ترجمہ کر نیکا حکم دیا۔ جن بان  
 کو وہ آب بولتے اور جانتے تھے۔ مہابھارت کا بنگالی ترجمہ ناصر شاہ والی گوڈ  
 کے حکم سے ہوا۔ جس نے ۱۳۲۵ء تک پورے چالیس سال سلطنت کی تھی“  
 (۱۱۱۱) ۶

جب بنگالی زبان کے ادبیات کا سنگ بنیاد مسلمانوں کے ہاتھ سے رکھا جاتا  
 ہے جس کا ہم کو اب تک کوئی علم نہیں تھا۔ تو یقین کر لینا چاہئے کہ دوسرے علاقوں  
 میں جو اہل اسلام کے زیر نگین تھا۔ انہوں نے ویسی زبانوں کی تزویر میں ضرور حصہ  
 لیا ہے۔ اس کا ثبوت پیش کرنا کوئی دشوار نہیں ہے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ بھاشہ  
 کے میدان میں مسلمانوں کے نام ہندو شعرا سے اقدم ہیں۔ ہندی کا پہلا بڑا شاعر  
 کبیر ہے۔ جو نویں صدی ہجری سے تعلق رکھتا ہے۔ ہندو شعرا زیادہ تر دسویں صدی  
 ہجری میں پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے نلسی داس۔ اور سور داس۔ کبیر سے پیشتر بھی مسلمان  
 شعرا موجود تھے ۶

مسلمانوں میں ہندی شعرا کے مترانج خواجہ مسعود مسلمان المنوفی ۱۵۱۵ھ

ہیں۔ اُن کا ہندی کلام اگرچہ دستبردِ زمانہ سے محفوظ نہیں رہا۔ لیکن بارہ ماہِ سرسے پیشتر انہی نے لکھا ہے چنانچہ فارسی میں ان کا مشہور یہ یادِ واژہ ماہِ آب تک محفوظ ہے چونکہ پنجاب سے مسلمانوں کے تعلقات دہلی کے مقابلہ میں زیادہ قدیم ہیں۔ اس لئے مسلمانوں نے اسی ملک کی زبان میں سرسے پہلے شعر گوئی کی بنا رکھی۔ مثلاً موصوفیہ نے سب سے پیشتر دہلی و پنجاب میں ہندی کی سرپرستی کی ہے۔ ان کا تعلق عوامِ اناس سے براہِ راست تھا۔ اس لئے دیسی زبانوں کی تربیت انہی سے شروع ہوتی ہے۔ ان اہل اللہ میں ہم بعض مشہور بزرگوں کے نام دیکھتے ہیں۔ مثلاً شیخ فرید الدین مسعود متوفی ۶۶۷ھ شیخ نظام الدین اولیا متوفی ۷۵۰ھ امیر خسرو متوفی ۷۴۲ھ شیخ شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی متوفی ۷۴۲ھ انہوں نے شیخ نظام الدین اولیا سے ہندی دوہروں میں مشاعرات کئے ہیں۔ اور مبارز خان کے ارادہ سفر کے وقت ذیل کا ہندی دوہا مع اس کے ترجمہ فارسی کے خان کے پاس بھیجا تھا :-

سجن سکائے جانیگے اورین مرغیگے رئے بدہنا اسی رین کر ہو رکد ہی ناہوے  
شعر فارسی :-

من شیندم یار من فردا در راہِ شباب یا الہی تا قیامت بر نیاید آفتاب  
اسی جماعت نے ہندی موسیقی کی تہذیب ترقی میں بھی بڑا حصہ لیا ہے۔ جہاں فارسی موسیقی قول و زرانہ وغیرہ کے وہ دلدادہ تھے۔ ہندی موسیقی سے بھی اُن کی خافتا ہیں خالی نہیں تھیں۔ وہ سنسکرت تک کے نعمات سننے کے عادی تھے شیخ بہاء الدینؒ نے ذکرِ یاملتانی متوفی ۷۶۶ھ اس فن میں مہارت کامل رکھتے تھے ملتان میں وہنا سری انہی کی ایجاد ہے۔ امیر خسرو نے فارسی اور ہندی موسیقی کو پیوند دیا۔ سلطان حسین شاہ جو بنوری ۸۰۵ھ نے سترہ راگ ایجاد کئے۔ نایک

بخشونے بہادری راگ۔ نایکی کلیان اور نایکی کا تھرا وضع کئے۔ درباری کا تھرا میا  
تانسین کی یادگار ہے شیخ عطاء اللہ الملقب شیخ رتن فن موسیقی میں ممتاز پایہ  
رکھتے تھے۔ شیخ بہار الدین برنادی متوفی ۱۳۰۷ھ اس فن میں کامل و اکمل تھے۔  
ساز خیال اور ساز کھڑس کے موجد ہیں۔ ابراہیم عادل شاہ متوفی ۱۳۵۷ھ فن  
موسیقی میں نایکی کا درجہ رکھتا تھا۔ باز بہادر والی مالوہ اس فن میں مینظیر مانا گیا تھا  
موسیقی میں مسلمانوں نے اس قدر ترقی کی تھی کہ اس فن پر جس قدر نفیس کتابیں بھی  
لکھی ہیں۔ اکثر مسلمان مصنفین نے لکھی ہیں۔ بنگالی میں اس فن کی تمام تصنیفات  
مسلمان دماغوں کا نتیجہ ہیں \*

سلاطین امرا و عمال نے ہندی کی سرپرستی میں کچھ کم حصہ نہیں لیا ہے تاہرالدین  
والی لکھنؤ متوفی ۱۳۷۷ھ بنگالی میں ہما بھارت کا ترجمہ کرنا ہے۔ اسی صدی میں  
فیروز شاہ غلجی ۱۳۹۷ھ سنسکرت سے بعض کتابیں ترجمہ کرنا ہے سلطان الجلائین  
والی کشمیر متوفی ۱۳۸۷ھ کئی زبانوں میں ماہر تھا۔ وہ تبتی زبان بھی بے تکلف بولتا  
تھا۔ ایک طرف جہاں اُس نے ہما بھارت اور راج ترنگنی کا ترجمہ کر لیا۔ دوسری طرف  
فارسی اور عربی کتابوں کا بھی کشمیری زبان میں ترجمہ کر دیا۔ و دیابتی شاعر غیاث الدین  
والی بنگالہ کا مداح ہے۔ ہندی زبانوں کی سرپرستی میں علاء الدین حسین شاہ والی  
بنگال متوفی ۹۳۵ھ کا نام آئے اسے لکھے جانے کے قابل ہے۔ اس کا دربار ہند  
اور بنگالی شعرا سے آباد تھا۔ قطبن نے اپنی تصنیف مرگاتوئی جس کا ذکر آئندہ آئیگا  
۹۹۷ھ میں اسی بادشاہ کے نام پر معنون کی ہے۔ اور بالادہر واسوساکن کلنگرام  
اسی بادشاہ کے حکم سے بھاگوٹ کا بنگالی زبان میں ترجمہ کرنا ہے۔ ابھی اس کے  
دو باب ہی ترجمہ کئے تھے کہ بادشاہ نے شاعر کو ۱۳۸۷ھ میں گنراج خاں کا خطاب  
دے دیا۔ اسی حسین شاہ کے سپہ سالار پراگل خاں کے حکم سے جو ناظم چٹگانگ بھی تھا



گوند پر پیسور نے مہا بھارت کا دوسرا ترجمہ بنگالی زبان میں شروع کیا۔ ترجمہ ختم ہونے  
 نہیں پایا تھا کہ اُس کا انتقال ہو گیا۔ اُس کے فرزند چھوٹے خاں نے جو باپ کا قائم  
 مقام ہوتا ہے۔ سری کرنا نندی کو اسی کام پر مقرر کیا۔ اور ترجمہ ختم ہو گیا \*  
 قاضی محمود گجراتی متوفی ۹۲۰ھ ہندی کے زبردست شاعر تھے۔ اُن کے  
 اشعار مجالس حال و قال کو ایک عرصہ دراز تک گاتے رہے۔ ملک محمد جاشی نے  
 شیر شاہ سور کے نام پر پداوت لکھی۔ اور دوسری متعدد تصنیفات اپنی یادگار چھوڑیں  
 شیخ دانیال حشتی نویں صدی ہجری میں پیدا ہوئے ہیں۔ اور ایک سو گیارہ سال  
 عمر پا کر ۹۹۲ھ میں رحلت کرتے ہیں۔ ہندی کے اعلیٰ شاعر تھے۔ شیخ عثمان غازی  
 پوری نے چتر اولیٰ کا عشقیہ افسانہ لکھا۔ قطبن۔ ملک محمد جاشی اور شیخ عثمان  
 غازی پوری نے عام مذاق کی تصنیفیں لکھ کر ہندی شاعر کو عالمگیر مقبولیت کی  
 شاہراہ پر گامزن کر دیا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ بعد کے آنے والے ہندو شعرا  
 نے اس کو مذہبی رنگ میں رنگ دیا۔ تلسی داس اور سور داس نے زبان کو مذہبی  
 تنگن میں محصور کر کے مناقب سری راجندر و سری کرشن کے لئے وقف کر دیا پچھلے  
 شاعر جو آئے اور جن میں اکثر ہندو تھے۔ تلسی داس اور سور داس ہی کے نقش قدم  
 پر جا رہے ہیں۔ اور نتیجہ یہ نکلا کہ ہندی شاعری مذہب کی جکڑ بندیوں سے  
 کبھی آزاد نہ ہو سکی اور سرگزشت کرشن و راجندر کے بیان پر اس کی تمام جدوجہد  
 ختم ہو گئی \*  
 اکبر کے دربار میں متعدد ہندو شاعر موجود تھے۔ جن کی تنخواہیں اور جاگیریں

بھی تھیں۔ اس کا فرزند شہزادہ دانیال ہندی کا قابل شاعر تھا۔ عبدالرحیم خاں  
 خانسارناں فن شعر میں بلند پایہ رکھتا تھا۔ اس کا دربار فارسی اور ہندی شعر کا بیج  
 تھا۔ فرہری اور بانا گوی اکبر کے دربار سے تعلق رکھتے تھے۔ بانا گوی کو جس کا نام

متنور یا پھاٹک تھا۔ بادشاہ نے راڈ کا خطاب اور جاگیر عطا کی تھی۔ ”کلی چرترا“ اس نے عبدالرحیم خاں تانخاناں کے اشارہ سے لکھی تھی۔ ”تان سین“ نے اپنی کتاب سنگیت سار اسی عہد میں تالیف کی۔

کیشو مسٹر اور پوکھرو دونوں جہانگیر کے دربار کے شعر کے زمرہ میں داخل تھے اسی عہد میں طاہر نے کتاب کوک سار سنہ میں تصنیف کی۔ سندرداس گوالیاروی اور سرومنی شاہجہان کے عہد کے شعرا ہیں۔ سرومنی نے شاہجہان کے ارشاد سے ”اروشی“ نام کی منظوم لغت طیار کی۔ سندرداس کو شاہجہان نے ”ہما کوئی راجہ“ کا خطاب دیا تھا۔ ویدک میں ایک کتاب ”پران سکھ“ نامی سنہ میں وجود میں آئی۔ جگتا تھ کلا دنت کو شاہجہان نے خطاب ”کبر اے“ عنایت کیا۔ بادشاہ کے نام پر بارہ دہرید اس نے مختلف نفوس میں تیار کئے جو بادشاہ کو بہت پسند آئے شاہی حکم سے وہ روپیوں میں تو لا گیا۔ اس کا وزن چار ہزار پانچ سو روپیہ ہوا اور یہی روپیہ اس کو انعام میں مل گیا۔

شیخ پیر محمد سلون متوفی سنہ ہندی ۱۰۴۵ فارسی میں عہدہ اشعار لکھتے تھے۔ شیخ جنید موہانی چشتی متوفی سنہ ۱۰۴۵ عربی فارسی و ہندی کے اعلیٰ شاعر تھے۔ داراشکوہ کے ہاں متعدد ہندی خواں ملازم تھے۔ جن کا کام ہندی زبان میں ترجمہ کرنا تھا۔ ”سار سنگرہ“ جو دوہوں کی بیاض ہے۔ اسی کے حکم سے مدون ہوئی۔

سترہویں صدی عیسوی کی ابتدا میں دولت قاضی نے ٹوچندرانی ٹنگالی نظم لکھنی شروع کی۔ قاضی کی بے وقت وفات کی وجہ سے نظم ختم نہ ہو سکی علاوہ ایک اور سمان شاعر نے سنہ ۱۰۵۰ء میں اس کی تکمیل کی۔ عبدالحکیم نے قصیدہ یوسف زلیخا کو اسی زبان میں نظم کیا۔ دولت زبیر رام نے لیلیٰ مخنوں کی تثنوی لکھی محمد اکبر نے ”تین جلال“ ایک ایک عشقیہ افسانہ پر نظم اٹھایا۔ کبیر محمد نے ”زنگ مالا“ شمشیر علی نے ”یوجوان سا

(ضوانشاہ) اور شمس الدین صدیقی نے ”بھاؤ لاجپت“ تصنیف کیں۔ بنگالی زبان میں  
بشمار مصنفین گزرے ہیں۔ جنہوں نے مسلمانی بنگالی نیز ہندو بنگالی میں اپنی یادگار  
چھوڑی ہیں۔

عالمگیر کا دربار اگرچہ شاعروں سے خالی نظر آتا ہے۔ لیکن اس کا لاڈلا فرزند  
محمد اعظم شاہ ہندی زبان سے بے حد الفت رکھتا تھا۔ نواز ایک مسلمان شاعر نے  
اعظم شاہ کی خواہش سے ۱۶۸۰ء میں ٹنکنڈا ناٹک لکھی۔ اسی شہزادہ کے فرمان سے  
مختلف کویوں نے ل کر بھاری شاعر مشہور کی ”ست سٹی“ کی تدوین کی۔ یہ سہ اشاعت  
اعظم شاہ کے نام سے مشہور ہے۔

دیو اشاعر شاہ عالم اول ۱۲۴۷ھ کے دربار سے متعلق تھا۔ ایک اور شاعر عالم  
نامی اس بادشاہ کا لازم خاص تھا۔ ہندوؤں کی روایت ہے کہ عالم دراصل برہمن تھا  
کسی مسلمان عورت کے عشق میں مبتلا ہو کر مسلمان ہو گیا۔ عالم نے ایک تصنیف ”عالم  
کیلی“ جس میں رادھا اور کرشنا کے واقعات درج ہیں۔ اپنی یادگار چھوڑی۔ قاسم  
پسر و احمد نے کیشو داس کی ”رکب پریا“ پر ایک نفیس شرح لکھی۔

سری پت بھٹ ایک گجراتی ایودھیا برہمن تھا۔ اس نے سید ہمت خاں نواب  
الہ آباد کے نام پر ”ہمت پرکاش“ ہندی ویدک میں بعد عالمگیر ۱۶۷۷ء میں نظم کی۔  
ایک اور شاعر بلبیر نے ہمت خاں مذکور کی فرمائش پر فن عروض میں کتاب ”پنگل من  
ہرن“ ۱۷۴۱ء بکرمی میں تصنیف کی۔ سید محمد سعید الخاٹب بہ سید میراں بھیک چشتی  
صابری عہد عالمگیر کے بزرگ ہیں۔ ان کا انتقال ۱۲۳۱ھ میں ہوتا ہے۔ ہندی زبان  
کے قابل شاعر تھے۔ قوال اُن کے اشعار ابھی تک گانے ہیں۔ انہی کے مرید محبوب عالم  
عرف شیخ جیون ہیں۔ ہریانہ کی زبان میں اُن کی تصنیف درونامہ محمد ہے۔ محترم بھی  
انہی کی یادگار ہے۔

بعقوب خاں نے بنیادی زبان میں کتاب ”رس بھوشن“ لکھی۔ ”نکھہ مسکھ“ میرزا عبد الرحمن نے عہد فرخ سبیر میں تالیف کی۔ سید بہاؤ خلف سید حمزہ ”رس زنگار“ ایک طبی تالیف کے مصنف ہیں۔ شیخ سلیمان ایک معراج نامہ موسوم ”بیچالوق نامہ“ کے ناظم ہیں۔ شیخ خوش محمد قادری نوشاہی متوفی ۱۲۷۰ھ فارسی و ہندی کے مقبول شاعر تھے۔

خود محمد شاہ بادشاہ دہلی متوفی ۱۱۶۱ھ ہندی زبان کا شاعر تھا۔ اس کی تصنیف سے ایک بارہ ماہ اب تک موجود ہے۔ اعظم خاں نے اس کے حکم سے ”سنگار و پرین“ ۱۷۸۷ء بمبئی میں تالیف کی۔ آئندہ گن شاعر مشہور محمد شاہ کا لازم تھا۔ امیر خاں محمد شاہی دیوبی کو ی کامرانی تھا۔ صورت مستراسی عہد میں نصر اللہ خاں محمد شاہی کا لازم تھا۔ عالم فیض اور اکرم غلام نبی اور انور خاں بھی ہندی شعر کے زمرہ میں منسلک ہیں۔ لیکن ہم ان کے زمانوں سے ناواقف ہیں۔ فیض غالباً محمد اعظم فیض ہیں۔ جو فارسی و ہندی کے زبردست شاعر تھے۔ اور سنسکرت کے فاضل۔ انہوں نے لیلادتی کا سنسکرت سے دوبارہ ترجمہ کیا ہے۔ ڈیلز دانہ کے بہنے والے ہیں۔ اور قاضیوں کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا زمانہ عہد محمد شاہی ہے۔ ان کا فارسی دیوان اور کچھ نثریں طبع ہو چکی ہیں۔

آخر میں ”رس خاں“ کا نام بھی داخل کیا جاتا ہے جس کو ہنود مذہب ہندو بیان کرتے ہیں۔ کبھی اس کو ایک ساہوکار بچہ کا عاشق کہتے ہیں۔ کبھی کسی مہندو عورت کا شیدا بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح بعض اس کو سید کہتے ہیں اور بعض پٹھان۔ شاہی خاندان کا اس کو محبہ بتایا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ رس خاں ایک روز بھاگوت پڑھ رہا تھا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ جس شخص پر ہزاروں گویا عاشق تھیں۔ اُس سے عشق کرنا چاہئے۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس کی معشوقہ نے طعنہ

دیا کہ جیسا تم مجھے چاہتے ہو اگر اس کو چاہتے جس کی ہزاروں گویاں عاشق تھیں تو تم  
 کہنے پاگل ہو جاتے۔ "قصہ مختصر رس خاں نے پربھو کا مقام دریافت کیا۔ اُس سے کہا گیا کہ وہ  
 برج میں رہتا ہے۔ اس پردہ برج چلا گیا۔ وہاں کرشن نے اپنے دیدار سے دیئے۔  
 اس طرح رس خاں کرشن کا نام لبوا ہو گیا۔ اس کا زمانہ حیات اس کی نظم پریم پاٹکا  
 سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۶۷۱ بھوجی تھا۔ رس خاں کے زمرہ میں علی خاں۔ شیخ نبی۔  
 میر احمد۔ تاج خاں اور پیر زادی بی بی کے نام بھی شامل کئے جاسکتے ہیں۔ ان کے  
 واقعات حیات ہندی بھگت مالاؤں میں مل سکتے ہیں۔ ہنود نے ان کو اپنی عبادت  
 میں تسلیم کر لیا ہے۔

## پرہتھی راج راسا

”نیتھا چندرکا“ میں ہندی شعرا کے ذکر میں لکھا ہے۔  
 ”کہا جاتا ہے کہ گیارہویں ششک کے انت تک اسپہر نش کا پرچار تھا۔ اس کے  
 اوپر انت وہ ہندی کے رنگ میں ڈھلنی لگا۔ کوئی چند ہندی بھاکا کے آد کوئی  
 ہیں۔ ان کے پہلے بھی کچھ کوئی ہو گئے ہیں جن میں کھوان، قطب علی، ساٹھیں۔  
 دان چارن، فیض، اگر م کوئی کا نام وشیکھ الیکھو گئے ہے۔ پرنتو ہندی  
 بھاکا کے آدم پڑور کوئی چند بردائی ہیں۔ ان کے پہلے کے کوہوں کے نہ تو کوئی  
 کا دی کھلانے ہو گئے اور گرتھ ملتے ہیں۔ اور نہ ان کی بھاکا ہی نکسالی اٹھوا  
 واستوک ہندی کہی جاسکتی ہے۔“

اس بیان کی روش سے چند بردائی کو ہندی کا سب سے پہلا شاعر مانا گیا ہے۔  
 کہتے ہیں کہ چند پرہتھی راج کا وزیر اور شاعر تھا۔ اور پرہتھی راج راسا اسی کی طرف منسوب  
 ہے۔ ۱۵۰۰ء میں پرہتھی راج تراین کے میدان میں سلطان معز الدین محمد بن سام سے  
 شکست کھا کر مارا جاتا ہے۔ اور مسلمانوں کا قبضہ اجیر دہلی پر ہو جاتا ہے۔ راسا اس  
 عہد کی تصنیف بتائی جاتی ہے۔ لیکن راسا ایک شش تبہ تصنیف ہے۔ اس کے متعلق  
 بہت کچھ اختلاف آرا ہے۔ بعض اس کو چند کی اصلی تصنیف مانتے ہیں۔ اور بعض ایک  
 معمول تالیف خیال کرتے ہیں۔ یا خبر اصحاب کی یہ رائے ہے کہ راسا سولہویں یا  
 سترہویں صدی میں کسی نے چند کے نام پر تصنیف کر دی ہے۔ چنانچہ مہاموہ یادھیا  
 کبیر راج شیل دان جی کی یہی رائے ہے (ہندی نورتن صفحہ ۵۲) برخلاف اس کے  
 مصنفین ہندی نورتن اس کی اصلیت کے حق میں ہیں۔

راسا سے واقف کاروں کی یہ رائے ہے کہ اس میں دس فیصدی فارسی اور عربی الفاظ موجود ہیں جو بجائے خود بدگمانی کیلئے ایک زبردست دلیل ہے۔ کیونکہ اجنبی زبانوں کے الفاظ کی اس کثرت کے ساتھ دہلی یا اجیر کی زبان میں انہیں ایسے ابتدائی زمانہ میں قریب قریب ناممکن ہے اس کے بیانات بھی اس قدر خوبیت سے لبریز ہیں کہ یہ کتاب بحیثیت کتاب تاریخ ہمارے احترام کی مستحق نہیں۔ مثلاً یہ بیان کہ شہاب الدین کا بھائی حسین نامی تھا۔ شہاب الدین کی بیوی سے ناجائز تعلقات رکھتا تھا۔ جب شہاب الدین کو ان تعلقات کی خبر ہوئی تو حسین اپنی پیاری جان لیکر پرتھی راج کے پاس بھاگ آیا۔ یہ کہ پرتھی راج نے شہاب الدین کو مختلف موقعوں پر سات مرتبہ شکستیں دیں گرفتار کیا اور روپیہ بے کر چھوڑ دیا۔ نیز یہ کہ شہاب الدین پرتھی راج کا مطیع و محکوم تھا۔ یہ بیانات اس قدر لغو ہیں کہ ہمیں ان کی تردید میں کوئی وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ صرف اس قدر جاننا کافی ہے کہ حسین نام کا کوئی شخص معز الدین محمد بن سام کا بھائی نہیں تھا۔ اس کے صرف ایک بھائی تھا جو عنایت الدین محمد بن سام کے نام سے غور کا بادشاہ تھا۔ اور معز الدین محمد بن سام اس کے نائب اور سپہ سالار کی حیثیت رکھتا تھا۔ اسی طرح یہ خیال کہ پرتھی راج نے سلطان موصوف کو سات مرتبہ شکستیں دیں۔ اگرچہ ابو الفضل نے ہندو بیانات کی تقلید میں لکھ دیا ہے۔ قرین عقل و قیاس نہیں۔ کیونکہ جب ہم شہاب الدین کے کارناموں کو سالوار دیکھتے ہیں۔ تو ان فرضی شکستوں کے لئے اس کی سوانح حیات میں کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔ اس لئے یہ بیان بھی صداقت سے معزا ہے۔

راسا میں آتشیں اسلحوں کا ذکر بھی موجود ہے۔ جو راسا کے مفرد زمانہ سے کئی صدی بعد ہندوستان میں رائج ہوتے ہیں۔ ڈومن صاحب کہتے ہیں کہ:-  
 ۱۵۰ھ میں چھند میں تاتار خاں شہاب الدین کو صلح ہوئے اور آتشیں

اسکو کی تیاری کے لئے کہتا ہے۔ ۲۵۷ء میں چھند میں توپوں اور ان کی آوازوں کا ذکر آتا ہے۔ ۴۱۶ء میں چھند میں رلے گوند کا قتل زنبور کے ذریعہ سے جو شتر مال کا دوسرا نام ہے۔ بیان کیا جاتا ہے۔ \*

ہمیں ان بیانات کی اتنی ہی وقعت کرنی چاہئے جتنی بی چٹو کے امیر خسرو کو حقہ پلانے کے قصہ کی۔ نہ سلطان معز الدین کے عہد میں توپیں تھیں اور نہ زنبور کا۔ نہ اس کے عہد میں تاتار خاں کے نام یا خطاب کا کوئی شخص تھا۔ تاریخ ہند میں سب کا قدیم شخص جو اس خطاب کا مالک ہے۔ محمد ارسلان تاتار خاں ہے۔ جو غیاث الدین بلبن متوفی ۶۸۷ھ کے عہد کا امیر ہے۔ \*

یہاں ایک اور امر قابل غور ہے کہ شہاب الدین سلطان محمد بن سام کے بچپنے کا نام ہے جو اس کے غزنین کا بادشاہ بنائے جانے پر ترک کر دیا گیا۔ اور معز الدین محمد بن سام اختیار کر لیا گیا۔ اب اس نام سے وہ اپنی مدت سلطنت میں مشہور ہوئے۔ اس کے سکول پر بھی یہی نام ہے۔ اس کے عہد کے مورخین مثلاً صاحب تاج المآثر و طبقات ناصری اسی نام سے اس کا ذکر کرتے ہیں۔ بعد کی تاریخوں مثلاً تاریخ فیروز شاہی میں بھی معز الدین کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ راسا میں بار بار اس کو شہاب الدین غوری کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اس پہیلی کا حل یہی ہے کہ اکبری عہد کے مسلمان مورخین زیادہ تر اس کو شہاب الدین کے نام سے پکارتے آئے ہیں۔ چنانچہ بعد کے مورخین نے یہی نام اختیار کر لیا۔ اس لئے اگر راسا کا مصنف سلطان معز الدین کا درحقیقت معاصر ہوتا۔ تو وہ قطعاً شہاب الدین نہ لکھتا بلکہ معز الدین۔ \*

راسا میں توپے بندوق کا ذکر۔ دس فیصدی غیر ہندی الفاظ کی اس میں آمیزش اور دیگر بیانات کی لغویت وغیرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب ایسے زمانہ



میں بھی گئی ہے۔ جب کہ توپ بندوق ہندوستان میں عام طور پر استعمال ہونے لگی  
ہیں۔ اور فارسی و عربی الفاظ ہندی زبان میں شامل ہو چکے ہیں۔



## امیر خسرو وفات ۷۴۲ھ

ادبی دنیا کے آفتاب عالم کتاب ہیں۔ اور خاک ہند اب تک ان کے اوصاف و کمالات کا انسان پیدا نہیں کر سکی ہے۔ وہ ایک طرف فارسی کے زبردست ناظم و ناثر ہیں۔ دوسری طرف عربی و سنسکرت میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں۔ متعدد امور کی ایجاد انہی کی طرف منسوب ہے۔ ہندی ادب پرانی موسیقی کی تدوین کر کے اپنی ایجاد سے شکوہ مالال کر دیتے ہیں۔ جہاں فارسی پران کے احسان ہیں۔ وہاں ہندی بھی ان کے چشمہ فیض سے سیراب ہوئی ہے۔ ان کی تصنیفات نظم و نثر کی تعداد سنانوسے بتائی گئی ہے۔ شعاری تعداد چار اور پانچ لاکھ کے درمیان کہتے ہیں۔ جس قدر فارسی میں ان کا کلام ہے۔ اس سے کہیں زیادہ ہندی میں بتایا جاتا ہے۔ لیکن امیر نے دیباچہ غرۃ الکمال میں اپنی ہندی نظموں کا ذکر بدیں الفاظ کیا ہے :-

”جنسے چند نظم ہندوی نیز نثر دوستانا کردہ شدہ است۔“ بیجا ہم بدیگرے  
بس کردم و نظر برداشت کہ لفظ ہندوی در پارسی لطیف آوردن چند نظر  
ندارد مگر بضرورت آنجا کہ ضرورت بودہ است آوردہ شد۔“

آخری فقرہ میں اشارہ ہے۔ ان الفاظ و فقرات ہندی طریف جو امیر گاہ گاہ اپنے اشعار

میں لکھ گئے ہیں۔ لیکن امیر کے ہندی کلام کا اب تک پتہ نہ چل سکا گذشتہ عہدی کے  
”ذکرہ نگاروں نے جو نمونہ کلام دیا ہے۔ میں یہاں نقل کئے دیتا ہوں۔ از قسم شہر  
آشوب ۷

تیل پسرے کہ میفر و شد تیلے از دست و تباں چربا و دادیے  
خائے بپیش دیدم و گفتم کہ تل است گفتا کہ برو نیست دیدن تل تیلے  
یعین ترجمہ ہے ”ان تلوں میں تیل نہیں“ کا۔ ہندوستان کا قاعدہ ہے کہ گوجریاں  
دودھ دہی وغیرہ لیکر گلی گلی آواز دیتی پھرتی ہیں ”لیو دہی لیو دہی“ امیر کے عہد میں  
بھی یہی دستور تھا۔ فرماتے ہیں :-

گجری نوکہ درجن لطافت چومی آں دیگہ ہی بر سر نو چتر شہی  
از ہر دولت قند و شکر میریزد ہر گاہ بگوئی کہ ”دہی لیو دہی“  
دیگر ۷ زرگر پسرے چو ماہ پارا کچھ گھڑیے بکار یے بکارا  
نقد دل من گرنٹ بشکت پھر کچھ نہ گھڑا نہ کچھ سنوارا  
اشعار ذیل بھی صنف شہر آشوب سے تعلق رکھتے ہیں ۷

رفتم بہ تماشا کنار جوئے دیدم بلب آب زن ہندوئے  
گفتم صنایعیت بہار سویت فریاد بر آدو کہ ”در در موئے“  
”در در موئے“ فارسی اور ہندی دونوں زبانوں میں پڑا جاتا ہے۔ فارسی میں معنی  
ہیں کہ ایک ایک موتی کا ایک ایک بال ہے۔ ہندی میں یہ مطلب ہے کہ مرد اور  
دور ہو۔ فرہنگ آصفیہ میں ذیل کا قطعہ شہر آشوب امیر کے نام پر دیا ہے :-

ہندو بچہ ہیں کہ عجب سن دھرے چھے بروقت سخن گفتن کچھ پھوڑ پھرے چھے  
گفتم ز لعل تو کہ یک بوسہ بگیرم گفتا کہ اے رام نرک کاٹیں کہے چھے  
اس قسم کی نظمیں جن میں پیشہ وروں کا قطعات کی شکل میں ذکر ہو شہر آشوب

کہلاتی ہیں۔ مولانا محمد امین چڑیا کو ٹی جنہوں نے جو اہر خسروی میں امیر کا شہر آشوب مرتب کیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

”سنسکرت اور ہندی بھاشہ میں اس قسم کی نظمیں میری نظر سے گزری ہیں۔ دینی واکیر دلاس گوپال کو سی نے اسی طرز پر نظم کیا ہے۔ جس میں تمام پینہ دروں کے نام اور ان کے کام نظم میں بیان کئے ہیں۔ غالباً اسی طرز کو حضرت امیر خسرو نے فارسی زبان میں لا کر ایک جہت اور فارسی لٹریچر میں نیا اضافہ کیا ہے۔“

میں یہاں اس نذر اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ اس معاملہ خاص میں۔ امیر خسرو سنسکرت و بھاشہ کے مرہون منت معلوم نہیں ہوتے۔ کیونکہ خواجہ سعد سعد سلمان سب سے پیشتر فارسی میں ان بطول کا رد ان دیتے ہیں۔ اور مقطعات شہر آشوب کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ تمثیلاً خواجہ کے شہر آشوب سے یہاں ایک آدھ نمونہ حوالہ قلم کر دیا جاتا ہے۔

در حق دلبر خبا نگفت

آنگہ او برد کاں ز بس خوبی

شد فراز تنور چون دل من

صفت یار بر بطی گفتہ

بتا نہ ہرہ آسمان جمالی

کنا نہ تو خالی نباشد نہ بر بط

ذیل کی نظم بھی امیر کی طرف منسوب ہے:۔

ز حال مسکین مکن تغافل و رائے نیناں بنائے تباہاں

شبان ہجران را ز چون لعل در روز و شمش چرخ کو تاہ

یکایک دل و چشم جاوید بعد فرہیم بہر تو کیس

کسے پڑی ہے جو جانا دے پیایے پی کو ہماری تباہاں

پوشن سنواں چودہ جیراں ہر آں مدہ شتم آخر  
بھی نہ نیندیناں نہ انگ جیناں آپ دین بھیجیتیاں  
بھی روز وصال دلیر کہ داد مارا فریب خسترو  
سپیت منکے ورنے لاکھوں حج جائے پاؤں بھیا کی کھتیاں

وہ گئے بالم وہ گئے ندی پوکتا رہ  
آپے پارا تر گئے ہم تو ہے ار دار  
بھائی بے لاسو ہنسکوں پارا تار  
ناکھ کا دیو نگلی مندر انگل کا دیو بھار  
دیکھ میں اپنے حال کوں دوں نہ ار و زار  
بی کن و تنہا بہت ہیں ہم ہیں ادھنار  
بال بھی میں منج کوں تاندا کو پھول  
ہو چھا و سنج و ما جیا نا لانا مول  
چکوا چکوی دہسنے انگوں مار و نہ کو  
ادھ ماسے کرتا رکے رین بھوڑی ہو  
سیج دھپتی دیکھ کے روڈوں نین  
پیا کتی میں بہروں پل بھر سکھتہ چین  
سبنا دیں سو سکھ سیوین گناں کوں گل نا  
تازی چھوٹا دیس میں قصے پڑی پکا  
در دانے نے تے رہ گئے نکس گئے اسرا  
گوری سوئے پنگ پنگ پر کھ پڑاے کیس  
چل خستہ دھڑاپے سا بچ پڑی چو رہیں

(از بیاض محکو کہ پروفیسر سراج الدین آذر ام اے پروفیسر لایکچر لایکچر لایکچر)

ذیل کی غزل اسی بیاض سے نقل کی جاتی ہے۔ جو تیرہویں صدی ہجری کی ابتدا  
میں لکھی گئی ہے :

جب یار دیکھا نین بھر دل کی گئی چنتا اتر  
ایسا نہیں کوئی عجب راکھے اسے سمجھائے کہ  
جب آنکھ سے دھل بھی تڑپن لگا میرا جیا  
حقا الہی کیا آنسوں چلے بھر لائے کہ  
تو تو ہمارا یار ہے تجھ پر ہمارا پار ہے  
تجھ دوستی بسیار ہے یک شب لو تم آئے کہ  
جاناں طلب تیری کروں دیگر طلب کس کی کر دوں  
تیری جو چنتا دل دھروں اک دن تو تم آئے کہ  
میرا جو من تم نے بیتنے اٹھا غم کوں دیا  
غم نے مجھے ایسا کیا جیسا پتنگ کا آگ پر  
خستہ مکے باتا غم نیل میں لائے کچھ عجب  
قدرت خدا کی ہے عجب جب تیرا دیال لائے کہ  
(از بیاض پروفیسر سراج الدین آذر ام اے)

میں نے اس غزل کو یہاں لکھ تو دیا ہے لیکن یہ ماننے کیلئے تیار نہیں کہ امیر خسرو اس کے مالک ہیں ۔



## خالق باری

یہ خوش قسمت کتاب ہے جو بالاتفاق حضرت امیر خسرو دہلوی کی طرف منسوب ہے۔ تذکرہ نگاروں نے اس کے متعلق حسب معمول مبالغہ سے کام لیا ہے۔ مولوی محمد امین صاحب چڑیا کوٹی فرماتے ہیں کہ ”اس میں کئی ہزار اشعار تھے“ مولانا محمد حسین آزاد کا بیان ہے کہ ”کئی بڑی بڑی جلدوں میں تھی“ اور اپنے تخیل کی رنگینی سے کام لے کر یہ فقرہ بھی اضافہ کر دیا ہے کہ ”وہ ایک بھٹیاری کے لٹکے کیلئے لکھی گئی تھی“ لیکن اگر تحقیق سے کام لیا جائے تو یقین ہے کہ یہ بیانات بے اصل ثابت ہوں۔ یہ بات تو عقل میں آتی ہے کہ بچوں اور مبتدیوں کے لئے جو کتابیں لکھی جاتی ہیں۔ بالعموم مختصر اور سادہ کی شکل میں ہوا کرتی ہیں۔ مثلاً حامد باری۔ رازق باری۔ واحد باری۔ اللہ باری۔ ایزد باری۔ صمد باری اور قادر نامہ وغیرہ جو سب کی سب اسی خالق باری کی طرز میں ہیں۔ یہ سارے اکثر اوقات بچوں کو حفظ کرائے جاتے تھے۔ اس لئے ضروری تھا کہ مختصر ہوں ۔

یہاں قدر ناگہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خالق باری کے امیر کی طرف منسوب کرنے کیلئے ہمارے پاس کیا وجوہ ہیں۔ کلیات خسرو کے سلسلہ میں ایک جلد موسوم بہ جواہر خسرو بھی علیگڑھ سے شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب میں امیر کے متفرق کلام کے علاوہ مولوی محمد امین صاحب چڑیا کوٹی نے خالق باری کو نہایت محنت

اُدھر تحقیق کے ساتھ مرتب کیے شامل کر دیا ہے۔ اس کے دیباچہ میں مولانا سے مدح  
ذیل کے بعض وجوہ کی بنا پر خالق باری کو امیر کی تسلیم کرتے ہیں \*  
”راہِ جہیل کا لفظ اس کتاب میں ملتا ہے۔ جو حضرت امیر کے زمانہ تک ایک ہندی  
سکہ تھا۔ اور آپ کے قریب عہد میں متروک ہو چلا تھا۔ یہاں تک کہ تاریخ میں  
اس عہد کے بعد اس کا نام بھی نہیں ہوتا ہے“۔

یہ اس کے متعلق اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ لفظ جہیل ہر زمانہ میں ملتے  
مثلاً آئین الہری میں جہاں الہری عہد کے سکوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ابو الفضل جہیل  
کو ایک فرضی سکہ اور دام کا پچیسواں حصہ مانا ہے \*  
مابین قاتل عہد عالمگیر کا ایک امیر ہے۔ وہ ایک عرضداشت میں جو سرتاپا  
شکایت سے مملو ہے لکھتا ہے :-

”دارکار بر قاضی وقاضی بر شوت راضی۔ در غزنی و قندھار اشتہار یافتہ کہ  
مطربان باستقبال فرمان می شتابند و نرخ حسب الحکم موقوف برد و جہیل افتاد  
واسدخان کہ ہنوز بوسے شیراز دلائش زلفہ وزیر اعظم و دستور معظم فرمودند \*  
آنندین ہمیراج گوالیری نے فرنیسیاق میں ایک رسالہ موسوم بخلاصۃ السیاق  
۱۵۱۱ھ مطابق ۱۱۸۸ھ جلوس عالمگیری میں تصنیف کیا ہے۔ اس میں جہیل کا لفظ  
عام طور پر ملتا ہے چونکہ یہ رسالہ چھپا نہیں۔ اس لئے یہاں ایک دو فقرے نقل کر  
دئے جاتے ہیں \*

”دستور معلوم کردن دھما بہ حساب فی من :: باید کہ مبلغ نرخ من را با دھما  
مضب نماید و حاصل ضرب را جہیل دانستہ۔ پنجاہ جہیل یک تنگہ بغیرہ۔ مثلاً فی  
من بسیت تنگہ :: قیمت پنج دام می باید۔ پس بسیت را با پنج ضرب داوم۔  
حاصل ضرب یک صد جہیل بیاید و ازیں دو تنگہ کہ قیمت قیمت پنج دام معلوم شد \*

”اگر کسی پُرسد فی من دہ تنگہ است دو آثار راجہ باید داد۔ باید کہ آثار را بابتگاہست  
 ز رخ من ضرب دہد و حاصل ضرب را جیتل دانستہ بر چیں جیتل مقرر نماید۔ پس  
 یک ہولوی قیمت دو آثار معلوم شد۔“

شیخ حبیب کا یہ شعر بھی ملاحظہ ہو

چو دزداندر کہیں باشد کرے جو نیند بخارا

نہا شد سود یک جیتل گولے مول بھی سارا

جس زمانہ میں جیتل کا سب سے زیادہ چرچا رہا ہے وہ امیر خسرو کے عین بعد ہے  
 سلطان فیروز شاہ تغلق ۷۵۲ھ و ۷۵۹ھ نے اپنے عہد میں جیتل (ایک تنگہ کا  
 پچاسواں حصہ) کی تقسیم جس میں نیم جیتل اور دانگ جیتل شامل ہے کر دی تھی۔  
 چنانچہ مولانا شمس سلج اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:-

”سلطان فیروز شاہ فرمان فرمود کہ ہر نیم جیتل کہ آزاادہ گویند دہر دانگ جیتل  
 کہ آزاادہ گویند و فتح کنند تا غرض فقر و مساکین حاصل شود۔“

جیتل کے لئے ہر عہد کی مثالیں ہم پہنچائی جا سکتی ہیں۔ لیکن میں بخوف  
 طوالت انہی امثال پر قناعت کر کے مولوی صاحب کے دوسرے استدلال کو بیان  
 کرتا ہوں۔

(۲) محاورات قدیم مثلاً ”میں تجھ کہیا“ ”تو کت رہیا“ ”بادا ڈاڑی دھوا چلی“

”آکھنا دیکھنا“ ”چاؤ (شوق)“ وغیرہم افغانا کی خواجی سے خالق باری کی زمانہ

تصفیف ہند خسروی میں قطعی طور پر مقرر اور متعین ہو سکتا ہے۔

یہ دلیل بھی مضبوط معاموم نہیں ہوتی۔ کیونکہ میں تجھ کہیا۔ تو کت رہیا آج بھی  
 ہندوستان کے دیہات میں بولے جاتے ہیں۔ آکھنا پنجابی زبان میں کہنے اور  
 دریافت کرنے کے معنوں میں آج بھی آتا ہے۔ ”بادا ڈاڑی“ کے معنے خدا جانے

مولانا نے ”ہوا چلی“ کیسے لکھ دیئے۔ کیونکہ مصرع خاک دہول جو باوا و ڈانی میں ڈالنی کا تعلق دہول کے ساتھ ہے۔ یعنی ایسے دہول جسے خاک اڑا سکے۔ بہر حال ان میں کوئی بھی ایسا محاورہ نہیں جو محاورات قدیمہ کی فہرست میں شامل کیا جاسکے تبسری و جہ مولانا نے مفصلہ ذیل دی ہے :-

(۳) اس میں شک کرنے کے بہت کم وجوہ ہیں کہ خالق باری حضرت امیر خسرو کی تفسیف ہے۔ اور یہ ثابتہ شک بھی خود خالق باری کے مقطع یعنی آخری شعر کو دیکھ کر بالکل رفع ہو جاتا ہے۔ جس میں لفظ خسرو موجود ہے۔ اور جس شاعرانہ شوخی و فصاحت کے ساتھ یہ لفظ مقطع میں واقع ہوا ہے۔ اور اس پر دیشا نکسار کا طرہ دیکھ کر ناممکن ہے کہ کوئی صحیح المذاق شخص اس کو شخص سمجھے اور صرف ایک لفظ بمعنی مثل دیگر الفاظ بمعانی کے جن سے خالق باری بھری ہوئی ہے قرآن سے وہ شعر یہ ہے :-

بولو بیا صاحب سرن پناہ گدا بھکاری خسرو شاہ

اس کی ترکیب بالکل وہی ہے۔ جیسے آج کوئی خسرو نام کا شخص اپنے تئیں کسی تحریر میں خاکسار خسرو لکھ کر ختم کلام کرے ۔

مولانا کا یہ استدلال زیادہ تر شاعرانہ رنگ میں ہے۔ اہل اللہ میں ۳ دات نے اپنے نام سے پہلے یا بعد میں شاہ کا لفظ استعمال کیا ہے مثلاً شاہ نعمت اللہ ۸۳۲ھ، شاہ میاں جی ۸۹۵ھ اور سید راجی حاد شاہ ۹۰۹ھ وغیرہ لیکن امیر خسرو کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ شاہ کا لفظ اپنے شخص کے آخر میں لاکر سادات کے نام کے ساتھ خواہ خواہ التباس پیدا کر دیتے۔ اور نہ امیر کے زمانہ میں فقرائے نام کے ساتھ اس لفظ کا رواج تھا۔ لیکن اس شعر میں سب سے زیادہ توجہ طلب مصرع ازل ہے جس میں مولوی صاحب کی ترکیب موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ مولوی



صاحب، منشی صاحب، پندت صاحب کی سی ترکیبیں امیر خسرو کے عہد میں رائج نہیں تھیں۔ مولوی صاحب ”درکنار تنہا مولوی کا لفظ بھی امیر کے عہد میں علما کے نام کے ساتھ نہیں ملتا۔ ایسے مرکب محض گزشتہ صدی کی مبتدعات سے ہیں۔ اس لئے ہمیں اس شعر کو جدید اضافہ ماننا پڑے گا۔ اور بات بھی یہی ہے کیونکہ اگرچہ یہ شعر مطبوعہ نسخوں میں اسی طرح ملتا ہے۔ مگر قلمی نسخوں میں اس کی شکل بالکل مختلف ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔

دو جگہ رہا خسرو کا نام خالق باری ہوئی تمام  
ایک اور نسخہ میں یوں ہے

دو جگہ رہا خسرو کا نام خالق باری ہوئی تمام

ان شعروں میں اگرچہ خسرو کا تخلص موجود ہے۔ لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ خسرو وہی مشہور امیر خسرو ہیں۔ خسرو اور لوگوں کا بھی تخلص ہو سکتا ہے۔ اور میر انیسال ہے کہ ہم نے خالق باری کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے رکھی ہے۔ تاریخ و ادب میں اس کا کہیں ذکر نہیں آتا۔ نہ امیر خسرو کی تصنیفات کے ساتھ اس کا شمار ہوتا اور نہ کوئی اسے جانتا ہے۔ اور نہ اس کے قدیم نسخے دستیاب ہوتے ہیں جس قدر نسخے ملتے ہیں بارہویں اور تیرہویں قرن ہجری کے نوشتہ ہیں صرف ایک نسخہ ایسا ہے جو گیارہویں صدی سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ نسخہ برٹش میوزیم کی فہرست کتب فارسیہ میں ”رویل ۱۶ اب ۳“ ہے۔ جو طامس ہانڈلٹونی ۱۸۷۱ء مطابق ۱۲۸۷ھ کی ملک تھا۔ فہرست نگار کا بیان ہے کہ کسی فرنگی نے سترہویں صدی عیسوی میں نقل کیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس نسخہ میں مصنف کا نام مذکور نہیں ہے۔ انڈیا آفس میں ایک نسخہ ۱۲۸۷ء، ۱۲۸۷ھ جلوس فتح آبادی مطابق ۲۴ بیج اثنانی ۱۳۸۷ھ کا کتا بت شدہ ہے۔ لیکن اسی کتب خانہ میں ایک

اور نسخہ ۲۲۷۷ ہمارے دلچسپی کے کچھ سامان رکھتا ہے۔ اس کی تاریخ کتابت معلوم نہیں لیکن اس کا نام ”مطبوع الصبیان“ دیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خالق باری کا اصلی نام مطبوع الصبیان ہے۔ اس نسخہ کے ساتھ نشر کا ایک دیباچہ بھی ہے۔

فہرست نگار نے اس کا ایک پارہ نقل کر دیا ہے وہو ہذا:-

”الہمد للہ . . . . . [بدان] اسعدک اللہ تعالیٰ فی الدارين کہ چند کلمہ عربی

و فارسی ہر ایک با ترجمہ ہندی برائے تعلیم صبیان بطریق ریختہ (گفتہ آمد)

بدقسمتی سے اس نسخہ میں بھی مصنف کا نام مرقوم نہیں۔ اس سلسلہ میں ہمیں تفصیلیں ہیں۔ اور ہر فصل میں چار شعر ہیں۔ اس حساب سے اس کے اشعار کی تعداد دوسو چوبیس ہوتی ہے۔ کتاب کا آغاز حسب معمول خالق باری سرجن ہارنخ سے ہوتا ہے۔ اب تفصیل یا تو متناسب الفاظ و لغات یا بحور کے لحاظ سے قائم کی گئی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رائج الوقت خالق باری کا شیرازہ اشعار بہت کچھ درہم و برہم کر دیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ اس کا دیباچہ اور نام قطعاً بھلا بیٹھے گئے۔ سب سے دلچسپ دیباچہ کا وہ پارہ ہے جس میں ریختہ کا لفظ موجود ہے ریختہ کے موجد اگرچہ امیر خسرو ہیں لیکن ان کے ہاں وہ موسیقی کی ایک اصطلاح ہے۔ اس دیباچہ میں ریختہ نظم کے معنوں میں آیا ہے۔ اور یہ وہ معنی ہیں۔ جو وکی اور تراج کے ہاں ملتے ہیں۔ ریختہ بمعنی نظم گیا رہو یہ صدی کے آخر میں ملتا ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ کتاب مطبوع الصبیان معہ دیباچہ اسی قرن میں کسی وقت تصنیف ہوئی ہوگی۔

عالمگیر کے عہد میں اردو زبان کی طرف خاص توجہ کی جاتی ہے اور بچوں کے لئے یہی زبان ذریعہ تعلیم بن جاتی ہے۔ اور یارہویں اور تیرہویں صدی میں خالق باری کے انداز کی درجنوں کتابیں لکھی جاتی ہیں۔ مثلاً رازق باری، حامد باری

ایزد باری، واحد باری، صمد باری، بالک باری، اللہ باری اور قادر نامہ میرزا غالب وغیرہ وغیرہ جب اس قدر کتا ہیں دو صدی کے اندر اندر لکھی گئی ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ خالق باری بھی ان کے متصل زمانہ میں لکھی گئی ہوگی۔ یا مرقرین قیاس نہیں کہ خالق باری ۲۵۰۰ء سے قبل لکھی گئی ہے۔ اس کے بعد پورے چار سو برس یعنی گیارہ سو صدی تک اہل علم خاموش رہیں۔ اور بارہویں اور تیرہویں صدی میں اس کی تقلید میں درجنوں کتا میں لکھی جانی شروع ہوں۔ میرے نزدیک خالق باری اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اور اس کا زمانہ ہمیں دیگر تصنیفات کے زمانہ کے قریب ماننا چاہئے ۴

اگر خالق باری میر خسر کی تصنیف ہوتی تو صورت حالات بالکل مختلف ہوتی اس عہد سے لیکر سینکڑوں کتا ہیں اب تک اس کی تقلید میں لکھی جاتیں شراح اس کی شرحیں لکھتے۔ اہل لغات اس سے استناد کرتے۔ اور یہ کتاب مختلف فیہ لغات کے لئے ایک سندى ذخیرین جاتی۔ بہت کم لوگ واقف ہیں جس محنت اور مشکلات کے ماحول میں آٹھویں نویں اور دسویں قرن ہجری کے ہندی فرہنگ نگاروں نے اپنی کتب لغات ترتیب دی ہیں۔ وہ ادنیٰ ادنیٰ شرحوں سے لغات جمع کرتے ہیں۔ کتابوں کے حواشی سے الفاظ لیتے ہیں۔ اُستاد دین سے پوچھ رہے ہیں۔ خطوط و رقعات سے، سنناد کر رہے ہیں۔ و غیرہ۔ اگر میر خسر وانا بڑا مجموعہ لغات اپنی یادگار چھوڑ جاتے جو کہا جاتا ہے کئی ہزار اشعار اور کئی جلدوں پر مشتمل تھا۔ تو کیا یہ فرہنگ نگار جو ایک درجن سے زیادہ ہیں اس سے استفادہ نہیں کرتے۔ یہ خیال کرنا کہ محض التفقیہ یہ کتاب ان کے ہاتھ نہیں لگی۔ بے حقیقت معاذ جوتنا ہے۔ کیونکہ اس کتاب کو داخل نصاب مانا جاتا ہے۔ اس لئے شروع ہی سے ان کی واقفیت اس سے ضروری تھی ۵

مولانا محمد امین صاحب نے اس یقین کے اندر کہ خالق باری امیر خسرو کی تصنیف ہے۔ شاعرانہ انداز میں دل کھول کر اس کی طرح سرائی کی ہے۔ بلکہ نصاب الصبیان سے ایک قسم کا مقابلہ کر کے خالق باری کی افضلیت کو تسلیم کر لیا ہے۔ اور غالباً مولانا نے یہ سب کچھ محض عقیدہ نگاہ ہے۔ کیونکہ حقیقتاً اگر ان کو مقابلہ منظور ہوتا تو نصاب الصبیان کے بجائے عبد الواسع کے نصاب یا قادر نامہ میرزا غالب سے مقابلہ کرتے۔ جو ہر حال میں زیادہ موزون ہوتا۔ امیر کی وقعت ہمارے دل میں بھی اسی قدر ہے۔ جس قدر کہ مولانا کے دل میں ہے۔ لیکن خالق باری کا معاملہ اور بات ہے۔ میں امیر کی طرف اس تالیف کا انتساب امیر کی ہتک سمجھتا ہوں۔ میں اس کے نقائص پر بھی ذرا ایک نگاہ ڈال لینی چاہئے۔

اس کتاب میں ہر قسم کی ترتیب کا التزام مفقود ہے۔ مضمون الفاظ اور وزن میں کوئی ترتیب ملحوظ نہیں۔ ہندی الفاظ کے صحیح تلفظ کی کوئی پروا نہیں کی گئی۔ عربی۔ فارسی اور ہندی الفاظ کے مرادفات التزاماً نہیں دیے گئے۔ کبھی فارسی ہندی دیے۔ کبھی فارسی عربی پر قناعت کر لی۔ اور کبھی صرف ہندی الفاظ پر۔ پھر بھرتی کے الفاظ اس کثرت سے لائے گئے ہیں کہ الفاظ بے بیت خالق باری کا دقیق پہلو بن گئے ہیں۔ مثلاً

بادہ شراب وراوق و صہبائے استند

نگر جرد زان خوری تو کنی کار نیاک و بد

کا آخری مصرع تمام و کمال بے بیت ہے۔ پھر وہی الفاظ بعض اوقات دوبارہ دہرائے ہیں۔ ان کی مثالیں دینا باعث طوالت ہے۔ ہمیں غور کرنا چاہئے کہ کتاب نو عمر بچوں کے لئے لکھی گئی ہے۔ اس لئے اس کی بحروں کا شگفتہ اور سبک ہونا ضروری تھا۔ لیکن اس تصنیف کی اکثر بحریں غیر شگفتہ

اڈا ہوا رہیں پھر اوزان کی غلطیاں بھی موجود ہیں۔ ایک مصرع بڑھ گیا اور ایک گھٹ گیا۔ کوئی اُدچھا اور کوئی لمبا ہو گیا۔ مثلاً شعر

زربود سونا سیم جیتل نقرہ ردپا جامہ کپڑا ٹاٹ پٹڑ ڈبہ کوپا

جو بظاہر بحرِ رملِ مستدسِ سالم میں ہے لیکن مصرعِ اول کی ابتدا میں ایک سبب خفیف زائد اوزن لایا گیا ہے۔ اور شعر

عقربِ تباہی پھو کتر دم برجِ ننگ بشمر تو سر دوشِ دفرِ شد ملک

میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلا مصرع انگڑائی لے رہا ہے۔ اس کے وزن کی اگر تلاش کی جائے تو فارسی والے کہینگے کہ کوئی ہندی وزن ہوگا۔ اور ہندی والے کہینگے کہ فارسی وزن ہوگا۔ آئیو الے شعر میں

توتِ فرصاد است کھیرا باد رنگ چھینکا آونگ ہندی ڈھیل ہے درنگ آونگ کاگاف اور ڈھیل کی لام زائد اوزن ہیں +

بعض مقامات پر دیکھا جاتا ہے کہ مصنف مختلف موقعوں پر ایک ہی لفظ کے دو مختلف معنے لے جاتا ہے۔ مثلاً ذیل کے دو شعر

عنقا سیرغ ہست لگ لگ تیترا ہم بارکش رسیماں ہے جیبڑا

طاؤس مور باشد و دراج تیترا خوب و نکو صلا و بد و زشت پرا

مصنف کے نزدیک تیترا کی فارسی لگ لگ بھی ہے۔ اور دراج بھی لیکن خود فارسی میں لگ لگ اور دراج دو مختلف جانور ہیں۔ دراج بیشک تیترا ہے۔ لیکن لگ لگ کو اہل لغات یوں بیان کرتے ہیں :-

”مرغی است مشہور کہ گردن و منقار و پاسے دراز دارد و مار را شکار کند“

حکیم سنائی فرماتے ہیں :-

ہن لگ لگ گوید کہ لک الحمد و لک الشکر تو طعم من کردہ آں مائیاں را

اب ایسی غلطی امیر خسرو سے نہایت بعید ہے۔ کسی دوسرے موقع پر ترا کے معنی ایک جگہ کھجور بتائے ہیں۔ اور دوسری جگہ اہلی چٹانچہ سے

جان غراہندی انہلی۔ داں صبح گوند گلیم است کنہلی

ہندی گویند خرامار کھجور داگھ را تو فارسی میدان انگور

اہلی کو اگرچہ خرطے ہندی کہا جاتا ہے۔ لیکن جس طریق سے مصنف نے بیان کیا ہے بے حد مغالطہ خیز ہے۔ انگور کا تلفظ جس طرح شعر دوم میں کیا گیا ہے۔ وہ ہمیں پنجاب کی یاد دلاتا ہے۔ انگور کا یہ تلفظ امیر سے بعید ہے۔ بالخصوص ایسی حالت میں جب کہ کتاب بچوں کے لئے لکھی گئی ہے۔ شعر آئندہ میں مصنف سے ایک اور لغزش مشاہدہ ہوتی ہے۔

قاری سیرغ و عنقا ہست تدر و کبک ہنس

بھجور قان است کا نور ہے زیر و نسل ہنس

اس شعر میں تدر و کبک اور ہنس تین مختلف پرندوں کو مصنف نے ایک مان لیا ہے۔ کبک کسی تشریح کا محتاج نہیں۔ اسی کو ہم چکور کہتے ہیں۔ ۶ کبک کو ہندی میں کہتے ہیں چسکور

میرزا غالب قاطع بر مان میں کہتے ہیں۔ تدر و در فارسی طائرے را گویند کہ بطیر ہندی آنست اور فرہنگ نویس کہتے ہیں کہ ”مرغے نست صحرائی شبہ بچروس در نہایت خوش روشی و خوش رفتاری۔“ لیکن ہمارے لئے سب سے اہم یہ امر ہے کہ خود امیر خسرو کبک اور تدر و کو علی الرغم مصنف خالق باری علیحدہ علیحدہ پرندے تسلیم کرتے ہیں۔ چٹانچہ قرآن السعدین

آنکہ پریدے نہر خود تدر و مانہ چو پرگم شد گاں زیر سر و

لالہ چو از کوہ رفت از شکوہ کبک بپرید دل از پنج کوہ

قرآن السعیدین میں دونوں شعر اسی ترتیب سے بلا فاصلہ ملتے ہیں۔ جس سے اس احتمال میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ امیر کے نزدیک ایک اور تدرود مختلف جانور ہیں۔ اس لئے خالق باری کا مصنف اور امیر خسرو ایک شخص نہیں ہیں۔ لیکن صاحب خالق باری نے تدرود اور ایک کو ایک جانور کیوں تسلیم کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خود بعض اہل لغات اس غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ مثلاً "موید الفضلا میں تدرود کی تشریح میں ہم یہ عبارت پڑھتے ہیں :-  
تدرود فقہتین، ایک داک پرندہ ایست آتش خوار و خوش رفتار کہ بکو ہما بوز  
کذا فی الادوات [الفضلا]۔

ادوات الفضلا، قاضی بدرالدین محمد دہلوی نے ۸۲۲ھ میں تالیف کی ہے) اب ظاہر ہے کہ صاحب خالق باری نے اپنی کتاب کی تالیف کے وقت ادوات الفضلا۔ موید الفضلا ۸۲۵ھ یا کسی اور ایسی کتاب لغات سے امداد لی ہے جس کے ماخذ میں یہ کتابیں شامل ہیں۔  
بیت ذیل بھی قابل توجہ ہے :-

نیا قال ہندی ناموں جان اور عمو کئے چپا بکھان  
"نیا" کے معنی معنے دوا یا مانا کے ہیں۔ چنانچہ لغت فرس۔ فرہنگ جہانگیری  
شبیہی، چراغ ہدایت اور آئندہ راج میں صرف یہی معنی دئے ہیں۔ اور فردوسی  
علی العموم انہی معنوں میں لاتا ہے۔ مثال :-

دور گزراست و پاچوں گیا ہما نش نمیرہ ہما نش نیا  
مصنف خالق باری نہایت مشہور اور مستند معنیوں کو صرف لفظ کے غیر  
معروف بلکہ مشتبہ معنی "ناموں" دیتا ہے۔ اس کی وجہ وہی ہے جو اوپر بیان ہو  
چکی ہے۔ یعنی ادوات الفضلا یا موید الفضلا وغیرہ لغات سے نقل کر رہا ہے۔

چنانچہ مویہ الفضلا میں اس لغت کے لئے لکھا ہے "تجدد برادر مادر و برادر بزرگ"۔  
لیکن یہ یاد رہے کہ آخری دو نومعنوں کے لئے ہمارے پاس کوئی معتبر سند نہیں ہے  
اور غالباً ایسے معنے ہیں جو ہندوستان میں بعض غلط فہمیوں کی بنا پر پیدا ہو گئے  
ہیں۔

خالق باری جیسی کتاب کی تصنیف کتب لغات کی امداد کے بغیر دشوار ہے  
لیکن جو لغات مصنف کے پیش نظر ہیں۔ ایسی ہیں جو مغلوں کے عہد سے پیشتر  
ہندوستان میں لکھی گئی ہیں۔ کیونکہ جو لغزشیں ان کتابوں میں موجود ہیں۔ ان کا  
عکس خالق باری میں بھی مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ خالق باری  
ان کتب لغات کے بعد لکھی گئی ہو۔ مویہ الفضلا ۹۲۵ء میں لکھا جاتا ہے۔  
تصنیف ہوتی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو ظاہر ہے کہ خالق باری اس کتاب کی تصنیف کے  
بہت بعد تالیف ہوئی ہوگی۔

خالق باری کو مویہ سے مؤخر ماننے کے لئے ایک اور بھی دلیل ہے جو یہ ہے  
کہ مویہ الفضلا میں بعض اوقات فارسی الفاظ کے ہندی مرادفات بھی دئے  
گئے ہیں۔ جب ان ہندی الفاظ کا خالق باری کے ہندی الفاظ سے مقابلہ کیا  
جاتا ہے تو مویہ کا تقدم خالق باری پر صریحاً ظاہر ہو جاتا ہے۔ اور ہمیں معلوم  
ہو جاتا ہے کہ مویہ کی زبان خالق باری کی زبان سے زیادہ قدیم ہے۔ میں یہاں  
چند الفاظ کی فہرست مقابلہ کی غرض سے ناظرین کے پیش کرتا ہوں۔

مویہ الفضلا۔ حربا = کھرکت۔ داس = ہنسوا۔ چار مغز = اکروت  
خالق باری۔ حربا = گرگٹ۔ داس = دانقی۔ جوز خراساں = اخروٹ  
مویہ الفضلا۔ جوز بوا = جاہل۔ بوسے = گندہ۔ خیار = گکھری  
خالق باری۔ جوز بوا = جائے پھل۔ بوسے = باس۔ خیار = گکڑھی



موبد الفعلا - انگوزہ = ہینگ - دبہ = کوپہ - خرس = بھال  
 خالق باری - انگوزہ = ہینگ - دبہ = کوپہ - خرس = بریچہ  
 موبد الفعلا - خنور = کوٹھی - دوع = چھاچھ - آسمانہ = چھتہ  
 خالق باری - کندو = کوٹھیا - دوع = می - سقف = چھت  
 موبد الفعلا - فازہ = جنوائی -  
 خالق باری - فازہ = جمائی -

لیکن خالق باری کی زبان کے مقابلہ کے لئے میرے نزدیک سب سے  
 مناسب کتاب نصاب سہ زبان یا احمد باری عبد الواسع ہنسوی ہے عبد الواسع  
 احمد عالمگیر کے ایک بزرگ ہونے جانتے ہیں۔ ان کی کتاب دستور العمل معروف  
 یہ سلاہ عبد الواسع نہایت مشہور ہے۔ اور اب بھی درس میں داخل ہے۔ نصاب  
 سہ زبان ایک نہایت دلچسپ کتاب ہے۔ اس میں التزاماً ہر مصرع میں تین  
 تین لفظ عربی، فارسی اور ہندی کے بالترتیب یکے بعد دیگرے دئے گئے  
 ہیں۔ ساتھ ہی متناسب الفاظ کو علیحدہ علیحدہ عنوان کے نیچے بیان کر دیا ہے  
 مثلاً لغات اعصناے انسان۔ اجناس غلہ۔ میوہ جات۔ تزکاریہا و گلہا۔ ادویا  
 وغیرہ وغیرہ قائمہ میں مصادر مشہورہ وغیرہ مشہورہ دے دئے ہیں۔ اب خالق  
 باری اور نصاب کی زبان میں بہت کم فرق دیکھا جاتا ہے۔ اکثر الفاظ دونوں  
 میں عام ہیں۔ لیکن چونکہ عبد الواسع ہنسوی کے متوطن نہیں۔ جہاں ہریانی زبان  
 کی اشاعت ہے۔ غالباً اس اثر میں عبد الواسع بعض ایسے الفاظ راگڑ چھنڈی  
 (پڑے) دے جاتے ہیں۔ جن سے موجودہ اردو خواں واقف نہیں۔ ذیل میں  
 خالق باری اور نصاب کے مابہ الامتیاز الفاظ کی ایک فہرست دی جاتی ہے:-  
 خالق باری - فازہ = جمائی - تپ = جوڑی - راسو = نیول -

نصاب سہ زبان	فازہ = بھینٹائی	تپ = جڑ	راسو = نیولا
خالق باری	روباہ = لونگری	شیر = سینہ	امید = آس
نصاب سہ زبان	روباہ = لونگری	شیر = باگہ	امید = آسا
خالق باری	نیا = ماموں	مردمک = پوتلی	لب = ہونٹ
نصاب سہ زبان	نیا = دادا	مردمک = پتری	لب = ادھر
خالق باری	گوش = کان	رخسار = گال	انگشت = اونگی
نصاب سہ زبان	گوش = سرور	رخسار = کپول	انگشت = انگری
خالق باری	پاے = پانو	مادر = ماں	پیشانی = کپار
نصاب سہ زبان	پاے = چرن	مادر = متاری	پیشانی = مٹھا
خالق باری	چشم = نین	پہلو = پانسی	
نصاب سہ زبان	چشم = لوچن	پہلو = پانسی	

دونوں کتابوں کی زبان پر غور کرنے سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ خالق

باری نصاب سے چنداں مقدم نہیں ہے۔

آخر میں ایک اور امر کی طرف بھی توجہ دلائی جاتی ہے کہ موجودہ خالق باری کا متن جس میں علیگڑھ کانیز بازاری اڈیشن شامل ہیں۔ چنداں قابل اعتبار نہیں معلوم ہوتے۔ مولوی محمد امین صاحب چڑیا کوٹی نے اگرچہ نہایت جانفشانی سے اپنا نسخہ مرتب کیا ہے۔ لیکن بد قسمتی سے انہوں نے زیادہ تر مطبوعہ نسخوں پر اعتبار کیا ہے۔ اور فلمی نسخوں کی طرف توجہ نہیں کی۔ اس لئے ان کا نسخہ اگرچہ بازاری نسخوں کے مقابلہ میں بہتر مانا جاسکتا ہے۔ تاہم مستند نہیں ہے۔ کیونکہ ہر دور زمانہ مطبوعہ نسخوں میں بہت کچھ ترمیم و تنسیخ اور حک و اصلاح ہو گئی ہے۔ خالق باری کی قدیم ترتیب اور اشعار کی تنظیم بالکل

برباد کر دی گئی ہے۔ اور رفتہ رفتہ بعض اغلاط بلکہ یوں کہیئے مصنوعی لغات اس میں شامل ہو گئے ہیں۔ میں یہاں صرف چند مثالوں پر قناعت کرتا ہوں۔

علیگڑھ اور بازار کے نسخوں میں ایک مصرع۔

”تاہر گزکان است کڑا ہی و تو ا“

آتا ہے جس میں ”گزکان“ نے مصنوعی لغت کی حیثیت اختیار کر لی ہے گزکان اس صورت میں آئندہ راج۔ برٹن۔ نقایس۔ رشیدی اور جہانگیری میں نہیں ملتا البتہ قازقان۔ قزقان اور گزغان بمعنی ”دیگ بزرگ مسین“ ملتا ہے۔ نیز کی زبان کا لفظ ہے امیر خسرو فرماتے ہیں

دے یا اینہم زبں خواں خالی شستہ بہ دستم

کہ علیائے فنا پختہ نگر دوا ندیریں گزغان

قلمی نسخوں کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے مصرع بالامیں ”گزغان“ دراصل لکھا تھا۔ اسی طرح مصرع

ہندوی کما نڈاکھاٹے اُن من ربا آن من (میغ

میں ”اُن من“ یا ”آن من“ ایک حیرت میں ڈالنے والا لغت بن گیا ہے۔ مولوی محمد امین صاحب بھی اس لفظ کی تشریح سے عاجز ہیں۔ اور تجویز کرتے ہیں۔ ”قیاس یہ چاہتا ہے کہ یہ لفظ ”انڑا“ ہے۔ اس صورت میں وزن عروضی درست ہو جاتا ہے۔“ لیکن اس کے معنی جو مولوی صاحب ”بادل کا گھڑانا“ بیان کرتے ہیں۔ چنناں چسپاں نہیں۔ مگر قلمی نسخوں میں یہ مصرع یوں ہے

ہندوی کما نڈاکھا دے اربن

آب دہ تمام غنچک رفع ہو جاتی ہے۔ ایک مصرع

”ہم قرنفل لونگ راکیکہ سجاں“

میں کیکہ کو پنجابی لفظ بتایا گیا ہے۔ چنانچہ تمام نسخوں میں اس کو پنجابی لکھا گیا ہے۔ لیکن سب سے زیادہ حیرت خیز یہ امر ہے کہ اہل پنجاب اس لفظ سے اپنی لاعلمی ظاہر کرتے ہیں۔ قلمی نسخوں میں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصرع مذکور دراصل یوں ہے ۶

”ہم قرنفل لونگ را نیکو بڈاں“

اس سے ظاہر ہے کہ کیکہ محض اتفاقاً ایک مصنوعی لغت بن گیا ہے اور کوئی تعجب نہیں۔ اگر لفظ ’نیکو‘ ترقی معکوس کرتا ہوا کیکہ بن گیا ہو ۷



# شیخ شرف الدین احمد بکھی منیری

ہندوستان کے مشاہیر اولیا سے ہیں۔ ابتدا میں سلطان المشائخ نظام الدین اولیا کے مرید ہونے کی نیت سے ۸۵۲ھ میں دہلی آئے۔ لیکن اس وقت تک ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ آخر دہلی ہی میں شیخ نجیب الدین فردوسی کے مرید ہو گئے۔ پھر جاکر مدتوں کوہ راگیر میں ریاضت و عبادت میں مشغول رہے ۸۶۲ھ میں وفات پائی۔ اور میرا شرف جہانگیر سمبھائی نے نماز جنازہ پڑھائی تصنیفات کے سلسلہ میں آپ کے ملفوظات و مکتوبات موسوم بہ معدن المعانی کتاب ارشاد السالکین اور شرح آداب المریدین مشہور ہیں۔ شرف نامہ احمد منیری، ابراہیم بن قوام فاروقی نے آپ ہی کے نام پر سلطان بابر بکشاہ ۸۷۲ھ و ۸۸۲ھ والی جنگ لڑ کے عہد میں لکھا ہے۔ شیخ شرف الدین بھاشہ میں بھی شاعری کرتے تھے۔ اور شرف آپ کا تخلص تھا۔ ذیل میں آپ کا ایک ”کچ مندرہ“ جو انواع امراض کے لئے مفید بتایا جاتا ہے۔ نقل کرتا ہوں۔ ان کے دو دوا ہرے اس کچ مندرہ میں بھی موجود ہیں۔ علاوہ ان میں کچ مندرہ اس عہد کی اوردو کا بھی ایک اچھا خاصہ نمونہ ہے :-

کچ مندرہ از شاہ شرف الدین احمد بکھی منیری بر جمیع امراض کہ دریں ذکر مینشد  
مجبست از علف خشک جھاڑا بکندر۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللّٰهُمَّ کُلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ صَاحِبِ السَّابِجِ وَالْعَصْرِ  
وَالْبَرَقِ اِسْمَہُ جِسْمُہُ مُطَهَّرٌ مَنْوَرٌ مَوْلٰی الشَّقَلِیْنِ



دہس ہے دوہائی سیماں بن داؤد پیغمبر کی جل بسمت ہو یک بلا جائے  
 یک بلا جائے ثناء تر سوا لاکھ پیغمبر کا بھر ٹھاپ رُسے ناتہ چور اسی سدا بھاگا  
 سراپ جی کرتی تی مرنے دہائی شاہ شرف الدین احمدی کی منیری کی حق  
 کہتے عص و حَمَّ عَسَق و حق لعلیلا و لعلیولہ و لعلیکن لہ  
 کفوا احد و نزل من القرآن ما هو شفاء و دَحْمَت  
 للمؤمنین و لا یزید الظالمین إلا خساراً

کا لانا ہننا زلا بسے سمت در تیر

پنگہ پیائے بکہ ہرے بزل کرے سریر درد رہے نہ پیر  
 بحق لا الہ الا اللہ محمد و سؤل للہایں دودھہ راسہ بار بخواند  
 شرف حرف بایل کہیں درد کچھو نہ بساے  
 گرد چھویں دربارگی شود درد دودھ ہو جلیے  
 (از بیاض ملوکہ مولوی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر پیسہ اخبار)

# شاہ کبیر یا کبیر داس

یہ ذات کے چولہے اور بنارس کے رہنے والے ہیں کہتے ہیں کہ اُن کی وفات  
 پر مسلمانوں نے انہیں سوم اسلام کے مطابق دفن کرنا چاہا۔ اور ہندوؤں نے اپنے  
 مذہبی طریق پر جلانا چاہا۔ اس سے کم از کم دونوں قوموں میں ان کی ہر دلعزیزی  
 مسلم ہے صاحب دبستان نے جو حالات سنئے ہیں وہ زیادہ تر ہندو ذرائع سے  
 اخذ ہیں۔ ان میں انہیں رمانند کا چیلہ بتایا گیا ہے۔ ہندی نورتن سے معلوم ہوتا  
 ہے کہ ان کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی۔ لڑکے کا نام کمال اور لڑکی کا نام کمالی  
 تھا۔ کبیر کے کلام میں قدم قدم پر مسلمان اثر نمایاں ہے۔ اگرچہ اس کا کلام کبیر متحویں  
 اور ہندوؤں کی مزاولت میں رہنے سے بہت کچھ مسخ ہو گیا ہے اور اکثر غیر کبیری  
 کلام اس میں شامل کر دیا گیا ہے۔ تاہم مسلمان صوفیوں اور کبیر کے کلام میں بہت کم  
 فرق دیکھا جاتا ہے۔ اکثر امور میں وہ صوفیوں کے ہم آواز ہے۔ عشق الہی۔ ذکر۔  
 فنایت۔ عویت۔ حیرانی۔ ترک و تجرید۔ موت کی یاد۔ دنیا کی بے ثباتی۔ ہمہ اوست  
 جو صوفیہ کے ممتاز مضامین ہیں۔ کبیر کے ہاں عام ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ اس کے  
 اکثر اشعار میں مسلمان شعر کی یاد دلاتے ہیں۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں م

ہر کسے پنج روزہ نوبت اوست

کبیر کہتے ہیں ۶ کبیر نوبت اپنی دن دس لیو بجائے

خود ہی کا شعر ہے ۷

چہ بندی تو دل بر سرے فسوس کہ ہر ماں ہی آید آدائے کوس

کبیر کہتے ہیں ۸



کبیر سر پر ہے کیا سوئے سکھ چین      سوانس نکارا کوچ کا باجت ہے دن برن  
ابو الفرج کہتا ہے ۛ

ہر کس بقدر خویش گرفتار منت است      کس راندادہ اند برات مستی

کبیر کا قول ہے ۛ

راہاد کھیا پر جاد کھیا جوگی کو دکھ دونا ری      کیے کبیر سونو بھائی ساد ہو کوئی مندر نہیں سوناری  
مولانا روم ۛ

چشم بند و لب بہ بند و گوش بند      گز نہ بینی ستر حق برمن بہ خند

اور کبیر ۛ

دیکھ ہی دیکھ تجھ میں تیرا دہنی دم کو روک دیا رپاے

دم کو روک اور مول کو بند کر چاند سو بج گھر ایک آئے

کبیر کا یہ شعر ہمیں غمخام کی یاد دلاتا ہے ۛ

مالی کہے کہا رکوں تو کیا روندے مو ہیں      اک دن ایسا ہو دیگا میں روند ونگی تو ہیں  
کبیر کی زبان اردو سے بہت ملتی جلتی ہے۔ دس فی صدی سے زیادہ اس کے ہاں  
فارسی الفاظ ہیں۔ بلکہ ایسے فارسی محاورے جو اردو کے ذریعہ سے عام میں آج  
تھے اس کے ہاں موجود ہیں۔ مثلاً نوبت زدن فارسی محاورہ ہے۔ کبیر نے اس کا  
ترجمہ نوبت بجانا کر لیا۔ اسی طرح "نیشہ بر پا زدن" و "خور دن" فارسی کا ایک اور محاورہ

ہے۔ کبیر اس کا بھی استعمال کرتا ہے۔ چنانچہ ۛ

دین گنو ایو سنگ نی دنی نہ چالی ساتھ      پا نو کھلاڑی ماریا مورکھ اپنے ماتھ

فارسی کی ضرب المثل ہے :- ۛ

کد زنگی بشستن نمک و د سفید

کبیر اپنے انداز میں یوں لکھتا ہے :-

کو بلا ہوئے شاوہر و نو من صابن لائے

ان چند امثال سے جو بیٹے یہاں دکھائی گئے ہیں۔ ظاہر ہوتا ہے کہ کبیر اپنے نخیل جذبات اور مقولات میں بہت کچھ مسلمانوں کے زیر اثر ہے۔ اور کیاس کی تربیت مسلمانوں میں ہوئی ہے۔ لیکن جس طرح حضرت عیسیٰ نے یورپ پہنچ کر پورین خط و خال پیدا کر لئے ہیں۔ اسی طرح کبیر کے کلام نے ہندو کی صحبت میں رہ کر ہندو کی شکل اختیار کر لی ہے۔ کبیر کے معتقدین نے یہی نہیں کیا بلکہ ایک قدم اور بلند برداری کی ہے۔ یعنی کبیر کے نام پر ایسے آیات اور نظمیں شائع کی ہیں جو اسلام پر حملہ ہیں۔ مثلاً یہ شعر کبیر کے نام پر شہرت رکھتا ہے ۷

کانکر پاتھر چوڑے کے مسجد بسنی بناے    تا چڑھ ملا بانگ بے ہرا ہوا خدائے

کیا یہ سمجھا جائے کہ کبیر جو مسلمان اور مسلمان زادہ تھا اور مسلمان گھر کا پرورش یافتہ اذان جیسے معمولی رکن اسلامی کی غایت اصلی سے ناواقف محض تھا۔ مسلمانوں کا بچہ بچہ تک جانتا ہے کہ اذان کا مقصد اعلان نماز ہے۔ تاکہ نمازی بروقت جمع ہو جائیں۔ نعوذ باللہ یہ مقصد نہیں کہ خدا برا ہے۔ اسی طرح ایک اور شعر ہے۔

مسلمانوں کے پیر اولیا مرگی مرگا کسائی

فالاکاری بیٹھی بیاہیں گھر ہی میں کر بنگائی

اس شعر میں پہلا اعتراض مرغامنی کے ذبیحہ پر ہے۔ دوسرا اعتراض خال کی بیٹی بیاہنے پر۔ یہ اعتراض محض ہندو نقطہ نظر سے ہیں۔ اور ہر وہ شخص جس نے مسلمانوں میں پرورش پائی ہے اس کو لغو سمجھیں گے۔ کبیر ایک صاحب ترک و تاجر بد شخص ہے اس کے مساک کو ایسے فریقی مسائل سے کوئی لگاؤ نہیں۔ کبیر اپنی اصلی نظموں میں اپنے آپکو مسلمان جو لاہم کہتا ہے۔ اس کی ایک نظم میں بار بار اپنے آپ کو مسلمان جو لاہم کہتا ہے۔ جس کا پہلا مصرع یوں شروع ہوتا ہے :-

### ”مسلمان چلا ہر ایک“

دوسرا مصرع مجھ کو یاد نہیں رہا :-

کبیر کا بارہ ماسہ راقم کے پاس موجود ہے۔ جو انہوں نے اپنے مرید سید مراد کی فرمائش پر لکھا ہے۔ اس میں سمت تصنیف سنہ ۱۱۳۰ دیا ہے۔ جو غالباً کوئی اور سمت ہے۔ میں اس کا ابتدائی بند یہاں نقل کر دیتا ہوں :-

گئی سپر آب و بو ڈٹا پا بناں پیو کمپوڑنا پا سبھی سیں کھیل گندائی پیہ کی نہیا نیک نہیں پائی  
ساتھ رکھیں حالت سجاتی گورکی چن نیک نہیں مانی چھن چھن یہ بھی اتھ بیٹا پیہ کو سمرن کچھ نہ کیان  
سبچ بن کار تھ کھویو برہی نام کبیرا دیو جیلا سید مراد سبانا جن گورچھن ساتھ گورانا  
موسوں کی وہ یاسا کمپوڑموکوں بارہ ماسہ مانس مانیں جو لکھیا تے جگ کون آسے تاکا

برہی سمت ہے بھبھو گیارہ سے آدھیں بارہ ماسہ میں کموں پنڈت دیو اسیس  
صاحب محزان الاصفیا (ص ۴۴۶) کبیر کے متعلق لکھتے ہیں :-

”فرید و عقیقہ شیخ تقی است از اولیاء اللہ و مشاہیر عہد خود است و جمال دلالت  
را در طریق دلالت مستور داشتہ و در موجدان دقت خود ممتاز بود و اورا در  
زبان ہندی کلام بسیار عالی است کہ بر علو درجات او وال است و اگر  
در کلام او تفحص و تجسس کردہ آید نوے از قسم وصال یافتہ مے شود  
و فراق را در ساحت وصلت ادا صلا عبور نیست۔ و اہل کسے کہ بزبان  
ہندی حقائق و معارف بیان فرمودہ اوست و انواع اشعار ہندی دارد  
لیکن اکثرے از جنس بشن پد و ساکھی از مے منقول است و اگر بنظر انصاف  
بینی جو اہر و قائق و لالی حقائق بہ زبان سنجیدہ است کہ مثل آں و کلام  
دیگرے یافتہ نمیشود۔۔۔۔۔۔ و از قوت باطنی او آنکہ اہل اسلام و ہنود  
ہر دو فریق بر اعتقاد کامل دارند و از خود شمارند چنانچہ در اہل اسلام

ہر یک کبیر در ہندو بہ بھگت کبیر اشتہار دارد“  
شیخ عبدالحق اپنے دادا شیخ سعد اللہ متوفی ۹۲۵ھ کی بارے کبیر کے متعلق  
ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :-

”عمی میفرمودند رونے از ایشان پرسیدم این کبیر مشہور کہ بن پدائے ہے  
میخوانند مسلمان بود یا کافر؟ فرمودند موصد بود۔ عرضہ کردم کہ موصد مگر  
غیر کافر و مسلمان است؟ فرمودند فہم این معنی دشوار است نخواہید فہمید“  
(اخبار الاخیار ص ۳۲۳)

کبیر کے زمانہ وفات کے متعلق بہت کچھ اختلاف ہے۔ اکثر مصنفین ان  
کو سلطان سکندر لودھی کے عہد میں مانتے ہیں۔ مثلاً ابوالفضل اوصاحب دہلی  
الذہب اس طرح ان کی وفات دسویں صدی ہجری کے پہلے ربع میں ہونی  
چاہئے۔ لیکن سرکاری آرکائیو جیکل رپورٹ انڈیا قذیمہ و محظوظات صوبہ  
شمال و مغربی وادوہ (ص ۲۲۷) میں لکھا ہے کہ بجلی خاں نے کبیر کا روضہ وضع  
گھر ضلع بستی میں (جہاں کبیر وفات پاتے ہیں) ۱۵۷۷ء میں طیار کر آباد جمال  
۱۵۵۲ھ کے مطابق ہے) اور ۱۵۷۷ھ میں فدائی خاں نے بعد اکبر اس روضہ  
کی مرمت کرائی۔ شاہ کبیر کی یادگار میں ایک مسجد شہر جونپور میں بابا بھیک نے  
۱۵۹۱ھ میں تعمیر کی ہے۔ کبیر کی اوتاف کے لئے دو گانہ شاہی زمانہ سے  
معافی میں چلے آئے ہیں۔ ایک گانہ مسلمانوں کے قبضہ میں ہے اور دوسرا  
ہندوؤں کے قبضہ میں۔ کبیر کے مزار کے برابر ہندوؤں نے کبیر کا سادھ بنا  
رکھا ہے۔ سادھ میں ایک سادھو رہتا ہے۔ اور مزار پر مسلمان مجاور ہیں۔  
کبیر کی تحریک ان اثرات کی آواز بارگشت ہے جو اسلام کی موجودگی  
سے ہندوستان میں برعکس کار آئے ہیں۔ کبیر کی آواز توحید کی نشر و اشاعت

اور بت پرستی کی بیخ کنی میں نہایت مفید ثابت ہوئی ہے۔ اور ہندوستان کے ایسے مذاہب پر جو اس کے بعد وجود میں آئے ہیں اس کا اثر نہایت گہرا ہے مثلاً کبیر پن্থیوں کا وہ پیشوا مانا جاتا ہے۔ دادو پنٹھیوں۔ ستنامیوں اور نالک پنٹھیوں پر بھی کبیر کا پر تو نمایاں ہے۔ مسٹر بوس کا بیان ہے کہ کبیر نے ہندوؤں کی بارہ تیرہ مذاہبی تحریکات پر اثر ڈالا ہے۔ بلحاظ شاعری اس کا پایہ بہت بلند ہے۔ ہندی زبان کا درحقیقت پہلا بڑا شاعر ہے۔ اس کا کلام سادگی، تاثیر، صفائی، جدت، معنی آفرینی، سوز و گداز اور شیرینی ادا کے اوصاف سے آراستہ ہے۔ کبیر کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ دقیق سے دقیق خیال کو چند معمولی الفاظ میں ادا کر سکتا ہے۔ جس کو خواندہ و جاہل اور عامی و عالم سب سمجھ سکتے ہیں۔ اور اسی کمال کی بدولت اس کو دائمی شہرت کا تاج مل گیا ہے۔ تلسی داس اور سور داس اگرچہ کبیر سے بہت بعد گزے ہیں۔ لیکن ان کا کلام اس قدر دقیق اور عالمانہ ہے کہ ہم اس کا اکثر حصہ سمجھنے سے قاصر ہیں لیکن کبیر کے ہاں یہ دقت محسوس نہیں ہوتی۔ اگرچہ اس کا دطن بنارس ہے لیکن اس نے وہ زبان استعمال کی ہے جو اس زمانہ میں عوام الناس کی زبان تھی۔ اسی لئے اس کا کلام اردو کے اس قدر قریب ہے کہ آج بھی اس کا سمجھنا دشوار نہیں۔ کبیر کی تصنیفات سے بعض ریختہ بھی مشہور ہیں اسی طرح اس نے فارسی بحروں میں بھی لکھا ہے۔ اور دیکھا جاتا ہے کہ بعض موقوفوں پر اس نے ردیف و قافیہ کی بھی پابندی کی ہے۔ میں یہاں دو مثالیں درج کرتا ہوں :-

خلق سب میں کا سینا، سمجھ من کوئی نہیں اپنا      کھن بیروہ کی دھارا، بھاسر جات سنسارا  
گھڑا جو نیر کا پھوٹا پست جو ڈار سے ٹوٹا      اس زرجات جندگانی بھوں لگا بھیانی

ہمو دوست دیکھتے گوراجکت میں جیونا تھورا      تجو ہرلو یہ جترائی رہو ننگ جگ نامیں  
 نکس جیب پران جاوینگے کوئی نہیں کام دینگے      جس پر ادرست وارا اسی دن ہوینگے نیارا  
 اس زرجان یہ بیا لگائے نام سے یہا      کئے جسم بال کی پھانسی کسے کبیرا بی ناسی  
 (کبیر پچناولی ص ۱۵۳)

دیگر

سنتا نہیں دھن کی خبر ان حد باجا باجتا      رہمند مند گاجتا باہر مٹنے تو کیا ہوا  
 گاجا انیم دپوستا بھنگا دشر ہیں پوتا      اک پریم رس چاکا نہیں ملی ہوا تو کیا ہوا  
 کاسی گیا اوردوار کا تیرہ سکت پھر پھر      گانتھی نہ کوئی کپٹ کی تیرہ گیا تو کیا ہوا  
 پوتھی کتا ہیں باجتا اوردوں کو نت بھادتا      نہ کوئی محل کھوچے نہیں بک بک مر تو کیا ہوا  
 قاضی کتا ہیں کھوجتا کرنا نصیحت و کو      ہوم نہیں اس حال سے قاضی ہوا تو کیا ہوا  
 شطرنج چو پڑگھنہ اک نہ دے بدگ کی      بازی نہ لائی پریم کی کھیلا جو تو کیا ہوا  
 جوگی دگنبر سے بڑا کپڑا رنگے رنگ لال سے      واقف نہیں اس جگ سے کپڑا رنگا تو کیا ہوا  
 من رہر کے راڈی گل جن میں رہتے سدا      کہتے کبیرا میں سہی گھٹ گھٹا ہیں بارم

(کبیر پچناولی)

یہ نظمیں اچھی خاصی اردو کلائے جانے کی مستحق ہیں۔ لیکن مجھ کو شبہ ہوتا ہے کہ وہ کبیر کی نہوں اور بعد میں کبیر کی طرف منسوب کر دی گئی ہوں۔ بات یہ ہے کہ ہندی ادبیات میں ہم ہر قسم کی ابتری اور آشوب سے طاقی ہوتے ہیں۔ قدامت کے حالات اور ان کے سنیں حیات و ممات سے ہندی ادیب اکثر بے خبر ہیں۔ اسی طرح اساتذہ کے اصلی اور غیر اصلی کلام کی کوئی تمیز نہیں ہے۔ اب اسی کبیر کی طرف اسٹیج پاسی تالیفات منسوب ہیں۔ خدا جانے ان میں کتنی کبیر کی ہیں اور کتنی الحاقی اسی طرح اپنے ادبی ذوق کی قدامت ثابت کرنے کی دھن میں وہ ہر غود ستاویز کو پر بھی لاج

اور اُس کے جانشینوں کے عہد کی انہی کیلئے تیار ہیں ۔  
 میرا خیال ہے کہ کبیر کے بعد بھی کبیر کے نام پر براہِ نظمیں لکھی جاتی رہی ہیں  
 کیونکہ بعض نظموں میں اسی اشیا اور چیزوں کا ذکر آتا ہے۔ جو کبیر کے عہد میں رائج نہ تھیں۔ مثلاً  
 بندوق۔ تماکو اور دُور بین۔ بندوق اگرچہ دکن میں پہلے سے رائج تھی۔ لیکن  
 ہندوستان میں بابر کے عہد تک بھی بڑت کم معلوم تھی۔ اور عام استعمال میں ہرگز  
 ہرگز نہ تھی۔ تنباکو ہندوستان میں اکبر کے عہد میں آتی ہے۔ اور دور بین تو گزشتہ  
 صدی میں یورپین لاتے ہیں۔ میں اُن کی مثالیں ذیل میں عرض کرتا ہوں  
 تیرتیاک سے جوڑے سو تو سو رہوے  
 مایاتج بھکتی کرے سو رکھاٹے سوے (کبیر پنچاویں)

دیگر ۷

کب تارو بندوق چلایا داس دیو کب بنج بجا یا (کبیر پنچاویں)

دیگر ۸۔ ۶ بھنگ تماکو سلفا گانجا سوکھا کموب ادڈا یا سے (کبیر پنچاویں)

دیگر ۹۔ ۶ تھرے دواہے دور میں لگا ہے اترے بو جھل پارا د (کبیر پنچاویں)

## شیخ بہاء الدین باجن متوفی ۹۱۲ھ

مفسر آخر قرن نہم کے بزرگ ہیں۔ اور شیخ رحمت اللہ گجراتی بن مخدوم شیخ عزیز اللہ متوکل کے مرید ہیں صاحب خزینۃ الاصفیاء شیخ عزیز اللہ کے مرید بتاتے ہیں (ص ۳۱) شیخ رحمت اللہ محمود بیک ۷۶۳ھ و ۹۱۹ھ والی گجرات کے پیر ہیں۔ شیخ بہاء الدین کے والد کا نام معز الدین ہے۔ اور مزار برہان پور میں ہے اُن کے بھائی میاں بھی شیخ رحمت اللہ ہی کے مرید تھے۔ سال وفات بقول تذکرہ گلزار ابرار ۹۱۲ھ ہے کچھ مذت سیاحی بھی کی ہے۔ ادھر گجرات سے سندھ و خراسان تک گئے۔ ادھر جزیرہ سیلان تک پہنچے \*  
 شیخ باجن ہندی و فارسی میں اشعار لکھتے تھے۔ اور باجن تخلص کرتے تھے۔  
 باجن کے معنی ہندی میں ساز کے ہیں۔ انہوں نے فارسی زبان میں ایک تصنیف اپنے پیر کے حالات اور مریدوں کی ہدایت میں لکھی ہے۔ اور اس میں اپنے اشعار کثرت سے لائے ہیں۔ باجن پہلے شخص ہیں جنہوں نے اردو زبان کو ”زبان دہلوی“ کے نام سے یاد کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو ان ایام میں بھی برہنہ بھاشہ سے علیحدہ مانی جاتی تھی۔ ان کے ہاں صرف ایک نمونہ اس اردو کا ملتا ہے۔ میں اس کو اس سے پیشتر انہی صفحات میں نقل کر چکا ہوں نمونہ و کلام :-

مناجات ۷

روئے دہرہ نماز گزاری دینی فرض زکوٰۃ بن فضل تیرے چھوٹا ناہیں لگیں کہیں بات

دوہرہ ۷

بھو زالیو سے پھول رح سیاحی باسن باجن ملے سچے آس کہ جو زاکھ را دہا



دوہرہ ۵

ناز بنیانہ وہ جاسیہ تا وہ مائی باپ کھلایا باجن سہاد آپ نہ پٹایا پرگٹ ہو پر آپ لگایا

دوہرہ ۵

باجن وہ کسی سر کپھانیں اور اس سر کپھانیں کھے جیسا کوئی من نہ چنت ہے ویسا بھی نہ ہے  
دوہرہ ۵ باجن جو کیسے عیب ڈھانکے اس تھے درجن تھر تھر کانپے  
نعمت علی اس تھے پاٹی میں پیاں رکھا، اکھیاں پائی پھمائی

دوہرہ ۵

باجن جھکیاری بکسان کرے گا دلے اپنی بیک کارن کچ کچ کہیگا  
جو کچ قسمت میں ہے سو ہی لہیگا گدا کوں تبو ہی براتا ہے گے گا

دیگر ۵

محمد سرور پریم کارِ رحمت اللہ بھریا باجن جیو ڈاوار کر سر آگین دھریا  
عقدہ ۵

ایک آہیں جاگتہ اور نہ بھی جگا د نہ پھرے پھرے سبدہ سنا د نہ  
الٹک الٹک بیٹھی ہے چوکیاں جاگو لوکا جاتی رات

دوہرہ ۵

باجن کوئی نہ جانے وہ کد تھا اوک تھے پرگٹ ہوٹا  
وہی جانے آپ کوں جب تھے پرگٹ ہوٹا



# قطبن

اصلی نام معلوم نہیں تخلص قطبن ہے اودھیا شہ کے سربراہ اور شاعر ہیں  
 ان کے متعلق میری اطلاع کا تنہا ماخذ ناگری پرچاری سبھا بنارس کی ۱۹۰۳ء  
 کی رپورٹ ہے جو سیام داس صاحب بتی۔ آے آنیری سکریٹری سبھا مذکور نے  
 تیار کی ہے۔ اور یو۔ پی کی گورنمنٹ نے اپنے خراج اور حکم سے چھپوائی ہے۔ سبھا  
 کی یہ رپورٹیں جو صرف ہندی خطوط سے تعلق رکھتی ہیں سن ۱۹۱۷ء سے  
 شروع ہوتی ہیں۔ ابتدا میں سالانہ رپورٹ شائع ہوتی رہی۔ بعد میں سہ سالہ رپورٹ  
 کی شکل میں تبدیل کر دی گئی۔ اور ستر سیام داس ہی ایڈیٹر ہے۔ یہ رپورٹیں ایک  
 مسلسل شائع ہوتی رہی ہیں۔ ان رپورٹوں نے ہندی فلمی ادبیات کی تلاش  
 اودھ۔ بہار۔ اصطلاع متحدہ۔ مالوہ۔ راجپوتانہ اور بنڈیل کھنڈ وغیرہ میں جاری  
 رکھ کر جہاں جہاں فلمی ذخائر کا سراغ لگا ان کی فہرست اپنے ذیل میں شامل کر لی  
 ہے۔ ان فہرستوں سے ہندی کے ذخیرہ پر ایک نہایت ہی حیرت بخش روشنی  
 پڑی ہے۔ اور سینکڑوں نادرا اور نامعلوم کتابیں دریافت ہوئی ہیں۔ درحقیقت  
 ناگری پرچاری سبھا نے یہ ایک نہایت مفید کام ہے جو تکمیل کو پہنچایا ہے۔  
 طباعت کے مصارف گورنمنٹ صوبہ متحدہ نے برداشت کئے ہیں۔ ہم ستر  
 سیام داس کو ان کی محنت۔ ہمت ذوق اور استقلال کا مل پرچو انہوں نے ہمارے  
 دطن کے خطوط کے تحفظ میں دکھائے ہیں۔ مبارک باد دیتے ہیں۔ اور  
 دعا کرتے ہیں کہ اردو کے میدان میں بھی خدا مسماؤں کو یہی توفیق عطا  
 فرمائے۔

ناگری پر چارنی بیچا کی تازہ دریافت کہ وہ کت بوں میں قطبن کی تصنیف  
مرگادتی بھی شامل ہے۔ یہ ایک نظم ہے جو محمد جانیسی کی پارادت کی طرح ایک عشقیہ  
افسانہ ہے۔ قصہ کا خاکہ مسٹر سیام داس نے اس طرح بیان کیا ہے :-  
"راجا گنپت دیو چندرگیری کے راجہ کا فرزند شہزادی مرگادتی کے عشق میں مبتلا  
ہو کر صحرائوں کی اختیاری اختیار کر لیتا ہے۔ شہزادی کی خننگ کے راجہ روپاٹرا کی دختر  
بلند اختر ہے۔ راج کنواری اور کمالات کے علاوہ فن پرواز سے بھی واقف  
ہے۔ شہزادہ بڑی اور مسلسل مصائب کی برداشت کے بعد شہزادی تک  
رہائی حاصل کرتا ہے۔ اود بیاہ ہو جاتا ہے۔ بیاہ کے کچھ عرصہ کے بعد شہزادی  
یکا یک غائب ہو جاتی ہے۔ اور شہزادہ کو اس کی تلاش میں پھر بیاہوں کی  
خاک چھانی پڑتی ہے۔ وہ ایک دریا سے محسوس پہاڑی پر پہنچتا ہے۔ اور  
ایک عورت کو جو کسی راکشش کے قید میں تھی۔ رہائی دلاتا ہے۔ اس  
عورت کا نام رکن تھا۔ رکن کا والد اس شکر گزاری میں رکن کا بیاہ شہزادہ  
کے کرتا ہے چند روز کے بعد شہزادہ چھپ کر چل دیتا ہے۔ اور متواتر تکایف  
اٹھانے کے بعد اسی شہر میں پہنچ جاتا ہے جہاں مرگادتی اپنے باپ کی وفات  
کے بعد اس کی جانشین بن کر راج کر رہی ہے۔ میاں بیوی دوبارہ مل جاتے  
ہیں۔ اور شہزادہ حکومت میں شریک ہو جاتا ہے۔ دو دنوں بارہ سال تک  
نہایت راحت اور آسائش کے ساتھ حکومت کرتے ہیں۔ راجہ گنپت دیو اپنے  
فرزند کی لمبی جدائی کی تاب نہ لا کر اس کی تلاش میں آدمی روانہ کرتا ہے۔ جو  
رکن کے شہر ہوتا ہوا کچن نگر پہنچ جاتا ہے۔ اور راجہ کا ضروری پیغام شہزادہ  
کو پہنچا دیتا ہے۔ شہزادہ اپنی بیگم مرگادتی و خدم و حشم سمیت روانہ ہوتا  
ہے۔ اور راستہ میں سے رکن کو لیتا ہوا مع الحیر اپنے باپ کی راجدھانی

پہنچ جاتا ہے۔ شہر میں اس کی آمد پر بڑی خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ اور شہزادہ  
 کئی برس تک اپنی دونوں بیویوں کے ساتھ بڑے لطف سے زندگی بسر  
 کرتا ہے۔ ایک دن شہزادہ شکار کھیلنے گیا۔ اور اپنے ہاتھی سے گر کر فوت  
 ہو گیا۔ اس کی وفادار بیویاں اس کی نعش کے ساتھ جل کر مر جاتی ہیں۔  
 اور قہر ختم ہو جاتا ہے۔“

مسٹر سیام داس کی نگاہوں میں اس کتاب کی اہمیت اس لئے بڑھ گئی ہے کہ  
 ہندی ادبیات کا اکثر حصہ سری راجندر اور سری کرشن کی مناقب آرائی پر  
 وقف ہے۔ حال حال ایسے شاعر گزے ہیں۔ جنہوں نے ملک محمد جاسی  
 کی طرح عشقہ فسانوں یا حکایات پر قلم اٹھایا ہے۔ قطبن اس سلسلہ کا غالب  
 پہلا ہندی شاعر ہے جس نے جاسی سے بھی تیس سال قبل افسانہ نگاری کی  
 بنیاد ڈالی ہے۔ مسٹر سیام داس کا بیان ہے کہ ”قطبن کا سر پرست حسین ساہ  
 شیر شاہ سور کا باپ ہے“ اور حاشیہ میں اضافہ کرتے ہیں کہ حسین شاہ بعد  
 میں جو پنور کا بادشاہ ہو گیا۔ جب ۱۷۹۷ء میں بہلول لودھی نے جو پنور کا الحاق  
 دہلی کے ساتھ کر دیا۔ حسین ساہ بہار میں جا کر ۱۷۹۷ء تک حکومت کرتا رہا۔ اس  
 سال سکندر لودھی نے بہار پر حملہ کیا۔ حسین شاہ کو شکست ہوئی اور بھاگ کر  
 بنگالہ چلا گیا۔ اور کچھ سال بعد وفات کر گیا۔“

یہاں مسٹر موصوف کو تھوڑا سا مغالطہ ہو گیا ہے۔ وہ جن سور شیر شاہ کے  
 باپ جاگیر دار سہرام اور سلطان حسین شرقی والی جو پنور ۱۷۶۵ء و ۱۷۶۵-۶۹ء  
 کو ایک ہی شخص فرض کر رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ قطبن کا سر پرست نہ حسن سور  
 ہے۔ اور نہ حسین شاہ شرقی ہے۔ اس لئے کہ مرگا دتی محرم ۱۷۹۷ء کے پہلے  
 منتصف میں تصنیف ہوتی ہے۔ اور حسین شاہ شرقی اس سے چار سال پیشتر یعنی

۹۰۵ھ میں فوت ہو جاتا ہے۔ حسین سوہ کو قطبن کا مُربی ماننا بھی دور از کا رہے  
 اس لئے کہ دونوں کے نام مختلف ہیں۔ یعنی مرگا دلی کا مصنف اپنے مدارج کا  
 نام حسین شاہ بتاتا ہے۔ اور شیر شاہ کے باپ کا نام حسن ہے جو ایک معمولی جاگیردار  
 تھا۔ میرے خیال میں قطبن کا سرپرست علماء الدین حسین شاہ والی بنگالہ ہو گا۔  
 جس نے ۸۹۹ھ سے لیکر ۹۲۵ھ تک حکومت کی ہے۔ یہ بادشاہ ہندی اندنگالی  
 ادبیات کا ایک سرگرم سرپرست تھا۔

قطبن اپنے مرشد شیخ بدہن کے ذکر میں کہتے ہیں :

شیخ بدہن جگ سا چا پیرد نام ایست سدہ ہوئے سریرد  
 قطبن نام لئی پادہرے سرردی وہ جگ نہ مرے  
 پاجھیلے پاپ دہے سب گئے جھڑیں پرانے اور سب نئے  
 نیکے بھیا آج اوتارا لال سب سوں بڑ سو پیر ہمارا  
 جیہ کو باٹ دکھائی ہوئے پنچے ایک نمک میں سوے  
 دوہرا اس گرو پنہتھ دکھائے دین ہے جو مل جانے کوے  
 نمک ایک میں پنچے جو رت بھائے سو ہوے

اور حسین شاہ کے لئے کہتے ہیں :

شاہ حسین آہے بڑ راجا چھتر سنگا سن ان کو چھا جا  
 پنڈت ادبدھ دنت سیانا پڑھے پورا ان اتھ سب جانا  
 دھرم دودھ سٹل ان کو چھا جا ہم سرچھاہ جیو جگ راجا  
 دان دیے اوگنت نہ آئے ملی اوکرن نہ سر بر پائے  
 راتے جہاں لوں گئے رہے ہیں سیدو اکرہیں یا سب چھ نہیں



## شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ فی ۹۴۵ھ

آپ کے والد کا نام اسمعیل ہے اور شیخ محمد بن شیخ عارف بن شیخ احمد عبدالحق چشتی صابری کے مرید ہیں۔ اور صاحب تصنیفات کثیرہ ہیں۔ از اسمحکمہ انوار العیون۔ رسالہ قدسیہ۔ رسالہ نور الہدی۔ رسالہ قرۃ العین اور رشد نامہ ہیں۔ ان کے مکتوبات مولانا خضر بدین بن رکن جونپوری نے جمع کیے ہیں۔ ۹۴۵ھ میں وفات پائی۔ وہ ہنری کے بلند مرتبہ شاعر ہیں۔ لکھ داس تخلص کرتے تھے۔ نمونہ کلام:-

سرود در پردہ پوری ۷

دہن گارن پی آپ سنوارا      دہن سبھی کنت کنھارا  
شہہ کھیلے دہن مانیں ایوان      پاس بھول منہ اچھے حیواں  
کیوں نہ کھیلوں تیج سنگ میتا      مجھ کارن تیں اینا کیتا  
لکھ اس آکھے سن سوٹی۔      سوئی پاک اکتھ پن سوٹی

سید ۷

ایک تھیں ہم اننت بھیلی آپ بیاہی      سہجہ سہجہ کینا سہجہ رانا ایام سسر اجوائی  
دوہرہ ۷ ایک اکیلا آپ سو جہ تھیں یسنار      آتھ نیا تھ قہول سوس بھی ایک لکار

دوہرہ ۷

جدھر دیکھوں سب سبھی دیکھوں اور نکوی      دیکھا بوجھ بچا رمنہ سبھی آپیں سوے  
جیسو کنبہ آئید رمنہ تھیںو تیسو چند بندیں زمیو      باہر بھیت کما نجا بے سرب ترنتر اکی کاے  
چیت پاتی سٹا بھیل اہنس پوجا اچھی بھول      پوجو اہنس لا دیو ہیو سرب ترنتر آپیں دیو  
سید ۷ جل قتل مہیرا دراکاسن      پی سرب ترنتر تو لے پاس

توہ چھاڑ پیا کھ کھواں جانوں	جنتھہ رجائوں تنھہ تودہ اٹھائوں
باہر بھیت کس نجھاسے	سرب ترنتر اکیلی کاسے
الکھ داس آکھے مور کنت	دنہ جاک سکھی رات بسنت
جان اجاں سچھ کھیلنہ لوٹی	بن پی کھیلے ۛ کھیللا ہوٹی ۛ
جان اجاں جاک کھیلے ے	ہو ہو ہو ہو ہولی رے
بچھ کھیکنہ سکھی مہ جان	سرب ترنتر ہی پروان
جان اجاں جاک کھیلے بجاک	کنت بلایا یوں ہرے لاک
الکھ داس آکھے سن تانہاں	ہم تم کھیلینہ دی گل بانہاں

20/11/22

دیکھو دیکھو یمن پوچھو یمن دیکھو نوٹائی  
 سبھی رنگ تیر کا مایا رنگ سبایا پانی  
 رہنسی کیونکہ ناچوں سکسی پی جی رنگ چرمایا  
 تن میں جیو ایک نگہ دیکھا تو میں آپ کنوایا  
 عقده ۵ الکرہ اس آکھے سن لوے  
 دل دہنی کو موت بھائی کوئی نا  
 جل قہل ہمیں مر ب ترنتر  
 کورکھ ناٹھہ اکیرا سوئی

شلوک ۵ اپناشت پراناشت ماشت کجوت جکتر

بدھ باچامنوناشت تشریدی اکل بیتا

سید سے پہلے نہ پھیلے آئے نجاے  
کانشی کا سب کا نسی ہی سماے

جل تھیں اپنا بیل اچل میں اٹھ بلاے  
تیسرا یہ سینسار سمجھ مولنورہ جلے سماے

دوسرو

آپ کنواٹیں پی ملے پی کہوٹے سیدھے جئے

الکھ کتھا ہے پر م کی جے کوئی بوجھے مامے

## شاہ علی محمد حبیبو گام دہنی گجراتی

مید احمد کبیر رفاعی کی اولاد میں ہیں۔ اور سید عبدالرحیم کے پوتے ہیں۔ ۱۴ جمادی الاول ۱۲۹۳ھ کو انتقال کیا۔ اور ایک مرتبہ روضہ شاہ غری مدنون ہیں۔ ہندی کے شاعر ہیں۔ کتاب چشتیہ میں لکھا ہے کہ جب مخدوم بہاء الدین بڑا دی خاتم التارکین بسبیل سیاحت گجرات تشریف لے گئے۔ شاہ علی حبیبو کے عمان ہے اس قیام کے زمانہ میں میزبان نے اپنا ہندی کلام جو عجیب و غریب اور پُر لذت سحر میں لکھا تھا۔ لٹایا۔ اور اپنا ایک رسالہ جو نکات و دقائق موحدانہ پر مشتمل تھا ہدیہ دیا۔

شاہ علی حبیبو کے کلام کو ان کی زندگی میں ان کے مرید شیخ حبیب اللہ ابن عبدالرحمن القریشی الاحمدی نے ایک مختصر دیباچہ کے ساتھ مدون کیا ہے اور اس کا نام جو اہر اسرار اللہ رکھا ہے۔ دیباچہ حسب ذیل ہے:-

”میگوید بندہ فقیر و حقیر کہ یکے از کمینہ مریدان و خاکدہ حضرت رب العالمینؐ کی حضرت قطب الاقطاب العالم والافاق تاج الافراد سلطان العارین غوث الاعظم الشریف سلطان سیدی معشوق اللہ الحسینی الرفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ السلی بر شیخ حبیب اللہ ابن عبدالرحمن قریشی الاحمدی کان اللہ لہ کہ چند مکاشفات حضرت بندگی سید السادات سیدی و شعی شیخ العالم الشریف المطالب

---

لے تحفہ الکلام میں سید عبدالرحیم کا پوتا لکھا ہے۔ لیکن حبیب اللہ شاہ عمر کا پوتا بیان کرتا ہے۔  
یظاہر ہے کہ حبیب اللہ اپنے مرشد کے بعد کے نام سے زیادہ صحیح اطلاع دے سکتا ہے



حضرت اللہ تعالیٰ بخطاب سلطان العارفين و سلطان العالم الشريف بشاہ  
 علیجو معشوق اللہ قلند ابن شاہ ابراہیم ابن شاہ عمر الحبیفی الاحمدی رضی  
 اللہ عنہم .. .. در بیان توحید و اسرار با الفاظ گویا و جری بطریق نظم فرمودہ  
 بودہ دین مختصر آورده و جمع کردہ و آن ملفوظات حضرت سلطان العالم  
 شاہ علی محمد معشوق اللہ المناہت جو اہر اسرار اللہ را بکتاب جو اہر اسرار اللہ  
 نام داشتہ +

جو اہر اسرار اللہ کی یہ پہلی اشاعت ہے جس کا ایک نسخہ دیوان عطار رملو کو  
 پروفیسر سراج الدین آذر-ام-اے کے حاشیہ پر قوم ہے۔ یہ نسخہ گیارہویں صدی  
 کی ابتداء کا نوشتہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کی دوسری اشاعت شاہ علیجو کے پوتے  
 سید ابراہیم بن شاہ مصطفیٰ بن شاہ علیجو نے مرتب کی ہے۔ اس اشاعت کا ایک  
 نسخہ نوشتہ ۱۲۷۷ھ میرے پاس ہے۔ سید ابراہیم اپنے دیباچہ میں حبیب اللہ کی  
 اشاعت کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن اس کا نام ابو الحسن شیخ محمد ابن عبد الرحمن التبریزی  
 الاحمدی لکھتے ہیں۔ اور اس کا ایک فارسی نقیدہ بھی جو شاہ علیجو کی مدح  
 میں ہے نقل کرتے ہیں +

یہاں شاہ علیجو کے کلام کا نمونہ دیا جاتا ہے :-  
 نکتہء اول در مکاشفہ ۵

ایتہ بھاؤ جو یا یا لورے سو کیوں بھیس کچھو بھی جھو لے  
 نکتہء دوم ۵

نو کھنڈ ہو رنج اسمہ آپے سب پیو چہت تھیں جہتا ہوا ہے  
 ہوتوں دونوں ناؤ اسی کے آپیں لے سب بھیس جیسی کے  
 نکتہ سوم ۵

سرک ابھر ہو دمندر مارے ہو رچ اس منہ ندیاں بائے  
 مالک موتی سکھ سنگارا ۛ لئے سب بھیس پیا کاسارا  
 نکتہ چہارم ۛ

کبھیں ہو یا بے بھیس اکا سا ہو کر چندا تارے باسا  
 دیہ الا لانج بکھیرے ۛ روپ انپرے اپن میرے  
 نکتہ پنجم ۛ

کبھیں سو ہوئے نذہیا رنج آتا سانجی تی کر لائے دھاتا  
 ہو کر دیورا راتیں ساری لاکر جوت دکھائے بھاری  
 نکتہ ششم ۛ

کبھ پر بال بکھیر سو ساتھی چھپ کر ہوئے رات سنگاتی  
 ولی سنبھال سو بکھرے کیسا دن ہو آئے سورج بھیا  
 نکتہ ہفتم ۛ

ان بھرو لی کھیلے میرے بھیس کئے ہیں میرے تیرے  
 پرکھ نار ہو آپیں آیا ۛ دیکھو بھیس اوناری لیا یا ۛ  
 نکتہ ہشتم ۛ

کھیل جدھیا بھرو پا کھیلے ہنس تل بھی کھیل نہ میلے  
 آپیں نلچے آپیں گائے آپیں آپس بھاو دکھائے  
 نکتہ نہم ۛ

کبھیں تیج بھرا بھیس لیا دھرتی ہو کر آپ بچھاوے  
 کر پیت ہو بھاری بیسے سراں ہو کر نیوں بیسے ۛ  
 نکتہ دہم ۛ

ایک سمندر وہ سات کھائے      وہ ہنس بادل مینہ ہوا آئے  
دہی سمندر کروند دکھائے      ندیاں نلے ہو کر چائے

نکستہ یازدہم ے

کبھیں سو مینہاں ہو جھڑلائے      کبھیں موی قی اولے نکھائے  
کاج بیج ہنس تیں کھیلے      مار پرکھ ہو دہی سو بھیلے ۱

مکاشفہ ے

چاؤ اٹھیا اس میر ساتھی کی ہوں جا بھیل آؤں      کہیں سو راجا کہیں سو چا کہیں سو بند آپ کہاؤں

نکستہ ے

کہیں عاشق ہو کر راؤں کہیں غافل ہوئے بھانوں      کہیں تھک کہیں محقق کہیں سو جانوں کہیں غمانوں

نکستہ ے

بھید بند بکے کر دس بندگی ادب ہا ہو نہ ناز گزاریاؤں      ہوں حاجی ہوں کعبا آہوں پیراں پس اپر داروں

نکستہ ے

ہوئے بندے ہووے قیطان دیو آں پیراں کپکپاؤں      فرض کہیں ایہ باتاں تم پر پیار کر دنگا کر سیتاں

نکستہ ے

بھاؤ ناز جب لیاؤں کیر اعلیٰ تن یوں سپنواروں      دھنوسل کرنا نہوں کیر ازیم کپکپے بھر سنگاروں

نکستہ ے

متر عورت کر کا جھول آں پس پسنگاموں سا زلاؤں      کعبا ہو کر آپ دکھاؤں بھلے کر کر نکے لاسوں

نکستہ ے

آج سو تو یوں بھیس کئے ہیں علم قیام ہیں قہقہے کوئے      فرض نماز آپس پکیتی تس منہ تیرہ فرض سو جوئے

نکستہ ے

اسنہ بھلا سا زچو آہی سو بے شرطاں جانیں ہپارا      حدت خربت تھیں ہپلوں باری تین پاک کچ بھاسارا

نکلتے ۛ

دُجی فریضہ ایسے کپڑے پاک نازی چھٹے ۛ تیجی شرط سو تھاں پاک جھوٹو دے قدم مقدار سہنے

نکلتے ۛ

سجی کی بھی جو بیٹے بھائیو کھری پاک سو تھاں ۛ سو کیوں چکی تھام کیجے سیں ۛ جہاں سونا نہاں

نکلتے ۛ

چو تھی شرط سہتر عورت کی پن تو تسنہ بکٹ ادا نہیں ۛ مردوں کو تن ڈنپیا لوٹے دے دے تھیں تل کھوئی تائیں

نکلتے ۛ

ہوئے بیبیان دیل میلان نہ تن سارا ڈانپیا چوئی ۛ ولے نڈا ہیں کہ ہو پانڈ ہونڈ تھیں جہاں کٹ مٹی

نکلتے ۛ

مرد و بکسے ستر عورت باندیوں کی جانیں نیویں ۛ پنڈاں باندیاں اپنی اتناں پیٹا ہو پٹھن کی جی رہی

نکلتے ۛ اسیل عورت کے تن تکرے جیری کینہیں عرت ماہاں ۛ

چو تھا بھاگ کیلے جو اتمنہ پھیلے لاپنے بے اس تھاں

اگے نماز کی ہدائیں ہیں یس اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ شاہ علیچھو نے ایک آدھ

مقام پر فارسی بحر میں طبع آزمائی کی ہے۔ بحر ہرج مربع سالم ۛ

مکاشفہ در عقدہ ۛ

بجاری ہولای کھا دو ۛ دور و تھی آپ کوں کا دھو

نکلتے اقل ۛ پر مٹنگ جیو جن ماہاں ۛ سو دیکھیں نہ سہتا نہاں تنوں میں لو کہم کا نہاں

نکلتے دوم ۛ لو کی بھوکوں لو جھو ۛ گسٹیں ساج ان سو جھو ۛ پر م کی بات کہجہ جو جھو

نکلتے سوم ۛ جو جیو ڈاپو سوں لاگا ۛ مٹے جس نیہ کی آگا ۛ تنوں کا لو جو سب بھاگا

نکلتے چہارم ۛ جو لوٹیں تر بیر نا کہیں ۛ روزوں ہو ڈو کھ سکھ جا کہیں ۛ تنوں لے ناچتے آ کہیں

نکلتے پنجم ۛ بنو بول کچھ کا چو ۛ جو لاگے پیار تم ساچو ۛ تمہی بی بیوں ہیں نا چو

نکتہ ششم ۵ جنوں میں پریم کا بھٹکا      تئیں تل نیر کا کھٹکا      سو جانے مرم کا لٹکا  
 نکتہ ہفتم ۵ انہوں کی سیج شدہ سر بس      ہلکے پروانہ میں ہیں      مرے تپ کو لٹکے کھس  
 نکتہ ہشتم ۵ الٹی آنکھیں لاگے      سوتا یہ جیوڑا جاگے      جو انکا بوگہ بن بھاگے  
 نکتہ نہم ۵ پرکھی مادہ پڑاویں      سو سنتیں آپ کھوپڑیں      سو بیچے بان بنادھواریں  
 نکتہ دہم ۵ جو یا نا پو سنبر اے      پیاسوں پیار بڑھو اے      پرائس کینو کھو اے  
 نکتہ یازدہم ۵ جو اپنے کتہ بسر اے      پرائس اکھیا جاے      بھلا سو بیو دکھلاے  
 نکتہ دوازدہم ۵ دھوں جگڑا ہے کاجے      ساروں ستراج جرجاے      سین تن کیت نہ باجے  
 نکتہ سیردہم ۵ بڑبولیں لوگ ہیرے      کھلے پیرکان جن کیرے      سنے سب سادہ پیویرے  
 نکتہ چار دہم ۵ باجوں سب نہ دہ بولی      ناردوں اورد بانس ڈرہلی      پوچھیں جن جیو پیو کھولی  
 نکتہ پانزدہم ۵ بجنہ مانہ کو نا نہیں      کرے سب سادہ دہائیں      بنو لو بول ہب کاٹیں  
 نکتہ شانزدہم ۵ جو گادیں گیت بہانوں      نہیں اے پیو کے کاٹوں      سہی کربات تم جانوں  
 نکتہ ہفدہم ۵ ہمارے لوگ اے سارے      دیکھیں جب جو کیے پایے      تھامینہ جانو ہیں واسے  
 نکتہ ہیردہم ۵ نبی کی نین ات ماتی      سلونی اور رنگ اتی      کھلیں ہے پیو دکھلاتی  
 نکتہ نور دہم ۵ جھنڈا یا آج میں دیتا      سور سے پاؤ لک میٹھا      دھریا نہ لاتے منجے پیٹھا  
 نکتہ بیستم ۵ جو ایسے پیو کوں پاویں      اٹھیں ہو ہیر گل لادیں      پھریں ہو واریں لادیں  
 نکتہ تخلص ۵ سو ٹکن لٹکتا آے      ٹک گل بانہ جب پاہوے

علی تپ چانپ گل لائے



# شیخ خوب محمد ہشتی

گجرات کے رہنے والے ہیں۔ اور شیخ کمال محمد سیتانی کے مرید ہیں ۹۸۶ھ  
میں تصوف کی ایک مثنوی خوب ترنگ نامی تصنیف کی۔ اور سنہ ۱۰۸۶ھ میں اس  
کی شرح زبان فارسی لکھی۔ شرح کا نام امواج خوبی ہے۔ خوب ترنگ کی تاریخ  
تصنیف شعر ذیل کے دونوں مصرعوں سے الگ الگ یاد ہوتی ہے۔ بلکہ  
دوسرے مصرعے سے دوسری تاریخیں نکلتی ہیں +

خوب محمد کئے بچا + چودہ گھاٹ اوس برس ہزار

اور شرح کی تاریخ اس شعر میں بیان کی ہے : ۵

عدد شمار ز تاریخ شرح نعت محمد ہزار سال مکمل ز فکر خوب محمد

دیباچہ میں کہتے ہیں ۵

خوب کہیگا خوب ترنگ سنتیں کچھ نہ گونگ	یوں انکار نہ کجہ دیکھ	جاو ناں تیج یوں میں لیکھ
کے یہ تو کہتا ہے خوب دیکھو کہے کہتا ہے خوب	پلٹے جو چھو کر داد قرآن	تو اس کے بھوٹا مان
موت بوجھیں چھو کر داد اس کا کیا بوجھ برباد	جو بقدر کینیں نہیں پلے	جو ہر تو کیا ہنل کھلے
یہ جان مایہ نہوے بے مقصد تو تجھے یوں کہے	یہ تو کیا فلا نے یار	ایسا بوجھ کہے انکار
بتناں ملا لکچس بس بچے میں اس نہ کہیلے سو	جیوں ل غیبیم کی بتا	سن بولے بولی گجرات
تیوں تر جان ہونے دل کوں بدلتیں حل مشکل	میں مرشد تھیں بنیاں پنا	۷۳ مرشد صاحب نان
جنہو مجھے کھلایا دیں جو تھیں منجزل ہو ایقین	جیلانی بسطامی شاہ	بغداد جس چتر کلاہ
ہر ماضی رحمت بیک ہوں معتقد ہوا ان بیک	وارث محمدی ہرقانوں	شیخ کمال محمد تانوں
کیا عروج مقام اقدم اللہم اعف و ارحم	ادن کوں تھا یہ کمال	قد السلام خواہ رجال

اوتھیں میں بنیاد نہ رہا اس متبادیہ ہے کچھ بتا وہ جیوں بھول آئی ترنگ جع کئے تے تس تن ہنگ  
 خوب ترنگ اس میں یا خطا مدح رسول اللہ بتا یا اللہ سے مدح رسول ادبئی وستی کر قبول  
 جیوں میری بولی مذہباً عربیہ میں ایک گھٹا تیوں کی تو گکاریں کھوڑ آیا بول کیا نہیں چھوڑ  
 اینہاں شعر کا قصہ لیکھ اینہاں مراتب کی دیکھ ارض سامندجہ نہ سٹائے وزن شعر منہ دے کیوں کئے  
 دہڑا ہوں نظروں کی شنا دیکھ مراتب آسمان کل مراتب جہنم لیاؤں کرنسی تصنیف دکھاؤں  
 نعت میں کہتا ہوں سیر یا اللہ تم بالخیس غلط دیکھیں اہوں اہان دوز کھسے توں من آن  
 جو کچھ خطا میں نہ تو پائے اسے سبھی کہئے خداے پناہاں کوں گود بچھے مت ان سمجھے بل پائے  
 نسو کی تاریخ اس قضاے پائے عدد ہر مصرعے نہ خوب محمد کہئے بچار چود گھٹاؤں سنار  
 دوجا چاند جو تھا شعبان دیس دیشنبہ کیا بیان

شیخ خوب محمد اس زبان کو عربی و فارسی آمیز گجراتی کہتے ہیں بیکن دیر  
 پیاؤدوہے۔ اگرچہ اس میں گجراتی زبان کا بھی پرتو موجود ہے۔ گجری بھی اسی کا  
 نام ہے مولوی عبدالحق صاحب رسالہ اردو حصہ بیست و ہفتم ص ۱۵ میں قمر از  
 یس :-

جب یہی زبان دکن میں آئی اور اس میں دکنی لفظ اور لہجہ داخل ہوا۔ تو  
 دکنی کہلائی۔ اور گجرات میں پہنچی تو اس خصوصیت کی وجہ سے گجری اور گجراتی  
 کہی جانے لگی۔ شاہ برہان صاحب جاغم متونی ص ۹۷ نے اپنے کلام میں کئی  
 جگہ اپنی زبان کو گجری کہا ہے مثلاً وہ کتاب تحت البقا میں فرماتے ہیں :-  
 ”جے ہو دیں گیان پجاری نہ دیکھیں بھاکا گجری“

یعنی جو صاحب عرفان ہیں وہ گجری (گجراتی) زبان کا خیال نہ کریں گے۔ یہ  
 فارسی و عربی الفاظ ان کے زمانہ سے پیشتر مقامی لہجہ اختیار کر چکے تھے  
 اسی لئے وہ ان کو مرویہ لہجہ میں لکھ جلتے ہیں۔ مثلاً ادپر کے اقتباس میں

مصرع کو مصرعے، نسخہ کو نسخا، درست کو درست رقم کیا ہے \*

~~~~~

## احمد دکنی

اُردو ادب کی تاریخ میں محمد قلی قطب شاہ ۹۸۸ھ و ۱۰۲۰ھ کا نام سنہری  
 حرفوں میں لکھا جانا چاہئے۔ وہ خود اُردو اور فارسی کا زبردست شاعر تھا۔ اس  
 کے ضخیم کلیات پر جو اٹھارہ سو صفحات پر شامل ہے ۹۲۲ء میں مولوی عبدالحق  
 صاحب نے سالہ اُردو بابت ماہ جنوری میں ایک پُر مغز اور عالمانہ تبصرہ لکھا ہے  
 علوم کی سرپرستی میں جس قدر حصہ اس بادشاہ نے لیا ہے ابھی ہم اس کا اندازہ  
 نہیں لگا سکتے کیونکہ اس کے عہد کے ذہنی کارناموں کی تاریخ ابھی تک مدون  
 نہیں ہوئی ہے۔ اختیارات قطب شاہی جو اختیارات بدیع (ایک طبی تصنیف)  
 کی ضخیم تنقید ہے اسی بادشاہ کے حکم سے اطباء کی ایک جماعت نے تالیف کی  
 ہے۔ جس کا اصل نسخہ راقم کے مجموعہ کتب کے نوادرات میں سے ہے \*

احمد دکنی اسی بادشاہ کے دربار کا شاعر ہے۔ اور اس کے حکم سے اپنی تصنیف  
 بیباکوں لکھتا ہے۔ احمد کے حالات زندگی سے ہم بے خبر ہیں۔ میرے حیران  
 اور محزون پروفیسر سید عبدالقادر ام۔ اے پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور کی مطابقت  
 سے احمد کی بیباکوں کے چند اجزاء مجھ تک پہنچے ہیں جن میں کل ۴۵ منشورات  
 ہیں۔ باقی کتاب کا اکثر حصہ غائب ہے۔ ان میں چودہ تصاویر اکبری دبستان  
 کے طرز میں موجود ہیں۔ لیکن اکثر شکستہ و خستہ۔ یہ شہنوی خط نسخ میں لکھی گئی ہے  
 اس کی تقطیع ۱/۴ x ۵ ہے۔ فی صفحہ گیارہ اشعار جلی قلم میں مرقوم ہیں۔ خط



میں بعض مقامی خصوصیات مشاہدہ میں آتی ہیں۔ جو زیادہ تر ہندی اصوات کے  
 اظہار کے لئے وضع ہوئی ہیں۔ چنانچہ جیم فارسی سے ہندی اور دال ہندی اور  
 بے فارسی کے نیچے بالعموم تین لفظے ملتے ہیں۔ تاکہ ہندی پر چار نقاط اور  
 کاف فارسی کے نیچے (بعض اوقات) تین نقاط ملتے گئے ہیں ۔

احمد سبب تالیف میں کہتا ہے :-

|                                  |                              |
|----------------------------------|------------------------------|
| سو منج بخت کا سیوک انیر ہوا      | جو منج بخت کوں فتح یاد ہوا   |
| منج غم کی بندگی تھے آزاد کر      | جو شہ آپ تھے آپ منج یاد کر   |
| جو پالوں سے شہ امرت ناؤں         | دیتے امر علی کے یہ باغ لاؤں  |
| نرت باغ لائے شہ تابی کیتا        | جو یس شہ کا امر سر پہ لیتا   |
| اگرچہ منج ہے لامست سوار          | ہو تیک پریشانی روزگار        |
| نقھی منج فرست ہمدیک بن           | ہو تیک شغلاں تیں رات دن      |
| گلیا تن سنگ بن ہو قصہ دہر        | وے آس دہر شہ کے فرمان پر     |
| جو اس بس پہ چون بھنوں جگلوں بھول | دہر عشق کی باس میں بکے بھول  |
| جو گھر گھر تے پہلے دھنوں اچاؤں   | سو کج عشق کوں اب جلت ہیں دھن |
| سودانہ کروں اب انوکا پران        | جو پیلے دھنوں تھے بولوں پران |
| پون پاس تھے پاس لے سرک بن        | جو اس بن چین پر فتنے گئے پون |
| سو باغوں میں یہ باغ شہ باغ ہے    | جو اس باغ پرست کا دغ ہے      |
| بھنوں باغ کا کیوں بھوی آسمان     | دہنی باغ کا شہ میں باغ بں    |
| سہرہ برست کہ قدسیاں کن ہر        | جو اس باغ ہمارے جگ بھر       |
| جو اس بن تھے ہر روز نور روز ہو   | سو کج شہ کوں یہ بن مبارک ہو  |
| مبارک انو پر ہی یہ باغ ہوی       | شہنشاہ کے ارکان دولت جیکوی   |

جکوی باغ کی باغبانی کرے      سو اس باغ تھے شادمانی کرے  
 دہتی باغ کا باغبان کون توارے      یہو رحمت سوں کرے سرفراز  
 جو احمد کرے آس ہرین سنگار      سو اب نہ تھے پلے تین زندگار

مثنوی کے اقتناحیہ ابیات یہ ہیں ۷

اس اندر کے نازوں سوں حبیبیت      جو دانی دیا و نمت اس کی صفت  
 سر نہا سب لند کون جسم قرار      جو جگکا دہنی ہو پر در دگار  
 جو دنیا میں کا فرمان کون      ملے من ہو بخشے ہومان سوں  
 شاعر نے حمد کے بعد تین مناجاتیں لکھی ہیں۔ میں دوسری مناجات سے کچھ اشعار  
 حوالہ قلم کرنا ہوں ۷

جی سوں رحمت کرے سو رحیم      کی بی کے سب گن ہرے سو کریم  
 سب کجہ کون بھر دسو رحمت دہرے      سبہ گلگون نہ پڑے سو نعمت دہرے  
 پہلے ہو بڑے پر کرم راکھتا      برائی چھپا کر بھرم راکھتا  
 گنہ گار کے پاپ بھیج کرے      گنہ بخش بخش سوں پس کرے  
 نہ وہ کچھ کسی دہا تھ حاجت دہرے      جو عالم سب اس کی عبادت کرے  
 دے سب جگت کون ہدایت دکھائے      کرم ساتھ اپنے عبادت سکھائے  
 عبادت آپیں تو ہے بے نیاز      سو ہو جن عبادت کرے سرفراز

کرے ایک نیکی تو دے دس ثواب

جو لوٹے زیادہ تپے دے حساب

مصرع ”جو عالم سب اس کی عبادت کرے“ میں ”جو“ کا ف بیانہ کا قائم  
 مقام ہے۔ پنجابی اور دکنی میں بالعموم آتا ہے۔ مثلاً عبدالحکیم پنجابی کہتے ہیں  
 یہ یکے پیچارہ اب یوں کر کے فریاد      جو یارب بھائیاں دی دیکھ بیداد

دیگر: ۷

کس یعقوب جو فرزند میرا    تاسا کھادا چنڈو جھگڑاتے جھپڑا  
اسی بیلی اجنبوں میں احمد ایک اور مقام پر کہتا ہے: ۷  
جو پانی سیتیں جیوتی سب جگت    جو طاناں ہوں سب جگت چلے گت  
اسی طرح یہ شعر ۷

بولایا لیکن ہار سکیاں کول    جو بیکھے کتابت بھوگیاں سول  
لیکن کاف بیانیہ اردو میں قدیم سے ہے۔ پرانے مصنف اس کو "شکل" کے  
لکھتے ہیں۔ مثلاً شاہ علیجو گام دہنی ۷  
بے عزت بابت ہوئی جو ہے ہے اس منہ جگ بھی حد بخوے  
کے وہ لطف سب لطف تھے ہے نجر آئے فہم نہ ہوے  
بعد میں فارسی املا اختیار کر لیا گیا۔ چنانچہ یہی احمد گویا ہے ۷  
ہو بحر سوں آس احمد دھرے    کسائیں دکھت عجز رحمت کرے  
فارسی اردو سے ہندوستان کی اکثر زبانوں ہندی گجراتی وغیرہ میں لے لیا گیا  
ہے۔ کاف بیانیہ کی سرگذشت کا ایک دلچسپ پہلو وہ ہے جب کہ بیٹی  
کے فاضلوں کے ایک دبستان نے اسے سنسکرت کے ماخذ سے استخراج کرنے  
کی کوشش کی تھی ۷



## شیخ عثمان

غازیپور کے رہنے والے ہیں۔ والد کا نام شیخ حسن تھا۔ اور جہانگیر کے عہد سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے چتراولی نام کا ایک عشقیہ قصہ زبان ہندی لکھا ہے۔ جو وہ ہوں اور چوپائیوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ اور تصنیفات بھی ہیں۔ چتراولی ایک نہایت دلچسپ تصنیف ہے۔ اور اسی پران کی شہرت قائم ہے اس تالیف کے زور دار حصے وہ ہیں جو چتراولی کے محل اس کے حسن و جمال، بیان بھر، اور بارہ ماسہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ شہزادہ کی تلاش میں مصنف نے جہاں مختلف ممالک اسلامیہ کا ذکر کیا ہے۔ اس میں انگریزوں کی طرف بھی ایک تبلیغ ملتی ہے جو ہندوستانی ادب میں بقول مصنف کا مٹا کو میدی سے پہلی ہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی شہر سورت میں اپنی کوٹھی ۱۶۱۲ء میں قائم کرتی ہے۔ اور ۱۶۱۷ء کی یہ تبلیغ ہم کو مل جاتی ہے ذیل میں چتراولی کے اس حصے سے جس کا عنوان ”گنور ڈھونڈ ہن کھنڈ“ ہے بعض اشعار یہاں نقل کئے جاتے ہیں:

جن بچوں س کنہیا نا پھلیں گاسو میں متانا دیکھو سی نگھی لوگ سیا میں میرا دن سب سے ہیں  
 سیرسی ٹھنڈے گندے سو دا بہنگ ہرک یوں گنجاوا کابل میری گل کر دیا جہاں پوہم تپتی ہوئی زیا  
 دیکھو سی دم سکند کیرا سیام ہا ہوئی سکل اندھیرا دیکھو سی کو دہی استانا ہنسی اندہ تیں باہن جانا  
 حاجی رنگ ملی گوی مدینہ کا ہاتھ جو صاف سینہ کا بعد اد پیر کے تیرا جی پی نہچے تھی سنگ پیرا (امیر)  
 استنبول مصر پونی میرا گال دھڑکھو نہ ہوئی پیرا دکن میں کوچے گودارا چلانا کی سونک پھارا  
 پھیلے ہی گئے ہیرس گجراتا سندھ تھی لوگ سوکھ راتا گیو جام تھیں کچھی ہوئی لوگ سر پہ کھی سکتی

بلند پدیکھا انگیزا جہاں جے نہیں کھنکھیا اونچ نیچ دہن نہایت ہیرا مدبرانہ بھوجن جن کیر  
جہاں جاتی ادھن بندر سا جہاں لگا سٹ پڑھی گیو جہا جہا



## شیخ بہاء الدین بن باوخی خاتم التارکین

آپ مخدوم شیخ فرید الدین بن باوخی مہاجر مکہ متوفی ۷۹۸ھ کے پوتے اور  
جانشین ہیں مسلمانان ہندوستان میں صرف دو شخص فن موسیقی میں بگائے  
روزگار ملنے گئے ہیں۔ امیر خسرو اور مخدوم بہاء الدین۔ امیر اس کا دیباچہ  
ہیں اور مخدوم اس کا کثمت ہیں۔ مخدوم کے حالات اب تک گوشہ گنما می میں  
ہے ہیں۔ فقیر اللہ نے راگ درپن میں البتہ ان کا تذکرہ کیا ہے۔ میری اطلاع  
کا مخدوم کی حقیقت یہ ہے۔ جو مخدوم علاء الدین ثانی کی یادگار ہے چنانچہ یہ  
چند سطور اسی سے منقول ہیں:-

”قاصی عارف بن باوخی نے حرف شناسی اور ہجاء خوانی کرائی۔ ملا انور دہشتی  
سے کتابی تعلیم حاصل کی۔ بعد میں شیخ الداد پانی پتی آپ کے معلم تھے۔  
میرا سید عبد الشکور سے تیمنا شرح عقاید پڑھی۔ اسی زمانہ میں ایک عربی  
قصیدہ لکھ کر استاد کی خدمت میں پیش کیا۔ تحصیل علمی کے بعد راجست  
د مجاہدہ میں مشغول ہو گئے۔ نماز سحر کے بعد شکار کے بہانہ سے جنگلوں  
میں نکل جاتے۔ اوتیس تیس کو س جنگلوں میں پھر لیتے۔ ابتدا میں تیرس  
شکار کھیلتے تھے بعد میں پندرہ دن اختیار کر لی۔ ان نواح میں آپ ہی  
پہلے شخص ہیں جس نے پندرہ دن سے شکار کھیندا اختیار کیا۔ شکار بولکاؤ

بے حد پسند تھا۔ جدا جہد کے مکہ معظمہ جانے کے بعد تمام دنیاوی اشیاء مثلاً جاگیر و قریات۔ انعامات و وظائف۔ امانات البیت۔ اجناس و متاع۔ ہتھیار مہوشی۔ گھوڑے وغیرہ کو ترک کر دیا۔ اسی بنا پر آپ خاتم التارکین کہلائے۔ بیٹھ سفر کے بے حد شائق تھے۔ وکن گجرات۔ کنہایت۔ جونپور۔ پٹنہ بہار۔ پٹنہ۔ مسرند۔ لاہور۔ پٹن۔ لاجوہن۔ لائسی و حصار وغیرہ وغیرہ کی سیاحت کی۔ ہند کے ہر بڑے شہر میں ان کے دوست و احباب موجود تھے۔ اکبری جہانگیری امراسے رسم و راہ تھی۔ ان دونوں سلاطین سے ملاقات کی ہے۔ یوسفی کے ساتھ ان کا تعلق عشق کی حد تک تھا۔ جکری۔ خیال اور چٹکلہ۔ قول و ترانہ۔ سادہ۔ دھر پد۔ بشن پردہ وغیرہ میں انہوں نے اشعار لکھے ہیں۔ یوں تو تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ لیکن ہندی میں اکثر لکھتے تھے۔ ساز خیال و ساز کھٹرس کے موجد ہیں۔ انہوں نے گنام رہنا پسند کیا۔ اسی لئے کوئی شخص اختیار نہیں کیا۔ چنانچہ ان کا کلام دوسروں کے نام سے مشہور ہو گیا۔ یہاں بعض نمونے کتابِ چشتیہ سے لے کر ہدیہ ناظرین کئے جاتے ہیں :-

برائے یارش :-

کاہے اے بدراناں برست کاہے تھی ناہن گرجت کاہے ناں بھڑلاوت  
 کاہے تھی برکھارت تیوت برمن من چتوت کاہے تھی ناں گھوڑگورت  
 چتر و ساتیرہے اناہو داتا میکھ کھادت گرین تیا کوٹا رجم گٹ نہیں اول بدل لے آوت  
 دیگر سے ان نینن کا یہی ییکھ ۛ ہوں تجھ دیکھوں توں منجہ دیکھ  
 خیال ۛ

کیسے کی سہرو تھہ من چنجل نوکھوں کھوڈولی۔ اود، تیک یک باد کرت ہے یہ کاج نبولی  
 آنک لاری لکھی تو تیبی مٹی لیک کاٹھ کو کھولی ۛ جے اسنہر کنبہ بدھنا تن کی سدا کھولی

(سادہ) جہانگیر اور خرم کی جنگ کے وقت کہا ہے  
اے آہ بھائی جیتا مصافحہاں ستیج جس ری تو طمانت منت راج  
خیال برائے شفا ہے

ٹھاکر گرو کی پوجیت نہ دہری جینن انپرا دہ پرا دہی کرے  
دھما پھیں دگی کی بیدن اپنی ہاتھیں کہن میں ہر

خواجہ خضر کے لئے ۵

و ائم حیات کا تم کرامات ہلاکات نعمت پاؤں ہم  
ہم کیجے کہ پاتھیں دیجے کہ اکھوں زاویری ہم  
برائے طلب نفعائے سلطان الاولیا

کار کی کج تقاری میں تو حاکمت بھپو کر بھتیر دے  
انندے اندھا ہو دکھ سیر موش گیو سوہرو ۶  
آج بجاگ جاگ کپڑے ہمارے پرسن دن پات نیرو  
ترپت بھی تپت سنباسی رو بیا چرن لکٹ ٹھومیر  
بارش بند ہونے کے لئے ۷

ابن تیموری بدایینی بھانت جڑ آئی تو نیکی میں گھٹ لی آ تو نیکی میں گرج سنا یو  
نیکی میں نیکی ہیں تیں تو منہ منہ جھڑ لایو !

ان کے دوست داس گھنوں بیراگی نے اپنی وفات کے وقت شیخ کی خدمت

میں ذیل کا پڑھوایا تھا ہے

اے من نام یا نہیں تیں دیکھ سکا ہے یہ جو کچھ کو سپنوسو دیکھتا ہے اے بہا ہے

جے بچن ست کرن کی ہے تی میں کھی سنائے

داس گمنون جیو ایل زنگن جیل میں جیل جو سہاے



## مولانا محمد افضل حبیب خانوی پانی پتی

میرٹھ کے قریب حبیب خانہ یا بھنبخہ ایک پرانی بستی ہے۔ عہد ماضی میں ایک مہتمم خیرِ قصبہ تھا۔ اور بعض مشاہیر وہاں سے پیدا ہوئے ہیں۔ شیخ عبدالرزاق اور شیخ عبدالقادر منٹونی <sup>۱۸۴۷</sup> جو مشہور اہلِ اندلس ہیں۔ اسی بستی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور شیخ صفوی دانشمند جنہوں نے علوم ہندیہ تحصیل کر کے ان کے تراجم اکبر کے لئے فارسی زبان میں کئے۔ اسی قصبہ کی گود میں پلے ہیں۔ محمد افضل کا شمار اسی سرزمین کے نوہالوں میں کیا جاتا ہے۔

ہم ان کے حالات سے قطعاً تاریکی میں ہیں۔ بس اسی قدر جانتے ہیں کہ ایک دو ازادہ ماہر یا بکٹ قصہ کے اردو میں مصنف ہیں۔ میر حسن اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں:-

محمد افضل، افضل تخلص، از قدیم است کہ ام ہند و بچہ گوپال نام بود کہ رعاشق  
شدہ حربِ حال خود بارہ مارِ عرف بکٹ کمانی گفتہ کہ اکثر کھتریاں و گاہیاں شتاق  
اومی باشند نصیف فارسی و نصیف ہندی دارد۔ لیکن قبولیت دادِ الہی است بڑلما  
اثر می کند از دست۔

پڑی ہے گل میں میرے بیم پھانسی مرن اپنا ہے اور لوگوں کی ہانسی  
مسافر سے جنہوں نے دل لگایا انہوں نے سب جنم روتے گنویا  
ان کے زمانہ کی نسبت ہم پر نگہ نے اپنی فرست میں محمد قائم چاند پوری کے تذکرہ کے  
حوالہ سے اتنا لکھا ہے کہ:-

افضل، عبداللہ قطب شاہ سے جو ۱۰۲۰ھ میں تخت نشین ہوتا ہے پیشتر گذرا



ہے۔ اس کی تعلیم معمولی حیثیت کی تھی۔ صوفیاء شعر کہتا تھا۔ اور ایک بکٹ کہانی

لکھی ہے جس کا ایک نسخہ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں محفوظ ہے \*۔

قائم نے افضل کا جو زمانہ دیا ہے۔ اس میں بظاہر ایک غلطی معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ عبداللہ قطب شاہ درحقیقت ۱۵۳۵ء میں تخت نشین ہوتا ہے۔ نہ ۱۵۲۰ء میں جو محمد قطب شاہ کی تخت نشینی کا سال ہے۔ اس کی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ یا تو قائم نے محمد قطب شاہ کے نام کے بجائے عبداللہ قطب شاہ یا ۱۵۳۵ء کی جگہ ۱۵۲۰ء لکھ دیا۔ یہ امر بھی تعجب خیز ہے کہ قائم محمد فضل کے زمانہ کو جو خود اُس کے اپنے بیان سے ایک ہندوستانی شاعر ہے۔ ایک دکنی بادشاہ کے عہد کے ساتھ مصنف کر رہا ہے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں راج پوتنہ سے پیشتر اردو شاعری چونکہ دکن کی سرزمین کے ساتھ وابستہ تھی۔ اس لئے ہمارے تذکرہ نگار اپنے ذہن میں غیر دکنیوں کو بھی دکنی ہی تصور کر لیا کرتے ہیں چنانچہ شیخ سعدی کو جو ہندوستانی ہیں۔ دکنی فرض کر لیا گیا ہے \*۔

علی قلی خاں والدہ اعستانی نے اتفاق سے محمد افضل کا تذکرہ راجن الشعرا میں شامل کر لیا ہے۔ جو ہمارے شاعر کے حالات پر بالکل مختلف روشنی ڈالتا ہے والدہ کا بیان ہے کہ محمد افضل پانی پت کے باشندہ ہیں جو فضائل کمالات ظاہری و باطنی سے آراستہ اور عشق و فقر کی چاشنی سے شیریں کام تھے۔ ہندی اور فارسی میں نہایت اعلیٰ شعر کہتے تھے۔ اور نثر نویسی میں مقبول خواص و عوام تھے۔ معتمدی ان کا پیشہ تھا۔ اور طلبہ کی ایک کثیر تعداد اُن کے حلقہ درس میں داخل تھی بہتوں نے اُن سے فیض اٹھایا۔ بڑی عمر میں اگر کسی ہندو عورت کے دام عشق میں گرفتار ہو گئے۔ اور ایسے دارفتہ ہوئے کہ تمام دھرم و عبادت و تقویٰ کو خیر باد کہہ دی۔ اور مسجد و مدرسہ کے بجائے کوچہ دلدار کا طواف کرنے لگے۔ اس عشق دوار زندگی

کے ایام میں مولانا نے عاشقانہ غزلیں کثرت کے ساتھ لکھیں ہیں۔ ایک غزل کا مطلع یہ ہے:-

عالم خراب حسن قیامت نشان کیست

در رہ کدام فتنه گراست د زمان کیست

شدہ شدہ مولانا کے عشق و جنوں کی خیر عورت کے رشتہ داروں کو لگ گئی۔  
 اور غریب عورت مفت میں بدنام ہو گئی۔ بیجاری نے باہر نکلتا ترک کر دیا۔ حتیٰ کہ  
 تنوار کے موقعوں پر بھی گھر سے باہر قدم نہ رکھتی۔ مولانا دیدار یار سے مایوس ہو کر  
 کوچہ یار میں اور بھی جم کر بیٹھ گئے۔ بالآخر عورت کے رشتہ داروں نے تنگ آ کر  
 اسے متھرا اپنے عزیزوں کے پاس بھیج دیا۔ جب حضرت کو معلوم ہوا کہ ان کا مطلب  
 متھرا بھیج دیا گیا ہے۔ روتے پیٹنے اس طرف کا رخ کیا۔ اور متھرا پہنچ کر تلاش یار  
 جاری کر دی۔ تقدیر سے ایک دن یہ عورت اپنی بھولیوں کے ساتھ باہر سیر کو گئی  
 تھی۔ سامنے سے قید مولانا تشریف لائے تھے۔ آپ دیکھتے ہی آگے بڑھے اور  
 پیشہ پڑھا:-

خوشا رسوائی و حال تباہ ہے سراپے و آہے دنگاہے

خدا جانے وہ عورت ان کے شعر کا مطلب سمجھی یا نہیں۔ لیکن اس نے مولانا کو بڑی  
 گراگرم داد دی۔ طیش میں آ کر کہا "مولوی تجھے شرم نہیں آتی کہ منہ پر سفید ڈاٹھی لگا کر  
 ایک جوان عورت کی محبت کا دم بھرتا ہے" مولانا شرمائے تو بہت۔ لیکن عشق کا  
 بھوت ان کے سر سے نہیں اُترا۔ پری کو شیشے میں اتارنے کیلئے فریب کا ایک  
 ایسا جال تیار کیا کہ جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ یعنی ڈاٹھی منڈوا دی۔  
 زنا رنگے میں ڈال لی اور برہمن کا بھرپ بھر کر ایک مندر کے سچاری کے شاگرد  
 بن گئے۔ دن رات برہمن کی سیوا کرتے۔ اور علوم ہندی کی تحصیل میں مشغول رہتے

طبیعت تھی اقاذ تھوڑے ہی دنوں میں ہندی میں حیرت خیز ترقی کر لی۔ برہمن نے انہیں مندر میں اپنا نائب مقرر کر لیا۔ کچھ عرصہ کے بعد جب برہمن کا انتقال ہو گیا مرتے وقت انہیں اپنا جانشین مقرر کر گیا۔ مولوی نے چند ہی روز میں عوام کے قلوب پر ایسا اثر ڈالا کہ سب ان کا کلمہ بھرنے لگے۔ اس مندر میں سال میں ایک مرتبہ میلہ بھر کر تانفا جس میں مستورات بھی خاص طور پر شامل ہو کر تکیہیں جو بیلیہ کا دن آیا اور عورتیں نذر دنیا زبیکر جوق جوق پوجا کیلئے مندر میں داخل ہونے لگیں۔ مولانا کی مطلوبہ بھی اپنی نذر زبیکر آئی اور جب اپنی باری میں ہمارا ج کے قدم چومنے کیلئے بھکی۔ آپ نے اس کو روک دیا اور کہا ہمیں بھی پہچانتی ہو۔ عورتیں سراونچا اٹھایا۔ ہمارا ج کو نگاہ غور سے دیکھا اور پہچان گئی۔ لیکن یہ امر اس کی فہم سے باہر تھا کہ ایک مسلمان مولوی ہندو مندر میں بیٹھ کر پوجا کر سکتا ہے۔ سہمی اور گھبرائی ہوئی ان کی طرف ٹٹکی باندھے دیکھتی رہی۔ بالآخر بولی کہ آپ نے مجھ جیسی ناکارہ عورت کے لئے بے حد مصائب برداشت کئے ہیں۔ گزشتہ آنچہ گزشتہ لیکن آئندہ کے لئے وعدہ کرتی ہوں کہ میں آپ کی تابعدار رہن کر رہوں گی۔ آخر وہ عورت مسلمان ہو گئی۔ اور مولانا کی اہلیہ بن گئی۔ مولانا نے ۳۵ سالہ میں انتقال کیا۔

میں دالہ کے اس بیان کو میر حسن کے بیان پر ترجیح دیتا ہوں۔ اس لئے کہ اول تو والد میر حسن سے اقدم ہے۔ دوسرے محمد افضل اپنی بکٹ کہانی کے خاتمہ میں یثعر لاتے ہیں۔

بیاد دریا خوش حال می باش گئے افضل گئے گوپال می باش  
میر حسن کے نزدیک گوپال اس ہندو بچہ کا نام ہے جس پر مولانا عاشق تھے۔  
اس توجیہ سے یثعر بے معنی بن جاتا ہے۔ میری مراد آخری مصرع سے ہے

والدہ کے بیانات کی روشنی میں گوپال خود مولانا کا نام قرار پاتا ہے یعنی ان کی زندگی کے اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتا ہے جب وہ برہمن بنکر مندر کے سچاری بن جاتے ہیں۔ اور گوپال نام اختیار کر لیتے ہیں۔ اس سے شعر کے معنی بالکل روشن ہو جاتے ہیں۔ قائم کا بیان ہے کہ افضل عبداللہ قطب شاہ کے دور سے پہلے کے آدمی ہیں۔ والد کا بیان اس کا بھی موید ہے یعنی عبداللہ قطب شاہ ۳۵۰ھ میں تخت نشین ہوتا ہے۔ اور افضل اسی سال انتقال کرتے ہیں۔

ہمارے مورخین کا یہ عقیدہ ہے کہ شمالی ہند میں اردو شاعری دلی کی آمد اور محمد شاہی دور تک وجود میں نہیں آئی تھی۔ لیکن محمد افضل کے دوازدہ ماہہ کی موجودگی میں ہم اس عقیدہ میں ترمیم کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ محمد افضل پر ہی کیا منحصر ہے۔ اگر باقاعدہ تلاش کی جائے تو افضل کے ساتھی ادیب بھی ملیں گے۔ ہمارا خیال ہے کہ اردو میں تالیف و تصنیف ہند کے ہر صوبہ میں کسی نہ کسی شکل میں ضرور موجود تھی۔ یہ اور بحث ہے کہ وہ لوگ دلی کے روزمرہ میں نہیں لکھتے تھے یا جذبات میں فارسی کے متبع نہیں تھے۔ اور ہندی طرز میں لکھتے تھے۔ ان کے اوزان ہندی تھے۔ اور عورت کی طرف سے خطاب ہوتا تھا۔ بہر حال ملک میں اردو میں رسائل لکھے جانے کا رواج تھا۔ غیر تعلیمی ائمہ طبقہ میں یہ تالیفات مقبول تھیں۔ مذہبی مسائل فقہی تصوف کے مسائل۔ تعویذ گنڈے۔ اور وظائف بلکہ منتر جنت تک اس میں موجود تھے۔ لیکن آج یہ چیزیں ہماری نظروں سے کیوں نہیں گزرتیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ ہماری وہی ناقابل معافی بے پروائی ہے جس کے اثر میں ہم نے اسلاف کے علمی و دماغی کاموں کے ساتھ نہ صرف بے رحمانہ بلکہ مجرمانہ سلوک روا رکھا ہے۔ شیکسپیر اور ملٹن۔ گو لڈ اسمتھ اور ٹینیسن کی آندھیوں نے ہمیں اندھا کر دیا ہے۔ ہم انگریزی ادیبوں اور شاعروں کے حالات سے واقفیت رکھتے

ہیں۔ لیکن اگر واقف نہیں ہیں تو اپنے وطن کے بالکالوں سے انگریز اور انگریزی  
پرستی کی لہر ہم میں اس قدر دوڑ گئی ہے کہ ہم اپنے وطن کی ہر شے سے نہ صرف آخر  
کرتے ہیں۔ بلکہ نفرت کرنے لگے ہیں۔

محمد افضل کی بکٹ کہانی درحقیقت ایک بارہ ماسہ یاد دازدہ ماہر ہے۔ جس  
میں ایک فراق دیدہ عورت اپنے خاوند کی جدائی میں اپنی سکھیموں یعنی سہیلیوں  
خطاب کر کے اپنی بتیابی اور درد جدائی کی داستان الم سناتی ہے۔ اور جیسا کہ ہمارے  
ملک میں بارہ ماسوں کا دستور ہے ہر ہندی ماہ کے عنوان کی ذیل میں اپنا قصہ  
غم ایک دلگداز پیرایہ میں دوہراتی ہے۔ اس کی زبان دکنی سے بہت مختلف  
ہے۔ اور صاف ہے۔ اس نظم میں فارسی ہندشیں اور ترکیبیں جاوید بجا باندھی  
گئی ہیں۔ یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو دکنی سے غیر حاضر ہے۔ ایک مصرع کی  
بندش آدھی فارسی میں ہے اور آدھی ہندی میں۔ حتیٰ کہ افعال و ضماڑ فارسی  
سے بھی بے تکلف کام لیا گیا ہے۔ بعض امثال یہاں سپرد قلم کرتا ہوں :-  
چہ سازم چوں کنم کس کن پکاروں جنن کیا عشق کے عنسم کا بچاروں

دیگر ۷

جنوں در ملک ہاں جھنڈا لگا ایا! سمجھ اور بوجھ کا تھانا اوٹھا یا

دیگر ۷

چو شد مدت پیا کے سنگ رہتے مرم بایکدگر کہتے و سنتے

دیگر ۷

چرمی بیغم کہ منگل کاوتی ہیں! مرے گھر ناریاں سب آوتی ہیں

ذرا ضماڑ متصلہ کا استعمال ملاحظہ ہو :-

”نہیں جزو صل کا سوکھا نہالم“ (دیگر) ”کہوں کیا اب مرکانش مانگہ لیتا“

دیگر۔۔۔ ملے آکر چھٹے جاغم جلن سوں  
 بلکہ فارسی کا اثر اس سے بھی زیادہ گہرا ہے۔ یعنی لفظ ”دہوم“ ہندی ہے۔  
 اس پر یہ قاعدہ فارسی شبن اضافہ کر کے حاصل بالمصدر دہومش بنایا۔  
 اٹھا کر کھر منے دہومش چھپائی متلع صبر تو کیوں دل لوثائی  
 فارسی کا ایسا اثر میر جعفر زٹلی کے ہاں بھی بہت غالب ہے۔ اس قدر فارسیت  
 کے باوجود یہ نظم جذبات کے لحاظ سے بالکل ہندی ہے۔ اس میں ہندوانہ  
 زندگی کا مرقع پیش کیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ ہندو تہواروں، ہولی، دوالی اور دسہرہ  
 کا مع ان کے لوازمات کے مذکور ہے۔ ہولی کے گیت گائے جاتے ہیں رنگ  
 کی پچکاریاں ہاتھوں میں ہیں۔ دف اور مردنگ بجائے جاتے ہیں۔ سر منڈل  
 پھٹک رہا ہے۔ گلال اور عبیر اوڑایا جا رہا ہے۔ دہرے اور غزلیں گائی جاتی  
 ہیں۔ کاکا قاصد ہے۔ کوئل کو کتنی ہے۔ اور پیپیا پیہ پیہ کی پکار لگاتا ہے۔  
 جوگن کا بھیس۔ برہمن کا پوتھی دیکھنا۔ ٹوٹکے کرنا وغیرہ یہ تمام ہندی  
 جذبات ہیں۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ محمد افضل کی یہ نظم ہندوؤں میں جیسا کہ  
 میر جن کا بیان ہے۔ زیادہ مقبول رہی ۔

## ازدوازده ماه محمد افضل

سنوں مکھیو مکھیو میری کہانی      پلٹی ہوں عشق کے غم سوں خانی  
 دچھ کو سوکھ دن نہ بیند راتا      برہمن کی آگ سیں سینہ جراتا  
 تمامی لوک مجھ پوتھی کہیں ری      نزد گم کردہ دھنوں کہیں ری

لے بھٹی۔۔۔ ملے با دلی ۔

نہیں اس درد کا دار و کسی کن پھٹے حیراں سبھی حکماء ذوق  
 اری جس شخص کوں پہ دیو لاگا + میانوں دیکھ اوس کوں دور بھاگا  
 اری یہ ناگ جس کوں دنگ لافے نپاڑے کا در و جیو را کو افسے  
 اری یہ عشق ہے یا کیا بلا ہے کہ جس کی آگ میں سبھ جاگ جلا ہے  
 کہ جس کے بیچ یہ آتش پری ہے وہی دن دین سلکت ہے سر سے  
 وہی جانے کہ جس کے تن لگی ہے برہنہ کی آگ تن من میں دکی ہے  
 بوائیکی نہیں جس شخص کوں پیر چہ داند درد دیگر ما اے بیر  
 پھٹی بوڑھی برہوں بیر اک سستی جلیے جیو را مرانت آگ سستی  
 چہ سازم چوں کم کس کن پو کا روں جنن کیا عشق کے غم کا بچارو  
 نہیں یکدم مجھے دن دین میں ہیں اندھیری ہو چلی روت مری نین  
 جنوں در ملک جاں جھنڈا لگرایا سمجھ اربو جہ کا تھا نا ادا تھا یا  
 اوتھا کہ کمر میں وہوش چاہی متاع صبر تسکین دل لوتا ہی +  
 کیا مجھ دستگیر آں شاہ بیداد چہ سازم چوں کم فریاد، فریاد  
 پیالا سن کی مے کا بلایا کیا بے خود مجھے مجھ سوں پھولایا  
 گدا ہو کہ پھروں گھر گھر و بازار کبھو ہوئے کہ پانوں بیکھ دیدار  
 بہت مدت کسی کرتے کدا ہی پیالے کے وصل کی تب بیکھ پاہی  
 پیانے کہ پکڑ کر سوں لگا ہی + تمام آگ تن من کی بوجھائی  
 چو شد مدت پیالے کے سنگ رہتی مرم با یک دگر سنتی و کہتی +  
 چہ چاہے عشق نے بر من اوتھایا فلک دشمن مری پھجھ لکا یا  
 مرا سکھ دیکھ اوس کوں حسرت آہی ندادہ بردم داغ جڈائی

بکٹ قفہ نہت مشکل کس فی دیوانی کی سنتوں سکھو کما فی  
ملن پانچھی پھر نان بھی کتن ہی کہو اب زندگی کا کیا جنن ہی

## ساون

چڑا ساون بجا مارو تنکاڑا سجن بن کون ہے ساغنی ہمارا  
کنتا کاری امد چھاتی سون آہی رہوں کی فونگ ٹنگنی چڑا ہی  
پنہیا پیہ پیہ نس دن پوکا را پوکارت دا درو چکھر چنکا را  
اری جب کوک کوئل تیں سوتا ہی تنامی تن بدن میں آگ لاہی  
اندھیری رہن جگنوں جگ دکاتا اری جلتی اوپر تیں کیا جلاتا  
سونی جب مور کی آواز بن ہوں شکیا زدل شدہ آرام تن سوں  
پیشی جل نقل پھیا سر سبز عالم نہیں جز و صل کا سوکھا نام  
ہندولی بھولتی سپہ نار پیہ سنگ حسد کی آگ فی جا را مرا نامک  
چلا ساون دگر ساجن نہ آہی اری کن سو گئی تو فی چسلا ہی

## بھادول

سکھی بھادول نہت بھتی پریری تنامی تن بدن میرا جری ری  
سیہ باد چھا روں اور چسائیں لبامجھ گھیر پیہ اچھوں نیائیں  
پھورن پرنی لکی اور راغد کر جا تنامی تن بدن جیو جان رکھا  
کنتا کاری کی اندر بیچ چسکی جری جیو را اکن سون پیہ لچی  
اکیل دیکھ نس کاری درادی تنامی دین دن برہوں ستادی

۱۔ پیچھے، ۲۔ چڑھا، ۳۔ تقارہ، ۴۔ چڑائی، ۵۔ پیہ، ۶۔ رعد، ۷۔ لڑا۔



پیار دیس جاہمکوں بسا را      سچا توں کیا کتہ دیکھا ہمارا  
 کتھا غم کی اودھ چھاتی سوں آہی      اری ددین میں برکھا رکھا ہی  
 اری نس دن بتاؤ بوجھ داری      خبر پہلے کی نیا ہی داری  
 جری پوتھی بہمن سب مر گئی داری      پھٹی کب کا کاد دھک ہے ہی  
 کہو پیہ کی خبر پوچھوں کسے جاوی      لکھوں تپیاں کسی دیوں ہی ہی  
 خدارا ای صبا میں حال میرا      پیا کوں کتوہ کسی تک ایک پیرا  
 دل رعلت کا بھادوں نے بجایا      اچھوں لک سا ورا پر دیس چھایا

## سُوج

سنوں کہیو کہ رُت سُوج آہی      پیاری کی خراب لک نیا ہی  
 کہو کیسی پیوں پہرہ باجھ تاروی      جتنی روتی کتنی ہی عمر ساری  
 لکھوں تپیاں اے اے کا لیجا      سلونی سانوری سندر پیا پا  
 کناکت جب پیارا پہیہ آدی      تو جی دیکھی مہر کر کی بولا دی  
 سلام از طرف ایں غنوار کیجو      پکن کوں پرس پاتی ناتھ دیجو  
 اری یہ کا ک باتیں سوکھ نمائی      مرم دل درد مندوں کا سچائی  
 پیابن سچ ری ناکن بھٹی ری      ہنس گھسین کی سب سے وہ بود کہی ری  
 دہشتہ ریو جتنی کہر کہر کھی ری      کرم میری سچا توں کیا پری ری  
 اری سبزک پیا کے باغ جا کر      اپسکو پچ بیو خاسہتی لوکا کر  
 کہواری سنگ دل تب کھ دھکاو      تیری مکھ سے اگر اک تول پاد  
 کہ گھر جا رہی کوں کل کھا دو      پکر یہاں پنگ اور ہتا دو

لے پیہ، لے کہو، لے دسہرہ، لے خود کو، +

کہ تیری برہوں میں نہ نین دے      بغم بہر جو بنا تجھ باجھ کھو دے  
 تم اور اس میں پیاری سوکھ کرت ہیں      ہن ہی برہنی سودو دکھ بھرت ہیں  
 دیا پردیس جاسو کن بھیں راج      پھولایا کمر نہیں تجھ نین میں لاج  
 توجہ ای سنگدل کیسی پری ہیں      جری جنت آہ سوں بل نعل دوا دیں  
 اری ظالم نہ اری خوف ربکا      قیامت ہی کہری کر فکر تب کا  
 دراکرتوں ز آہ درد مندوں      کہ می سوؤ ذرا ہش سنگ سداں  
 سکھی اس سوچ میں بہر عمر جاتی      بھوسیں غم پیاری کا سنا تی  
 کہ ہو دے جلا کئے کو ہی اس سخن سوں      سنی دل سوں کبھی دیکھی ہن کوں  
 سکھی آسوچ رت چلتی رہی ی

پیا بن برہنی جلتی رہی ری



## محبوب عالم عرف شیخ جیون

شمالی ہندوستان میں محمد افضل کی تحریک اُردو نظم میں کسی تنہا واقعہ کی کڑی نہیں ہے۔ بلکہ بعد میں اور لوگ بھی اس کی تقلید کرنے لگے۔ یہ تحریک پہلے پہل ہریانی زبان میں شروع ہوتی ہے۔ جسے اجانب بانگڑ و کتنے ہیں۔ ہریانی زبان مشرق میں اُردو شمال میں اُردو اور پنجابی مغرب میں پنجابی اور راجستانی اور مشرق میں راجستانی زبانوں سے محصور ہے۔ اور جو دادری۔ فتح آباد۔ رہنک ہانسی۔ حصار۔ کلانور۔ ہم۔ گمانا۔ نارنول۔ وغیرہ شہروں میں کسی قدر اختلاف کے ساتھ بولی جاتی ہے۔ اس علاقہ کا مغربی حصہ بالکل غیر آباد تھا لیکن فیروز شاہ نے دریائے جمنا و ستلج سے نہریں کاٹ کر اور کئی نئے شہر آباد کر کے اس کو بہت مسرور بنا دیا تھا۔ اس سرزمین میں جھجھ کو بھی شامل سمجھنا چاہئے۔ ہریانی زبان اُردو کے نہایت قریب ہے، کیونکہ دہلی کے قرب کی وجہ سے ان اطراف میں مسلمانی اثرات ہمیشہ غالب رہے ہیں۔

شیخ جیون گیا رہویں صدی میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے حالات زندگی سے ہم ناواقف ہیں۔ اسی قدر معلوم ہے کہ مید میراں بھیکہ چشتی صابری متوفی ۱۳۱۱ھ کے مرید اور خلیفہ تھے چنانچہ ان کے خلیفہ کی فہرست میں شیخ جیون کا نام بھی ملتا ہے۔ اسپرنگر نے شیخ جیون کی مصنفات کے مفصلہ ذیل نام دئے ہیں:

(۱) فقہ ہندی (۲) محشر نامہ (۳) درد نامہ (۴) خواب نامہ پیغمبر (۵) دہیر نامہ بی بی فاطمہ خاتون۔ ان میں سے نمبر اول فقہ ہندی شیخ جیون کی تصنیف نہیں ہو سکتی۔ اس کے مالک کوئی عبدی ہیں۔ جو پنجاب سے علاقہ رکھتے

ہیں \*

یہاں صرف درد نامہ کے مختصر سے تبصرہ پر قناعت کی جاتی ہے۔ درد نامہ ایک بڑی کتاب ہے جس میں پونے تین ہزار کے قریب اشعار ہیں۔ اس کی زبان رائج الوقت اردو سے بہت مختلف نظر آتی ہے۔ لیکن جس وقت یہ کتاب تصنیف ہوتی ہے اس وقت اس کی اور دہلی کی زبان میں بہت کم فرق ہو گا۔ سب سے بڑا فرق اس کی ماضی مستقبل اور مضارع کے صیغوں میں ہے۔ جہاں یہ زبان اردو اور راجستانی دونوں زبانوں کی تقلید کرتی ہے مثلاً:-  
عرض اور بھی ہم جو تجھ سے کہاں کہاں تاجہ سے تو کس سے کہاں  
اردو میں ایسے موقع پر رکھیں اور کہیں لاتے ہیں۔ اور یہ شکل بھی ہر بانی میں موجود ہے۔ اسی طرح ماضی کی مثال:-

مصرع تمہیں میرے پیچے بہت دکھ پڑاں (یعنی پڑے)  
اردو کی لام ہر بانی میں سے سے اور ٹے ڈال سے بدل جاتی ہے۔  
تلوار = تروار، ڈال = ڈار، پڑھینگے = پڑھانگے، بڑائی = بڑائی، گڑا = گڑا  
پڑھنا = پڑھنا، چڑھنا = چڑھنا  
الفاظ میں حرف دوم علت بہت نمایاں ہے۔  
رکھ = راکھ، بکری = باکری، کل = کالہ، دکھ = دوکھ = اکھٹی = اکھٹے  
لگا = لاگا، اڑا = اڑا  
غنے کثرت سے مستعمل ہے۔

ئے = نیں، تو = توں، کوچ = کوچ، پیچاس = پیچاس، سنی (ماضی) =

سینیں، کو = کوں، مانے = مانیں \*

ہائے مخلوط التلفظ بہت موقعوں پر خارج کر دی گئی ہے۔

بھی - بی، ابھی = ابی، جیسی = جی، باہر = بار،  
 دردنامہ کا افتتاحیہ ہے :-

بچوں میں پہل نامِ رحمن کا      تپوں گیان میں ہیمن سبحان کا  
 صبحی ایک کرتا روہ پاک ہے      کھڑا جس کی قدرت کے اخلاک سم  
 وہی ہے جو کرتا عالمِ خدا      زنجن زبکا رسب سے جدا  
 جتنے ایک پاک میں کیا یہ جہاں      وہی توڑے پھر خودی اور گمان  
 کیا جن تکبر دہنی پاک سے      پڑا عاقبت خاک پرتاک سے  
 تکبر سے شیطان رانا گیا      فرشتے سے وہ دیو دانا گیا  
 تکبر خودی کی تھی نسر دنیں      براہیم نبی سے جو مرد دوتیں  
 دیامغر بیچ ڈانس جب کیا نبی      لگی لاکھ پاپوش سر پر گھنی  
 بنایا ارم بہشت شدادنیں      لگائے بہت درم سیدادنیں  
 چلا بہشت کوں وہ بنا کردان      غضب کے فرشتے نہیں کھینچے پراں

فارسی اور عربی الفاظ کے استعمال میں مصنف ان کے اصلی تلفظ کی پڑا  
 نہیں کرتا بلکہ مقامی لہجہ میں لکھتا ہے۔ مثلاً فاطمہ کو فاطماں اور طاق کو تاک  
 لکھتا ہے اور پاک اُس کا قافیہ ٹھراتا ہے۔ لوک کا قافیہ شوق لایا ہے۔ عکرمہ  
 عکماں لکھ کر اکڑماں کا ہم قافیہ بنایا ہے۔ ہر اول کو ہرول اور گر زکو گرج  
 اور صبح کو صبحی لکھتا ہے۔

مجھ کو عالم کے کلام میں خاصہ حسرتی اور روانی نظر آتی ہے۔ میں واقعہ اُحد  
 کے چند اشعار یہاں نقل کرتا ہوں :-

ہوئے پھر مقابل فرشتوں کے تب      نبی اور اصحاب ایک بار سب  
 عکاسہ طرف داہنی کوں کھڑا      ایسلمہ یا نویں طرف پر پڑا

کیا اُد مقدا د کون جب چنڈ دل      کیا سعد و قاص عبید ا ہر دل  
 ہوے آپے رمیان کی فوج میں      نبی خاص مقبول رحمان ہیں  
 کھڑی فوج کفار کی بھی طیار      کرے داہنی خالد آکر پوکار  
 ہوا طرف بانو یکے حب ملکوں      کھڑا تیر دار لے اکڑاں  
 مقابل ہوا عمر سفیاں شباب      چلا اور بیٹا ربیعہ خراب  
 ہوئی صف جو دونوں طرف سے تیار      پوکا سے چھٹوں طرف سے مار مار  
 ترنگن کی پھر تنگ کھینچی رگام      بھی تنگ اُس جنگ کی دہم و دام  
 دہانم گماگم ہوئی پھیر کر      بیا ایک لے ایک کون گھیر کر  
 کہیں جھپیاں تر چھیاں ٹٹھ میں      ہوئے مرد کی مرد جگیت میں  
 کسے سیل کی ریل اوت کھیل کر      بیا مردنیں مرد کون پیل کر  
 شپاشپ چلے تیر پے تیر زور      کھپا کھپ ہوئی پار سوجھ پھوٹ  
 لگے گرج بھاری گرج شور کر      کمر توڑ ڈالی پنٹ زور کر  
 پٹی دھار تلوار اوت آپڈار      جیسے پار صابن ہوئے لوہ تار  
 رٹائی ٹھٹی اک قیامت اٹھی      قیامت کی اس بات چھائی پھٹی  
 کہیں مست گموں میں صحابی کھڑے      کہیں گھاؤ کھائے قریشی پڑے  
 مسلمان اصحاب نہیں تیر کر      بیا مار کف رکوں چیر کر  
 گئے بھاگ کا قرچلے کھائے ڈر      اٹھی رگڑا گیت جنبیاں گانگر

رسول اللہ کی وفات پر مصنف نے حضرت عائشہ و حضرت فاطمہ و جنہیں  
 کی طرف سے مرثیے لکھے ہیں۔ جو بالکل غزل کی شکل میں ہیں۔ لیکن وہ انہیں  
 دودھ سے کتا ہے چنانچہ حضرت عائشہ کا دودھرا حسب ذیل ہے ۵  
 سکھ میں کے گھر سو دتی لاگا بیچھے تیرا ب      دکھ میں بھر بھر دوتی بھاری پڑی ہو پیرا ب

درد و کدورت تو اریاں کس کوں سُناؤں حال یہ  
 کیا سی لگی اب مرم کی دیہی گئی ہے حیر اب  
 جانی بنا کوئل بھی جر جر سب جوں کو ملا  
 تن ہاں لگی ہے لوکٹی دل کا گیا دلیر اب  
 نرسن پوکا دل یلک پیو بن بھی تن ہیکلی  
 آنسوں جھراں ماری بھراں بنیو رہا ناہیر اب  
 میری ہوئی ہیں نین کٹ بنسی لگی ہے چانچک  
 تر پھوں پڑی پیکل کٹری کیسے ہڑنیں ہیر اب  
 پیو چاہ چاہے جبو یہ پیو بن نہیں کچھ جو نا  
 جیکوں تجوں پکیں لہوں سانجی اٹھی ہی ہیر اب  
 پک پک پڑی تھک تھک گئی ٹوٹا تک ناہیں نا  
 محبوب عالم نہہ کی پاؤں پڑی زنجیر اب  
 حضرت عمرؓ کا دودھ رہ یہ ہے -

محمدؐ یاد ناچو کوں پڑا دن رین کر لاؤں  
 کھڑا فریاد ماں کو کوں محمدؐ سا کہاں پاؤں  
 محمدؐ نہہ کی پھانسی گئی گرمانہ سے ہانسی  
 گئی ہے ٹوٹ کر پھانسی کسے یہ حال دکھ لاؤں  
 لکن لاگی نہٹ گا ہڈی محمدؐ پیت نیں یاد ہی  
 یہی ہے جیو ماں ٹھادی محمدؐ ناؤنت گاؤں  
 محمدؐ کہہ محمدؐ کہہ پوکا روں میں سدا اللہ  
 پھر دں گھر گھر یہی کہہ کہہ محمدؐ نانوں پہنچاؤں  
 کر دں نا محمدؐ بن سہوں پچا پڑا نس دن  
 گئے سب چین ہرم میں کسے دکھ بات بتلاؤں  
 نہ تنگی ہے نہ کوں ساتھی پٹلی اس درد ماں بھاتی  
 پھٹی تن کی بھی ٹالی محمدؐ یا جھ من پاؤں

عجب محبوب عالم تھا نہایت خوب عالم تھا  
 مرانت پرت پالم تھارا ہے بیٹھ کس ٹھاؤں

## جعفر زمری

پچھلے تذکرہ نگاروں نے ان کا ذکر کیا ہے اور اردو شعرا میں ان کا نام ہے لیکن حال کے تذکرہ نویسوں نے ان کے نام پر پردہ ڈال دیا ہے۔ مولانا محمد حسین آزاد نے یہ لکھا اُن سے دامن چھڑایا ہے کہ زل کا بھروسہ کیا۔ لیکن اردو کی تاریخ میں ان کے خاندان و اعداد و مضامین کے باوصف میر جعفر سے اعراض نہیں کی جاسکتے اس لئے کہ ہندوستانی اردو نگاروں میں ان کا نمبر بہت پہلے ہے ان کا اور ولی کا ایک زمانہ ہے۔ اس لئے دہلی میں ولی کے متبعین سے ان کا زمانہ اقدم ہے۔ میر جعفر اصل میں نارنول کے باشندے ہیں اور سید عباس کے فرزند ہیں۔ جن کا پیشہ دکانداری تھا۔ اور نگ زیب کی تخت نشینی اور میر جعفر کی ولادت ایک ہی سال کے واقعے ہیں۔ اُن سے پہلے دو بہنیں ہو چکی تھیں۔ اور بعد میں اُن کے چھوٹے بھائی صفدر ہوئے۔ میر کی کم عمری میں ان کے والد کے انتقال کا واقعہ پیش آیا۔ چچا نے جن کا نام میر سرور تھا۔ سرپرستی کی۔ مکتب میں تعلیم پانے کے بعد ملازمت کی تلاش میں نکلے اور شہزادہ کا منجش کی فوج میں سواروں میں ملازم ہو گئے۔ چونکہ اورنگ زیب کا اکثر زمانہ دکن میں گزرا۔ اس لئے یہ بھی منجش کے ساتھ وہیں رہے۔ ان کا سال وفات کسی نے نہیں لکھا۔ لیکن اُن کے کلیات مطبوعہ لکھنؤ ۱۸۷۸ء کی ایک نسخہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فرخ سیر نے ان کو قتل کر دیا تھا۔

میر جعفر فتح گوئی میں عبیدزاکانی کے خلف ارشد معلوم ہوتے ہیں۔ کچھ تو طبیعت کی افتاد اور کچھ ان ایام کی مبتذل اخلاقی حالت نے ان کو اس نگہ



میں رنگ دیا۔ بھویں انہوں نے کم لکھی ہیں۔ اور وہ بھی ضرور لکھی ہیں۔ تاہم ان کی زبان درازی اور بیباکی میں کوئی شک نہیں۔ ان کے قلم سے راجا سے پر جا تک کوئی نہیں بچا۔ وہ نہ شہزادوں سے خائف تھے اور نہ قانون سے جس نے انہیں چھیڑا۔ نقصان اٹھایا۔ مشہور تو زطل ہیں لیکن کلام کو خدا داد قبولیت حاصل تھی اسی لئے دنیا ان سے کنیاتی تھی۔ ان کی زبان سے غور میں بھی نہیں سچیں عالمگیر اگرچہ نہایت ثقہ اور متین بادشاہ تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے اس کی انتہائی سنجیدگی اور متانت کی تلافی کے لئے ایک ہی وقت میں وزیر دست ہزال اور فحش گو فارسی اور اردو زبانوں میں پیدا کر دیئے۔ ایک ہی ان سطور کے موضوع اور دوسرا نعمت خاں عالی ۱۰۔

قرن الثانیہ بیگم نے میر صاحب کو تیس روپیہ انعام دیے جانیکا حکم دیا۔ بیگم کے دیوان فتح علی خاں نے پانچ دیکر مانا چاہا۔ میر صاحب اس پر بگڑ گئے۔ دیوان صاحب کی ہجو الگ لکھی۔ اور روپیہ الگ وصول کیا۔ خانبہاں خان بہادر کو کلتاش عہد عالمگیر کے مشاہیر امر سے ہیں۔ میر نے ان کی خدمت میں ایک قرآن مع ایک عدد قصیدہ پیش کیا۔ اور قرآن شریف کے ہدیہ اور قصیدہ کے صلہ کیلئے عرصہ تک منتظر رہے لیکن کوئی نتیجہ مترتب نہیں ہوا۔ آخر میر نے تنگ آکر خان دالاشان کی ہجو لکھی۔ ایک امیر نے ان کو پانچ اشرفیاں انعام دلوائیں۔ اس کے دیوان خدایار بیگ نے اشرفیاں دیا لیں۔ میر کو خبر لگی۔ خدایار پر برس پڑے اس ہجو کے آخر میں فرماتے ہیں

جو کوئی حجہ اوپر شفقت کرے      جگت بیچ اس کی خدا پست رکھے  
نہ ایں ہجو از راہ حرص نہ ہواست      دلا زار را ہجو کردن رواست  
بیا جعفر اکنوں شکایت کن      ز مودی دہا ہتی حکایت کن

میر کے قلم سے عالمگیر کے فرزندوں میں کوئی بھی نہیں بچا۔ ان شہزادوں کی آپس کی رقابت نے دکن کی جہم کو ایک نہایت پیچیدہ اور کٹھن کام بنا دیا تھا۔ محمد معظم کی تعریف میں کہتے ہیں :-

تختیں کلاں ترکہ برکھنڈ کرد ہمسہ کار و بار پدر بھنڈ کرد  
چناں لوٹ شد بستی بیگ نگر نہ خد ماصفا ماندہ ماکدر  
چہلکے بدست خود آوردہ داد مگر از بہشتش اساسے نہاد  
جہاں ہوے ایسا کاچھن کپوت لگے خلق کے منہ کو کالک بھوت  
اور محمد اعظم شاہ کے حق میں کہتے ہیں :-

دگر شاہ اعظم ہمہ کند در برسوائی انداخت کار پدر  
بخوشد امن و سپورہ ساختہ یہ لٹو پتو کار در بانہ  
فرستد ایناں بشب پان پھول ملا کر کیا کام سب خاک ہول  
ازیں اختلافش کہ گیرد خراج کہ دہنگ بھنگ گشت است لٹو کراج  
محمد اکبر کے لئے کہتے ہیں :-

چہارم پسر ڈومنی کا جٹا

نود شہزادہ کا بخش پر بھی میر نے ماتھ صاف کیا۔ خیریت اسی میں گزری کہ نوکری سے موقوف کر دیے گئے۔ میر اپنی اس غلطی کو مانتے ہیں اور پشیمان بھی ہیں :-  
از ہواں سلطان خود کردی پریشاں جان خود در ماندہ بے بال و پر کہہ جعفر اب کیسی بنی  
با بادشہ تیں میر کی سر کی خدائے خیر کی تا حال ہم داری ہذر کہہ جعفر اب کیسی بنی  
وہ ذوق ہر دم کا کہاں وہ عطر بیگم کا کہاں در خاک شد آن کرد فر کہہ جعفر اب کیسی بنی  
عالمگیر نے "امجد خاں" کا خطاب ایک امیر کو دیا۔ میر نے اس واقعہ کی تاریخ "چخل سنگ" نکالی جس سے ۱۱۳۳ھ برآمد ہونے ہیں لیکن تجوی ہے کہ میر اور رنگ نے یہ

ہمیشہ نہایت اوج سے ذکر کرتے ہیں۔ اس کی زندگی میں نیز وفات کے بعد بھی اس کا احترام کرتے رہے۔ اگرچہ ایک آدھ جگہ اس کو لکھ گئے ہیں تاہم کوئی ہجو مقصود نہیں ہے اس کی وفات پر جو ہندوستان کا نقشہ بگڑا ہے اور رعایا پر ایک عالمگیر بے لطیفانی اور بچپنی چھائی ہے اس کی کیفیت یوں بیان کرتے ہیں :-

کہاں اپ پائیے ایسا شہنشاہ      مکمل اکمل و کامل دل آگاہ ؛

رکت کے آنسوؤں جگ دوتا ہے      نہ میٹھی نیند کوئی سو دوتا ہے

صدائے توپ بندوق است ہر سو      بس اس بات بندوق است ہر سو

دوا دود ہر طرف بھاگ پڑی ہے      بچہ درگود سرکھٹیا دھری ہے

کناکٹ و ٹالٹا ہست ہر سو      جھٹا جھٹا و پھٹا پھٹا ہست ہر سو

ہر سو مارو دھاڑ دھاڑا است      او چل چال و تیر خجڑا است

ازاں عظم وزیں سے معظم      جھڑا جھڑو دھڑا دھڑ ہر دپا

بہیم تا خدا از کسیت راضی      بخواند خطبہ بر نام کت راضی

محمد معظم کے دور میں میر نے ایک سالہ اخبار دربار معتلے کے نام سے لکھا ہے جس میں اول دربار کے فرضی وقائع بیان کئے جاتے ہیں۔ اور پھر ان کے متعلق ہی احکام صادر ہوتے ہیں۔ میر نے یہ شاہی احکام اکثر اوقات ضرب الامثال کی زبان میں ادا کر دیئے ہیں۔ اس طرح ہمیں کسی قدر اس عہد کی ضرب الامثال سے واقف ہو جانیکا موقع مل جاتا ہے۔ میں بعض بیان نقل کرتا ہوں۔ اکثر وہی ہیں جو آج بھی رائج ہیں ۔

(۱) چوم چھاڈا باری پتھرا (۲) تجھے پرانی کیا پڑی تو اپنی آپ بندیر۔ (۳)

ہارا حاکم ضامن چاہے۔ (۴) اندھے کی جور دکا خدا رکھوارا (۵) دم

جو پکڑی بھڑکی وارا ہوا نہ پارا۔ (۶) باندہ کے ہاتھ نابیل۔ (۷) باسی سے

نکو تا کھائے (۸) ٹھالا بنیا پٹیری تولے۔ (۹) ماں پر پوت پتا پر گھوڑا۔  
 بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا۔ (۱۰) ہرے آگین گادنا اور گوبکے اگے گل۔  
 اندھے آگین ناچنا یتیموں ال بل۔ (۱۱) دہلی بلی جو ہے پاس کان کتر آو  
 (۱۲) گدہوں کہا یا کھیت پاپ نہ پن۔ (۱۳) دانا کی ناو پہاڑ چڑھے۔ (۱۴)  
 مائے منطباخ سے اگے دہرا نکھائے (۱۵) تر ت دان ہاپن (۱۶) اوکلی  
 میں سر دینا دھکوں سے کیا ڈرنا (۱۷) کہا دیں پیو میں محمود کے امہ آویں  
 مسعود کے۔ (۱۸) پاسا پڑے سودا ڈرا جا کے سونیا ڈر۔ (۱۹) اٹا نرٹا اور  
 پوچا سٹکا۔ (۲۰) جیسا بوٹے تیسرا اوپے رکھا (۲۱) غار شتی کٹا عمل کی  
 گڈی اور اس پر بانا فی جھول (۲۲) چار دن کا چاندنا اور پھر اندھیری رات

اس رسالہ کے متعلق ایک حیرت خیز واقعہ یہ ہے کہ اس میں عالمگیر ثانی متوفی  
 ۱۷۰۷ء اور شاہ عالم ثانی متوفی ۱۷۰۷ء کے زمانوں کے بعض واقعات درج  
 ہیں۔ مثلاً احمد شاہ درانی۔ سوچ ل جاٹ اور مرہٹوں کا دہلی میں استیلا وغیرہ  
 اب ناممکن ہے کہ میر عالمگیر کے جلوس کے سال ۱۷۰۷ء میں پیدا ہو کر بارہویں  
 صدی کے اختتام تک زندہ رہیں۔ حالانکہ ان کی عمر ساٹھ سے کچھ اوپر بتائی جاتی  
 ہے جس حساب سے انہیں فرخ سیر ۱۷۳۱ء کے زمانہ میں انتقال کرنا چاہئے۔ اس  
 صورت میں یہی خیال کیا جاسکتا ہے کہ میر کے کسی فرزند معنوی نے میر کی وفات  
 کے بعد بھی اخبار دربار معنے کو جاری رکھا۔

جب میر ملازمت سے برطرف کر دیئے گئے۔ اُن کا ملازم ان کا تمام اند وختہ  
 لے کر بھاگ گیا۔ میر نے اپنے دل کا سچا زخم میں اس طرح نکالا:-

”دعین وقت بیکاری و چین ناداری عنی ازلی و متغنی و ہنہ و چرغین چگونہ  
 نفرے یے پردے ماہ رخے فرصت وقت را یافتہ۔ متاع کثیر و قلیل را گرفتہ

بگوئید خزیدہ۔ قولہ تعالیٰ لَیْفَعَلَ اللّٰهُ مَا یَشَاءُ وَیَخْلُکُمْ مَا یُبْرِیْدُ۔  
 مثلہ موے پر سودرے۔ مثلہ۔ جیسے کوڑہ میں کھاج۔ مثلہ۔ بلکہ بے خرچی  
 میں آٹا کیلا۔ بیا جعفر جوش و خروش نشنیدہ کہ گفتہ اند۔  
 جب فتح سیر تخت نشین ہوا۔ اس کے سکے پر یہ شعر کندہ کیا گیا ہے  
 سکے زواہ فضل حق پر سیم وزر پادشاہ بحر و بر فرخ سیر  
 میر کی طبیعت بھی جولانی پر آئی۔ آپ نے اپنے انداز میں اس سکے کو یوں سجایا۔  
 سکے زوہر گندم و موٹے و مٹھے پادشاہ پشتہ کش فرخ سیر  
 مینقی میر نے لکھا ہے کہ میر جعفر ایک روز میرزا بیدل کے ہاں گئے۔ اور  
 فتوح کی امید میں یہ مصرع پڑھا ۴  
 چہ عرنی چہ فیضی بہ پیش تو پیش  
 میرزا بہت برہم ہوئے اور کچھ دلو اکڑا کر ٹال دیا۔  
 میر حسن بیان کرتے ہیں کہ میر جعفر ایک دن میرزا بیدل کے گھر گئے۔  
 بیدل اس وقت فکر شعر میں مشغول تھے۔ کچھ توجہ نہ کی۔ میرزا وہ انتظار نہ کر سکے  
 پوچھا۔ قبلہ وہ مصرع کیا ہے جس کے دوسرے مصرع کی تلاش ہے۔ بیدل نے  
 کہا وہ مصرع یہ ہے ۴  
 لالہ در باغ داغ چوں دارد  
 میر نے سنتے ہی بے ٹال کہا ۴  
 چو بکے سبز زیر . . . دارد  
 بیدل بہت خفا ہوئے۔ اور کچھ دے کہ پیچھا چھڑایا۔  
 میر جعفر کے کلیات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے زمانہ میں  
 اردو اور فارسی میں گنگا جمنی پیوند دئے جانے کا دستور تھا۔ اور زبان کی وہ

شاہراہ جو بتقلید و کن عہد محمد شاہ میں قائم ہوئی ہے۔ اس وقت تک طیار نہیں ہوئی تھی۔ ان کا کلیات اگرچہ مختصر ہے تاہم اس میں سینکڑوں عجیب غریب الفاظ پائے ہیں جو آج متروک ہیں۔ ثقہ و سنجیدہ مضامین پر انہوں نے بہت کم لکھ ڈالا ہے۔ لفاظی میں نظیر اکبر آبادی سے کم نہیں ہیں۔ ان کی طباعی اور ذہانت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ زبان اردو کا ایک بڑا ذخیرہ ان کے کلیات میں موجود ہے۔ میر اپنے تسخر کی لہر میں اکثر اوقات ہندی الفاظ کو عربی بندوبست دیتے ہیں۔ مثلاً:-

چوں گھر گھر اہٹ الہی الغام و کڑا اہٹ البرق فی البہرام برہراست  
و ہنگام گھٹا گھور صبح و شام شور دارد و مہر بردوام و آدان لہر زہ العمارات  
و کڑ پڑا الکھنڈرات و ٹوٹا الجھر و البوچھاڑ فی المنظر است و دل و شعلت  
علی الفیج و الفیج کھج کو چھائے چھی آگین اگر اہ میور زد  
یا فارسی کے مطابق ہندی افعال کی تصریف کرتے ہیں۔ جیسے:-  
”دا، نہ ہند نہ ٹکد نہ جند ز جا (۲) مثل تو نباشد جہاں اے نشہ خواں  
لکندہ مشکندہ بر فقاہ جو ہے سو“

یہ طرز اور زبانوں میں بھی موجود ہے طرزی نے اسے فارسی میں اختیار کیا ہے اور  
سولہویں صدی کے انگریزی شعرا کے کلام میں ایسے نمونے کثرت سے ملتے ہیں۔  
جن میں انگریزی اسماء و افعال کو لاطینی زبان کی تصریف کے مطابق بڑا گیا ہے۔  
یہاں کسی قدر کلام کا نمونہ حوالہ دے کر یہ کہنا ہے:-

دوسرے سبب راحت میں سدا رہ زود طاعت میں اہل بھی پہلی ساعت میں کہ آخر خاک ہو جانا  
جنوں کے لاکھ تھے گھوٹے سدا ز بھٹکے جوٹے انہوں کو موت نے تو لیے کہ آخر خاک ہو جانا  
جنوں گھر جھونٹے ہفتی ہزاراں میں دن ساتھی فتنوں کو خاک اب کھاتی کہ آخر خاک ہو جانا

مکرجب لموڑ کر چلتے غطرسب دیہر پر ملتے ۴۴ دیکھو اب خاک میں رستے کہ آخر خاک ہو جانا  
جنوں کے لال تھے سیر سدا مکھ پان کے بیڑے تنہوں کو کھا گئے کیڑے کہ آخر خاک ہو جانا  
سدا جو پہنتے مسل محل میں باجئے مند ل گئے وہ خاک میں رل کہ آخر خاک ہو جانا  
لنگتی بانٹتے پاگاہ محل میں دنگ اور راگاہ دہاں ہیں بیٹھے کاگاہ کہ آخر خاک ہو جانا  
لذت کا کھاوتے کھانا پہرتے ریشی بانا انہوں کو موت نے بھانا کہ آخر خاک ہو جانا  
ہزاراں شہر کے راجا جنو مکھ چاند سے لاجا  
نقاراموت کا باجا کہ آخر خاک ہو جانا

در بیان نوکری :-

بشنو بیاں نوکری جب کاٹھ ہوئے کھوکری جب بھول جاوے چوکری یہ نوکری کا حفظ ہے  
ہر روز اٹھ جاکریں دو کاریک صد گ پڑیں بے شرم آپس میں لڑیں یہ نوکری کا حفظ ہے  
ہر صبح ڈھونڈیں نوکری کوئی نہ پوچھے باتی سب قوم ڈھونڈیں لاکری یہ نوکری کا حفظ ہے  
چوکی لکھیں اور عاضری کماون نپا دیں باجری تسیر چلاوے ناظری یہ نوکری کا حفظ ہے  
راکھے سپاہی کھات کو چوکی دلا دیں رات کو کوئی نہ پوچھے ذات کو یہ نوکری کا حفظ ہے  
صاحب عجب بیداد ہے محنت ہمہ بر یاد ہے اید و ستاں فر یاد ہے یہ نوکری کا حفظ ہے  
ہم نام کو اسوار ہیں روزگار سے بیزار ہیں یار ہمیشہ خوار ہیں۔ یہ نوکری کا حفظ ہے  
پیک تیرے پیکان نگر دروے نہ سو فار و نہ پر فوط نما نہ در کمر یہ نوکری کا حفظ ہے  
دربار دیکھ خان کا بیڑا نپا یا پان کا زر کا نو پھر امکان کا یہ نوکری کا حفظ ہے  
انقلاب زمانہ :-

گیا اخلاص عالم سے عجب یہ دور آیا ہے ڈرے سب خلق ظالم سے عجب یہ دور آیا ہے  
نیاروں میں ہی یاری نہ ہما و ن میں ناواکی محبت اٹھ گئی ساری ، عجب یہ دور آیا ہے  
نبوئے رستی کوئی عمر سب جھوٹ میں کھوئی اتاری شرم کی کوئی ، عجب یہ دور آیا ہے

نوشادر کے بنی رکی چہ بیگانہ چہ زن گھسہ کی : للاحے بات سب ہر کی عجب یہ دور آیا ہے  
 نفر کی جب طلب ہو دے نفر باہر کھڑا روئے : میاں گھر میں پڑا سوئے عجب یہ دور آیا ہے  
 یہ واضح ہے کہ اشعار بالا میں ردیف پر قناعت کی گئی ہے اور قافیہ کا استعمال  
 نہیں ہوا ہے۔ محبوب عالم کے وہ ہر دس کی بھی یہی خصوصیت ہے۔ نظموں کا یہ دستور  
 پنجاب میں بہت عام تھا۔

## سید اٹل نار نولی

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ میر جعفر زٹلی کے بھائی ہیں۔ اگر سگے بھائی نہیں ہیں  
 تو روحانی ضرور ہیں۔ ان کا ایک قصہ کلیات جعفر زٹلی میں محفوظ ہے اس قصہ کے  
 ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اور میر جعفر کا مذاق ایک ہی رنگ کا ہے اور زٹلی  
 اور اٹل میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ دہو ہذا۔

”قصہ سید اٹل کہ از نار نول نوشتہ بمیر جعفر دردکن فرستادہ بود“  
 ”بیٹا بڑائی و چوڑائی میر جعفر زٹلی بڑے بھائی ہر روز از یاد حق سگسی باشد۔  
 از سید اٹل بعد ادھک چہار بسیار اور منور بایشمار او جمل و غنی نمائند کہ پیر پیت  
 ہموطن و ادھک ملاقات و شنیتاق آں از حد پر گھٹ ٹپٹ بیروں و از بہت  
 اندیشہ نہایت اخروں یک بموجب آں کہ گل آفر مرٹوں یا ڈقٹا تھا حال مذکورہ  
 دو پنجہری نگار د کہ بعضے بد بختاں کا فر کٹھ دلی بوجہ مرید غشہ در جوی خودی  
 چوں خاک ازندی ٹر ٹری کر دند و اکھاڑ پچھاڑ کر دہ و نار نول ٹھیکا ٹھاہ بودم  
 و بعضے ٹرٹوں و چہ چوں از بر اسے این تپٹ مہربان از دہان ... نشان



چوں ... پڑ پڑ زبان می آوردند نظم سے  
 زلزل تیری جعفر جا نگیر شد زلزل گفتن اندرتوئی میر شد  
 امید کہ خود درین بلیۃ ہادی بودہ از خط و کتابت بھول جانا روا نہا شد بیت  
 نام حق روز و شب پکارا کہ خط کتابت کو بھی بچا را کہ  
 اس قعدہ کا جواب میر جعفر نظم میں دیتے ہیں جو یوں شروع ہوتا ہے :-  
 سنو ایے مخدائے برادر عزیز! اٹل نازنولی توئی با تمیز  
 اسی جواب میں زلزل ذیل کا شعر بھی لکھتے ہیں :-  
 منم کمتریں بندہ شاگرد تو شب روز در یاد دور دور تو  
 جس سے شبہ ہوتا ہے کہ کہیں زلزل اور اٹل ایک ہی بھر دیپ نہ ہو :-  
 غزل ذیل سید اٹل کا نمونہ کلام ہے جو ایک بیاض نوشتہ عمدہ محمد شاہی سے  
 نقل کی جاتی ہے :-

|                                  |                                  |
|----------------------------------|----------------------------------|
| رخسار پر ہار سمن رونق چسمن       | یا گل گلاب کہوں یا لالہ یا سمن   |
| یا حقہ جواہر ویا درج در کہوں     | یا غنچہ گلاب کہوں یا کہوں ہن     |
| گیسو تابدار ہیں یا ناگسم بھونک   | یا زلف مشک نگسم یا نافہ فغن      |
| باقدر خوش خرام چلے جب لک لک      | شمناد اور منو پر سمن کھا دیں چمن |
| چوں ہناب دی او کرتا ہے جھک جھک   | یا آفتاب گشتہ درخشندہ در گلن     |
| بیداوگر مست گر ظالم عجب عجب      | کہ مہربان گاہ غضبناک خندہ زن     |
| بر تو سمن کرشمہ سوار است ناز میں | سید اٹل زیادہ دیدار اد گمن       |

رازیامین تراب منگہ ساکن موضع آدرملہ پرگنہ راہون۔ دو آب بست کاندھ  
 بست و نیم شہر ہادی الاول سلمہ جلوس الای محمد شاہ  
 بادشاہ غازی)

## فارسی لغات سے اردو کی قدامت کی شہاد

اکبر اعظم کے عہد میں فارسی خواندہ کا رواج از سر نو تجدید پاتا ہے۔ اس عصر میں علوم و فنون نے وہ ترقی کی جو گذشتہ ایام میں نامعلوم تھی۔ فیروز شاہ تغلق کی وفات کے بعد ۹۷۷ھ سے بیکر اکبر کے جلوس ۹۶۳ھ تک کا زمانہ ہندوستان میں فارسی کے لئے عہد تاریک کا حکم رکھتا ہے۔ اس زمانہ میں بہت کم تصنیفات ہوئیں اور نہ کوئی چوٹی کا مصنف یا شاعر پیدا ہوا۔ یوں تو فارسی کا ستارہ اس زمانہ سے پیشتر ہی گہنا نے لگ گیا تھا۔ خلیجیوں میں علاء الدین محمد شاہ ۸۱۷ھ کا زمانہ انقلاب خیز ہے۔ اس کا عہد زمانہ ماضی کے اثرات کی بنا پر اگرچہ علم و فضل کے علمبرداروں سے خالی نظر نہیں آتا۔ اور علما و فنکار۔ ادیب و شعرا کا جمگھٹا پایہ تخت میں موجود ہے۔ لیکن پادشاہ بذات خود جاہل مطلق تھا۔ اور پستار ان علم سے اس کو کوئی الفت نہ تھی۔ حتیٰ کہ اُس نے اپنی اولاد تک کو جاہل رکھا۔ اور محل میں اُن کی پرورش ہوتی رہی۔ اس کے قواعد و ضوابط جاسوسی کی سختی نے رعیت کے دلوں میں پڑھے لکھوں سے نفرت پیدا کر دی تھی۔ لوگ نویسندوں کو بیٹی دینا تک ناپسند کرتے تھے۔ شاعروں، مورخوں، ادیبوں اور عالموں کی اس کے دربار میں آمد و رفت رہی لیکن پادشاہ کو اس جماعت سے کوئی سروکار نہ تھا۔ یہ لوگ اُس کے نزدیک دربار کی رونق اور نمائش و نمود کے سوا کسی مصرف کے نہ تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آخر عہد علانی سے تعلیم یافتہ طبقہ کی تعداد گھٹنے لگی۔ اور عوام الناس میں تعلیم کا ذوق و شوق کم ہو گیا۔ علوم کی بیرواجی کے ساتھ ساتھ فارسی پر بھی زوال آ گیا۔ تغلقوں نے کسی حد تک اس منزل کی روک تھام کی۔ لیکن فیروز شاہ کی وفات پر

کامل اندھیرا اچھا گیا۔ فیروز شاہ کے جانشینوں، حضرفانیوں، بودھیوں اور سوروں کا زمانہ فارسی کے لئے نہایت بد حال تھا۔ بالخصوص پٹھانوں کا جو فارسی کے دشمن مطلق

تھے \*  
شیر شاہی عہد کے پٹھانوں کے ذکر میں اخوند درویش اپنے مرشد سید علی ترمذی کے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں :-

”بحکم اہلک جہل و سختی بر اقوام غالب است تاہر کہ بزبان فارسی نطق و کلم کند

اور دشمن میگيرند“ \*

ان ایام میں دینی زبانوں کی طرف عام توجہ ہو گئی تھی۔ مذہب تصوف اور شاعری کا رے زیادہ چرچا تھا۔ راج، ادوی اور قنوجی کے بعض مشہور شاعر اسٹی مانہ میں پیدا ہوئے۔ دنیا مذہب تصوف کے پیچھے دیوانی ہو رہی تھی۔ اور ہر قسم کے شیاد بشرطیکہ ان میں لسانی و طباعی موجود ہو۔ ایک نیا فرقہ اور نیا مذہب بنانے میں کامیاب ہو سکتے تھے۔ ماری و جلالی فرقتے۔ ہمدیوں کی تحریک۔ کبیر مینتھی۔ داد و پنتھی۔ ستنامی اور نانک مینتھی اسی زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ قصہ مختصر نئے مذہب بنے۔ نئے فرقے اٹھے اور تصوف پھلا پھولا۔ لیکن فارسی ہندوستان میں ٹھٹھ گئی \*

علمی لحاظ سے ان ایام میں اگر کوئی کام ہوا ہے تو یہ ہے کہ طبیبوں نے طب یونانی کو ہندوستانی فضا کے مطابق ڈھالا۔ عربی و فارسی ادویہ کے اسما کو ہندی اسما کے ساتھ مطابقت دی۔ حقیقت یہ ایک نہایت مفید کام تھا جو اس عصر کے اطباء نے کیا۔ اس کے ماسوا جیسا کہ ڈونٹنرل میں دیکھا جاتا ہے شرح نگا پیدا ہوئے۔ اور اسی ضرورت نے فرہنگ نگاروں کی جماعت پیدا کی۔ یہاں چند الفاظ انہی لغات نگاروں کی بابت کہنا چاہتا ہوں \*

ہندی فرہنگ نگاروں میں سب سے مقدم مولانا غزالدین مبارک غزنوی تو اس  
 یا کم نگاہ ہیں جو علامہ الدین خاں جلی ۶۹۵ھ و ۱۲۹۵ھ کے عصر کے مشہور و معروف شاعر ہیں  
 ضیاء الدین برنی اور فرشتہ دونوں ان کا ذکر کرتے ہیں۔ ہندوستان میں ان کا  
 فرہنگ نامہ فارسی لغات کا سنگ بنیاد ہے۔ ہماری نظر میں اس کی اہمیت یوں لگتی  
 ہے بڑھ جاتی ہے کہ فارسی الفاظ کی تشریح کرتے وقت بعض موقعوں پر مصنف نے  
 ہندی الفاظ یا لفظوں دواؤں اور دیگر شیا کے نام بھی دے دیے ہیں۔ یہاں  
 بعض الفاظ نقل کرتا ہوں :-

اطفار الطیب کے لئے کہتے ہیں :-

”ہندش دکہ دکہ گویند“ دوسرے معنی لکھتے وقت کہا ہے :- ”پیاری

ناخن پر مایں۔ ہندش نکھ نامند“

ابر نیساں کے واسطے کہتے ہیں :-

”اہل ہند از باران سواتی نامند و آں امند اے زمستان و انتہائے شربال

است“۔

پرستو :- ”درغیکہ ہندش بھکراج گویند“

”ناک :-“ ہندش چھیکا نامند“

چٹوک :- ”قبرہ یعنی مانورک و ہندوی مقررہ گویند“

کت :- ”نخست ہندواں باشد میان بافتہ“

فاقہ :- ”سایہ پر درک ہندش نیری گویند“

ہفوش :- ”چیز نیست خوردنی کہ برنج ترکہ دیو بند و در جامہ بستہ بالائے آب گرم

در آدینے ہر کردہ و مقدسے در آں سودا رخ کردہ میدارند۔ از بخار آں سچتہ

(منقول از مویہ الفضلا)

میشود۔ ہندش بھاکہ نامند

میں انہی نمونوں پر کثافت کرتا ہوں جن میں سے نصف آج ہم نہیں سمجھتے۔ مولانا کی تحریک اس قدر مبارک ہوئی کہ ان کی تقلید میں اور لوگوں نے بھی فرہنگیں لکھنی شروع کیں چنانچہ مولانا رفیع المعروف یہ حاجب خیرات نے ۱۳۳۷ھ میں دستور الافاضل اور ملا رشید برادر جد جامع شرف نامہ فیری نے زفان گو یا۔ قاضی بدرالدین محمد دہلوی نے ۱۳۳۷ھ میں اذات الفضل ۱۳۳۷ھ میں محمد بن داؤد شادی آبادی شایع خاقانی دانوری نے مفتاح الفضل مولانا ابراہیم بن قوام فاروقی نے رکن الدین باریک شاہ ۸۶۴ھ و ۸۶۹ھ کے زمانہ میں شرف نامہ فیری مولانا محمود بن شیخ ضیاء نے ۹۱۶ھ میں سکندر لودھی کے نام پر تحفۃ السعادت وغیرہ تصنیف تالیف کیں۔ ان کے علاوہ طب خفائی الاشیا۔ فنیۃ الطالبین از قاضی شاہ۔ موائد الفوائد۔ لسان الشعرا۔ فوائد الفضل۔ لسان الشعرا بھی اہم تالیفات ہیں جن کے زمانوں اور مصنفین سے ہم واقف ہیں۔ ہماری دلچسپی کا سامان جوان فرہنگوں میں ہے یہ ہے کہ ان میں سے اکثر مصنفین نے فارسی الفاظ کی شرح کے وقت ان کے ہندی مرادفات بھی دیدئے ہیں۔ اور یہ التزام قریب قریب تمام مصنفین نے کیا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان ایام میں ہندی کی طرف ایک عام رجحان ہو گیا تھا وہ ہر غیر معمولی لفظ کا ہندی مرادف دیدیتے ہیں۔ اگر موجود نہیں ہے تو وضع کر لیتے ہیں۔ یہ عمل طبی تالیفات میں زیادہ تر مشاہدہ میں آتا ہے۔ میں اس کو کتنی واضح کرنا چاہتا ہوں۔ زبان کی ارتقائی تعمیر میں ایک اصول یہ بھی ہے کہ وہ دوسری زبان کے الفاظ کو یا تو بعینہ لیتی ہے یا ان کا ترجمہ کر لیتی ہے۔ اس کی مثال میں لفظ ”اذان الفار“ ہم لیتے ہیں۔ اذان الفار ایک بوٹی ہے جس کے پتے زمین پر پھیلے ہوتے ہیں۔ شاخیں باریک ہوتی ہیں۔ اور پتوں کی شکل چوہے کے کانوں کے مشابہ ہوتی ہے۔ اس مشابہت کو دیکھ کر حکمانے اس کا نام اذان الفار رکھا

فارسی الوں نے اس کا مرتل گوش کر لیا۔ فارسی میں مرتل چو ہے کے معنوں میں آئے ہیں۔ جب حکما کو ہندی میں اس لفظ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ تو انہوں نے وہی اصول اختیار کر کے اس کا ترجمہ ”موساکنی“ کر لیا۔ اب موساکنی ایسے پانچ سو سال پیشتر ہندی میں مستعمل ہو رہا تھا۔ متاخرین یا تو یہ ترجمہ بھول گئے یا کسی اور مصلحت کے زیر اثر۔ موساکنی کو ”چو بہہ کنی“ کہنے لگے۔ اسی طرح اظفار الطیب ہے۔ جسے فارسی میں ناخن پر یاں اور ہندی میں جھبہ کہہ رہے ہیں۔ یہاں ناخن کی رعایت سے ”ناخن“ میں موجود ہے۔ اسی قیاس پر بصری القم کا ہندی ترجمہ ”چندر کانت“ کیا گیا۔ بصری لعاب و کف دہن کو کہتے ہیں۔ کانت کے معنے مجھے معلوم نہیں لیکن قیاس چاہتا ہے کہ بصری کا ہم معنی ہوگا۔ اسی قیاس پر ”منز و گربہ“ اور ”عاور گربہ“ کا ترجمہ ”بلائی لوٹن“ اور ”بلی لوٹن“ کیا گیا ہے۔ زبد البحر فارسی میں کف دریا ہندی میں سمندر پھین اور پنجابی میں سمندر جھگ اسی اصول پر مبنی ہے۔ اس قسم کی بیسیوں اور مثالیں بتائی جاسکتی ہیں۔

یہ امر یاد رہے کہ یہ فرہنگ نگار جس چیز کو ہندی کہتے ہیں وہ نہ برجی ہے نہ پنجابی۔ نہ راجستانی اور نہ بنگالی و گجراتی۔ ہندی سے ان کی مراد یہی اُردو ہے جو اس عہد کے مسلمانوں میں بالعموم رائج تھی۔ اس نے ان بعید زمانوں میں بھی اقل ترقی اور وسعت اختیار کر لی تھی کہ پنجاب۔ بنگالہ۔ گجرات اور ہندوستان میں عام طور پر بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ اس کی دلیل ہمارے پاس یہ ہے کہ مذکورہ بالا فرہنگ نویس باوجود یکہ مختلف مقامات ہند سے تعلق رکھتے ہیں کوئی مالوہ کا ہے۔ کوئی بنگالہ کا۔ اور کوئی پنجاب کا۔ جہاں مختلف زبانیں بولی جا رہی ہیں۔ اور ان لوگوں کا اپنے اپنے وطن کی زبانوں سے واقف ہونا بھی لازمی ہے۔ لیکن اپنے لغات میں وہ وطنی زبانوں کے الفاظ نہیں دیتے بلکہ اسی عام زبان کے جو تمام ملک کے

مسلمانوں میں مشترک ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ الفاظ ان تمام لغات میں عام ہیں۔ یہ خیال نہ کیا جائے کہ چونکہ فرہنگ نویس ایک دوسرے سے نقل کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ الفاظ ان لغات میں عام ہو گئے ہیں۔ اس خیال کی زبرد نہایت آسانی سے کی جاسکتی ہے۔

ان ہندی الفاظ کے ذخیرہ میں بعض ایسے الفاظ بھی نظر آتے ہیں۔ جو اگرچہ اصلاً فارسی ہیں لیکن فارسی والوں نے ان کو متروک قرار دیدیا ہے۔ مگر چونکہ اردو میں براہ استعمال ہوتے رہے ہیں اس لئے فارسی خوانوں نے ان کا شمار ہندی الفاظ میں کر لیا ہے۔ یا بعض وجہ سے ہندی میں انہوں نے دوسرے معنی پیدا کر لئے ہیں۔ بعض الفاظ ایسے بھی ہیں جو فارسی خوانوں نے ہندوستان میں ایجاد کئے لیکن فصحا نے ان کو تسلیم نہیں کیا۔ اور فارسی سے خارج کر دئے گئے۔ مگر چونکہ عام رواج میں تھے اس لئے انہیں ہندی تسلیم کر لیا گیا۔ یہاں چند مثالیں دی جاتی ہیں :-

انگشتانہ لازمی طور پر فارسی لفظ ہے جو انگشتانہ سے بنا ہوگا۔ وہ لوہے کی ایک ٹوٹی ہے جس کو درزی سوئی کے زخم محفوظ رہنے کی خاطر سیتے وقت انگلی میں پہن لیا کرتے ہیں۔ ایرانیوں نے اس کے لئے اور لفظ وضع کر لئے۔ مثلاً ”انگشتان“ اور ”آہن آشتیان“ وغیرہ۔ اب آخری لفظ کی تشریح میں صاحب موبد الفضل لکھتے ہیں

”ہندی انگشتانہ گویند“۔

ظاہر ہے کہ اس ہندی سے مصنف کی مراد بھاشہ واودھی زبانیں وغیرہ نہیں ہیں بلکہ اردو جس کا قدیم نام ہندوی ہے گویا اردو بولنے والوں میں یہ لفظ اس کثرت کے ساتھ استعمال ہو رہا تھا کہ فارسی خوانوں نے اس کو ہندی تسلیم کر لیا۔

لفظ ”کاس“ کی شرح میں مصنف مذکور کہتے ہیں :-

”کوڑہ گرد و پھین بر مثال کشت از چوب سفال و جز آں کہ زیر نعل آید زند۔ اکثر

درویشاں دشباناں دارند

وہ اس نشر و پراقت نہیں کرتے بلکہ آخر میں اضافہ کرتے ہیں کہ :-

”اہل ہند آزا کجکول گویند“

ہم جانتے ہیں کہ کجکول فارسی لفظ ہے :- وہ فارسی میں جب بھی مستعمل تھا۔ اور اب بھی۔  
لیکن چونکہ کجکول ان کے زمانہ میں اردو بولنے والے کثرت سے استعمال کرتے تھے  
اس لئے انہوں نے اس کو اردو کا لفظ مان لیا ۔

یہی مصنف ”بارگیر“ کے معنی بیان کرتے وقت کہتے ہیں :-

”در قنیۃ الطالبین لہجۃ ہونج است کہ آزا عمارۃ نیز گویند و ہند باری“

عماری عربی لفظ ہے۔ جاہلوں نے بگاڑ کر اس کا اپناڑی بنا لیا۔ اردو میں آج بھی یہ  
لفظ بولا جاتا ہے ۔

ایک اور لفظ ”کلاب“ کی شرح میں تحریر کرتے ہیں :-

”کنیزک۔ ہندش بردہ گویند“

مصنف موصوف بدول کے معنی ہندی میں کال بتاتے ہیں۔ حالانکہ کال عربی  
میں سست کے معنی دیتا ہے لیکن اردو میں وہ بدول اور نامرد کے مفہوم میں آنے لگا  
اس کی تائید دکنی ادبیات سے ہوتی ہے جس میں کال فی الواقع بدول کے معنی دیتا  
ہے چنانچہ محمد امین دکنی :-

تو ہم اک باگ کو مارین یدس مل ہوں کو کیا نہیں بوجھے ہو کال  
صاحب موبد الفضل اخیران کے ذکر میں لکھتے ہیں :-

”چو بے است، ہندش بیت گویند“

بیت و تحقیقت فارسی بید کی بگڑی شکل ہے جس طرح پلید سے پلید اور مد سے مد بنتے ہیں  
علیٰ ہذا لفظ روپاک ہے جسے اردو میں دمال کہتے ہیں۔ اس لفظ کی ترکیب فنا بھی ہے



گمراہی اسے تسلیم نہیں کرتے۔ یہی حالت تنگی کی ہے \*  
 ایسے زبان میں انگشتوانہ کو انگشتانہ۔ کاس کو کجکول۔ عماری کو انبا ڈی۔  
 روپاک کو رومال۔ کنیز کو بردہ۔ خیزران کو بیت۔ پلید کو پلیت۔ مدد کو مدت۔ اور لنگ  
 کو لنگی کہا جاتا ہے۔ اردو کے سوا وہ کوئی آدر زبان نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ہمیں یقین کر لینا  
 چاہئے کہ اردو ان ایام میں موجود تھی۔ اور ہندوستان کے ہر صوبہ میں جہاں جہاں  
 اثرات تھے بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ اور تغلقوں کے دور سے پیشتر ہی مکمل ہو کر ایک حالت  
 پر قائم ہو گئی تھی۔ سیدوں اور پٹھانوں کے دور میں جب دیسی زبانوں میں شاعری کا  
 چرچا ہوا۔ اردو میں بھی گجرات و دکن میں شاعری شروع ہو گئی۔ ان ایام میں جو اس زبان  
 کی ترقی کی رفتار دیکھی جاتی ہے۔ اس سے گمان ہوتا ہے کہ اگر مغلوں کا حملہ ہندوستان  
 میں غل انداز نہ ہوتا تو اردو بہت جلد سرکاری اور درباری زبان بن جاتی اور اس میں  
 تصنیفات و تالیفات کا سلسلہ جیسا کہ دکن و گجرات میں دیکھا جاتا ہے شروع ہو جاتا  
 لیکن مغلوں کی آمد نے اس زبان کی بڑھتی امیدوں کو دوڑھائی صدی کے لئے  
 ملتوی کر دیا۔ ایرانی عنصر جو امرا اور عمال کی صورت میں پھیل گیا۔ اس نے ایک مرتبہ  
 اور فارسی کے ٹٹاتے چراغ کی بنی اکسادی ادبیل ڈال دیا۔ اور ملک میں ایک مرتبہ  
 اور فارسی کا دور دورہ ہو گیا \*

میں یہاں مذکورہ بالا لغات سے ان ہندی الفاظ کے نمونے سپرد قلم کرتا  
 ہوں لیکن یہ یاد رہے کہ میں نے ان کتابوں کو شرف نامہ احمد فیروزی کے سوا چشم خود  
 نہیں دیکھا ہے کیونکہ یہ تمام کتابیں قلمی اور مایاب ہیں۔ اور اسلاف کے ذہنی عملی  
 کارناموں سے ہماری بے خبری ایک ایسا پروردافسانہ ہے جس کے دوہرانے کی  
 مجھ کو یہاں فرصت نہیں۔ ملک میں ایک بھی کام کا کتب خانہ نہیں۔ ہمارے محترم معاصر  
 جب کہ لاکھوں روپیہ انگریزی کتب خانوں کے بنانے میں صرف کر رہے ہیں مشرقی کتابوں

اور مشرقی کتب خانوں کے لئے ایک پسیہ خرچ کرنے کے لئے طیار نہیں جن بزرگوں کے ہاں بدبختی سے یہ کتابیں مفید ہو گئی ہیں وہ دروزاری کی پروا نہیں کرتے۔ اور ان کے دکھانے تک کے روادار نہیں۔ نہ خود ان سے فائدہ اٹھانے کے اہل ہیں اور نہ دوسروں کو ان سے فائدہ کا موقع دیتے ہیں۔ کہتے ہیں ہمارے بزرگوں کی یادگار ہیں۔ لیکن جس مجرمانہ غفلت سے بزرگوں کی یہ یادگاریں رکھی جاتی ہیں۔ ناگفتہ بہ ہے دیکھ اور چوہے ان کو چاٹتے ہیں۔ اور جب وہ چیزیں دنیا کے کسی مصرف کی نہیں رہتیں۔ مکنوؤں میں پھینک دی جاتی ہیں۔ دریاؤں میں بہا دی جاتی ہیں۔ یا نذر آتش کی جاتی ہیں۔ اور یہ آخری حشر ہوتا ہے ان بزرگوں کی یادگاروں کا۔ خدا رحم کرے ہماری اس جہالت پر جس کی طفیل ہزاروں شیعہ سالانہ برباد ہو رہے ہیں۔

اگرچہ اصل لغات میری نظر سے نہیں گزرے ہیں لیکن کتاب مؤید الفضل<sup>۲۵</sup> جس کو نو کشور نے چھاپا ہے۔ میرے زیر نظر ہے۔ اسی کی سند پر میں نے فرہنگ نامہ تو اس کے بعض الفاظ گذشتہ سطور میں نقل کئے ہیں۔ اور اسی کی سند پر ادات الفضل۔ زبان گویا اور قیئۃ الطالبین سے استفادہ کیا ہے۔ شرف نامہ احمد فیروز اور ریاض الادویہ سے براہ راست استفادہ کیا ہے۔ لیکن مجھ کو شبہ ہے کہ مؤید الفضل میں کسی غیر مصنف نے ہندی الفاظ کی قدیم شکلوں کو بدل کر موجودہ یا اس کی قریب شکلوں میں لکھ دیا ہے۔ مثلاً گھرگت کا گرگٹ یا گکھری کا ککڑی بنا دیا ہے۔

ادوات الفضل از قاضی بدرالدین دہلوی تألیف ۱۲۲۸ھ

|         |            |            |            |         |            |
|---------|------------|------------|------------|---------|------------|
| اصل لغت | ہندی مرادف | اصل لغت    | ہندی مرادف | اصل لغت | ہندی مرادف |
| اسکوب   | چھت        | آفتاب پربت | گھرگت      | اولنج   | اسورہ      |
| آنر     | ماسرہ      | ایڈ        | بھال       | آونگ    | لمگنی      |

اصل لغت هندی مرادف اصل لغت هندی مرادف اصل لغت هندی مرادف  
 ادات مور تابل تبنول تحم کتاں السی  
 تلی بھاندی وراے گھنٹی  
 زفان گویا از مصنفات طارشید (پدر ابراہیم) برادر جد جامع شرف نامہ

نفیری \*

اصل لغت هندی مرادف اصل لغت هندی مرادف اصل لغت هندی مرادف  
 آہن یا کانک ارب برہین انظار الطیب جٹھیہ کھر  
 اسرپ سیسا آبرود بالچھڑ آس مورلہ  
 استریش پھال تنخہ استریش ہل یادبر پھرکی  
 بوق بھیر بادرو ہری پیازک لونڈ  
 پرنگ پتیل پالادان ہانکہ پنجپایہ کیکرہ  
 جوزبوا چاہپسل جوپلیں اوٹنی چغندر دیدس  
 چارمغز اکروت چکاچک چکر حرزون سنگہ  
 حیارچنیر باندرپوری خرچکوک بھنپیل وپجری درخت سفتہ بھنور

فنیۃ الطالبین قاضی شہ ابن باب

اصل لغت هندی مرادف اصل لغت هندی مرادف اصل لغت هندی مرادف  
 آسیدب دہکھہ اسفانخ پالک امد بندی  
 اشخار ساجی کھار انبیر سنداسی اہل ہویر کنکول منج  
 اغمیلاں جوانشہ اہنقان ترمڑا آذرگوں سوچ کھی  
 اویش سانخہ بجرپ پیٹھا کھندہ بنج یخ داتورہ  
 بونیمار بگ و بگلا بیدانخیر امد بادبرنگ بادبھرنگ

|                             |            |          |                     |            |              |
|-----------------------------|------------|----------|---------------------|------------|--------------|
| اصل لغت                     | ہندی مرادف | اصل لغت  | ہندی مرادف          | اصل لغت    | ہندی مرادف   |
| باطن                        | سہجہ       | بلطان    | چولائی              | پیل        | پیل و مرج    |
| پوپل                        | سپاری      | پایدام   | پاسی                | پرازدہ     | پیڑا         |
| تغارہ                       | کھترہ      | تختہ گوی | لٹو۔ بھویرا (بھویر) | شجب کا خور | کاکڑا سینگلی |
| جرج                         | جا کدہ     | جمود     | تاڑ                 | جامہ شوک   | کائی         |
| جعدہ                        | بھنگہ      | جہ       | جوگ درپ             | جنیہ       | کتاری        |
| چشیرہ                       | چنچنہ      | خلہ چوب  | کر وال              | خراد       | کویل         |
| خر                          | گدھا       | خزیر     | بھو بھل             | خرف        | نکھ۔ بکھوڑی  |
| خریق                        | سرسوں      | خامیلاں  | کر                  | دہل        | ہلہ          |
| - دوامہ لٹو۔ بھورہ دہہ کوپا |            |          |                     |            |              |

شرف نامہ احمد میری <sup>۱۷۷۷</sup> ۱۷۷۷ء سے از ابراہیم قوام فاروقی  
یہ کتاب فنیۃ الطالبین مذکورہ صدر سے اقدم ہے۔ اس کے مؤلف  
مولانا ابراہیم فاروقی بنگالہ کے رہنے والے ہیں۔ اس فرہنگ کی تالیف میں  
انہوں نے زبان گویا۔ ادات الفضلا۔ فوائد الفضلا۔ اصطلاحات شعر۔ لسان  
الشعر۔ لغت فرس اسدی۔ موائد الفواد۔ صحاح۔ تالیع الاسامی۔ بقیان عجائب البر  
والبحر۔ عجائب البلدان۔ تیارخ طبری۔ تحفۃ العراقرین۔ رسالۃ النصیر۔ برک نامہ۔  
روضۃ الانوار۔ نفحۃ الریحان۔ فایزۃ القلوب۔ دیوان الادب۔ اجمال حسینی۔  
وغیرہ سے امداد لی ہے۔ اس کے علاوہ زندہ لوگوں سے بھی استفادہ کیا ہے۔  
مثلاً امیر زین الدین ہر دی مخاطب یہ فتح خاں جو اس عہد میں ملک الشعراء  
بنگالہ تھے۔ اور محمد شیرازی اور شیخ واحدی وغیرہ ۔

| اصل لغت       | هندی مرادف    | اصل لغت         | هندی مرادف    | اصل لغت   | هندی مرادف  |
|---------------|---------------|-----------------|---------------|-----------|-------------|
| آسا           | جنیموائی      | آهن ربا         | جوبک          | الوا      | کھوکتوا     |
| آسیب          | وہمت          | آفتاب پست       | گھر اگیت      | آہن جفت   | بھالہ       |
| اردی ہشت      | چریت          | اولنج           | لمسورہ        | آزخ       | مٹا         |
| اسپناخ        | پالک          | انگڑا گڑھ       | ہینگ          | اشتر خوار | جواسہ       |
| آکار (باغبان) | کوبری         | آہک             | چونہ          | استرنگ    | لکھنیاں     |
| آونگ          | ملکنی         | ارزن            | چینہ          | آنتہ      | موتہ        |
| بناخ          | سوکن          | بادبر بادفرہ    | لٹوہ          | بلادر     | بھلاوہ      |
| بندش          | گالہ          | بنوماش          | منگ           | بنارغ     | ککری        |
| بروک (پیشہ)   | بھیلی         | بساک            | سہرہ (سہرا)   | بورک      | کھنکھندی    |
| بھرک          | کرہ (گرہ)     | بشنگ            | ہنالی         | بان       | سہجنہ       |
| بکراں         | کھوچنی (گھری) | یاغہ            | بکھوا (کچھوا) | پنگ       | گھن         |
| پنج پاپک      | کیکہ          | پنگان           | ٹھال          | پاتند     | کراہی       |
| پلہ           | ہلاس          | پیچہ (ہلا پیٹو) | اکاس بیل      | ٹختہ بند  | پتی         |
| ترزک          | ممولا         | تورک            | لولی          | تسمہ      | پاتی        |
| تشی           | ساہی          | جامہ غوک        | سوال          | جوال      | لون (گون؟)  |
| جالی          | پلیو          | چغندر           | گگنگلو        | چار مغز   | اکھروت      |
| جلانک         | کیروہ         | چو ملین         | اوٹنی         | چریہ      | بلائی       |
| جغانہ         | سرمندی        | چوبہ            | بیلن          | خاکستر    | راکھ        |
| خشکامار       | جلندھر        | خربوزہ (مویا)   | گادر          | خز دوک    | کیروہ       |
| خیک           | پکھال         | خردن            | رائی          | خفتان     | آنکھ (انگا) |

| هل لغت   | هندي مرادف    | هل لغت  | هندي مرادف      | هل لغت       | هندي مرادف |
|----------|---------------|---------|-----------------|--------------|------------|
| خز زهره  | کتر           | خرفه    | لوتک            | خره          | کھل        |
| دردک     | گرہی (گرہ)    | دولنگ   | دسائل           | دخت سنبه     | کھتورا     |
| دغدغه    | کدکدی (گدگدی) | دیوچہ   | جوک             | درے          | گھانٹی     |
| دوناس    | جیتہ          | راسو    | نبول            | رشاشہ        | بھوہوی     |
| رے       | بھنکار        | زرت     | جوار            | زرنباد       | کچور       |
| زغیر     | السی          | زاک     | بھنگری (پھنگری) | زغنگ         | پھکی       |
| زلہ      | بھیکہ         | زوالہ   | پیرہ            | سرنج         | کھمالہ     |
| سین      | کھمالہ        | سراغوج  | کونجی           | سرنہ         | سوال       |
| سوسمار   | کوه           | سیک     | گھن             | سنبل         | جھر        |
| سدان     | نہالی         | سارہ    | رسوت            | سفتہ         | ہندی       |
| شکرہ     | کلوزن         | منظی    | کراہی           | شب تاب       | ہکنی       |
| شنبلیت   | میتھی         | ٹسکج    | بدھ             | شود          | شولی       |
| شب بار   | جواسہ         | شوار    | ساجی            | شخک          | پھکی       |
| شیردان   | کھیری         | شمہ     | بلائی           | طلق          | ابہر       |
| غلیج     | کدکدی (گدگدی) | غک      | اودس            | غک           | لاٹھ       |
| فلہ      | پیوسی         | توئنج   | باسور           | قزاسر (قلاؤ) | چوکی       |
| قرصک     | برسولہ        | کیلا    | کھیلا           | کت           | کھت (کھاٹ) |
| کشک بخیر | گولہ          | کنارہ   | بیر             | کشینز        | دھنہ       |
| کاغ      | چکال          | کاگل    | کانش            | کان          | کھان       |
| کلبین    | سداسی         | کاثریرہ | کرہ             | کامہ (بستہ)  | سوالی      |

| اصل لغت | ہندی مرادف | اصل لغت            | ہندی مرادف  | اصل لغت        | ہندی مرادف |
|---------|------------|--------------------|-------------|----------------|------------|
| کلادہ   | اتنی       | غلولہ (طوی)        | لدو پندی    | کلونہ          | کونجی      |
| کلوندہ  | گگری       | کمان گرہ           | غلول (غلیل) | کورہ           | بھتی       |
| کوفتہ   | پلہری      | کاسنی              | کسنی        | گولانچ (ھالکی) | لاپر       |
| گذر     | گاچر       | گز                 | جھاؤ        | گوشخارک        | کنلالی     |
| گردوں   | گدی        | گیرہ               | جکری        | لھفت           | گڑی        |
| لوس     | جھلہ       | مشکین فادار (پھول) | جولی (جوئی) | موز            | کیدہ       |
| منقائیس | جوک        | مندل               | مندلہ       | مولو           | یشگی       |
| ماہچہ   | سولی       | دشتم               | بھاپہ       | یاقوت سرخ      | پدم        |

موید الفضل ۲۵

| اصل لغت    | ہندی مرادف | اصل لغت  | ہندی مرادف | اصل لغت     | ہندی مرادف  |
|------------|------------|----------|------------|-------------|-------------|
| آٹنا پست   | کتول       | آہن جفت  | پھال       | گوشت بچہ    | بجوریکا گود |
| آسرنج      | مندور      | ابجوج    | اگر        | انگڑا نگورہ | ہیننگ       |
| اڈان الفار | مواکئی     | آبخور    | گھات       | آبار        | سیسہ        |
| اسفر       | ساہی       | آمار     | مانڈی      | کھپ کھپ     | استقرار     |
| اسپر مور   | مور موہی   | اسپر کاہ | کاندل      | اوبر        | چینہ        |
| ارز        | چانول      | ابن عریس | نیول       | اصل السوس   | ملتی        |
| اچینوس     | سانک       | الماس    | ہیرا       | اشراش       | سربیش       |
| المحوط     | ستاول      | الوا     | کنوار      | آزاد درخت   | بکاین       |
| اسرنج      | سندور      | اولنج    | لیسورہ     | ازخ         | ماسہ        |
| آزاد       | نیم (نیم)  | اجمود    | کھورا      | جواٹن       | اسطوخودس    |

| ہل لغت   | ہندی مرادف     | ہل لغت  | ہندی مرادف     | ہل لغت    | ہندی مرادف      |
|----------|----------------|---------|----------------|-----------|-----------------|
| آشترخوار | جانواسہ        | آشترنگ  | لکھنان         | آدنگ      | ملکئی۔ الگئی    |
| افیل     | کندا           | اسارون  | بندکر          | اشلان     | مور سوکھا       |
| اشنہ     | چلوہ           | اجمودہ  | جواہن          | آسمانہ    | چھتہ            |
| المہ     | آنولہ          | اھیانہ  | تالو           | افچہ      | دھوکہ           |
| ابدانہ   | ایلاچی۔ الاچی  | اسرع    | ہیرادکھی۔ نگپت | افرع      | گنجہ            |
| انباغ    | سوکن           | آک      | آک۔ مدار       | اکیل المک | اسپرک۔ گھموی    |
| انک      | سکاوسیسہ       | اراک    | پیلو           | انارمشک   | ناکیسہ          |
| انجڑک    | مروا           | انجکک   | کھیلا          | اریبان    | جھینک۔ (مچل)    |
| اشنان    | چوکر           | انبو    | چھوٹا          | انگورسیاہ | کالی داکھ       |
| اشنوشیہ  | چھینک          | الوسیہ  | چامن           | الستہ     | موٹھ            |
| آہنچہ    | ٹاٹھ           | انجڑہ   | انگن کے بیج    | بارنب     | سویا            |
| باپونج   | ایرم سار۔ سٹول | بانیج   | پدینگہ         | سجار      | بھاپ            |
| بازیار   | کسان           | بلادر   | بھلاواں        | بزیار     | جاوڑی           |
| بندش     | گالہ           | بنوامش  | مونگ           | بساک      | سرہ             |
| بکوک     | چھجہ           | بیانک   | گوند           | بشگ       | نبائی           |
| بادرنگ   | رام نلسی       | بدول    | کاہل           | برہین     | لونیا کاساگ     |
| بکھان    | کھتھی          | بیخ سوس | لمٹھی۔ چنٹھی   | بروزن     | بازرہ           |
| باتلا    | باکا           | ہمیلہ   | بہیڑہ          | بویہ      | دونا مروا       |
| بوی      | گنہ            | جھانگی  | سونداکھر       | پتک       | گھن             |
| پاندہ    | کراہی          | پاخڑہ   | اونبہ          | پشہ خانہ  | کھت چھپر۔ مسہری |



| اصل لغت  | هندی مرادف  | اصل لغت | هندی مرادف | اصل لغت | هندی مرادف |
|----------|-------------|---------|------------|---------|------------|
| تمنگار   | سهاگه       | تیر     | کری        | ترترک   | ممدلا      |
| تره تیزک | بالم چندسور | نوزک    | لوبیا      | تقویم   | پتیره      |
| تسمه     | پاتی        | تاکی    | دحنیه      | ثفار    | رائی       |
| جدجد     | جهینگ       | جنبیه   | جمدهر      | چوخا    | کنٹھا      |
|          | چقتندر      | گنگلو   |            |         |            |

ریاض الادویه ۹۷۶ هجری از حکیم یوسفی -

| اصل لغت  | هندی مرادف     | اصل لغت    | هندی مرادف  | اصل لغت       | هندی مرادف |
|----------|----------------|------------|-------------|---------------|------------|
| ابل      | اوتھ           | نشغال      | سیال        | راسو          | نول        |
| سرب      | سک             | اترج       | بجوره       | سرگین گاد     | گوبر       |
| اواخر    | گندپھل         | سیج النکتہ | کدی کا جالہ | برنج          | چاول       |
| خرگوش    | کرمہ           | آزاد دخت   | دخت نیم     | اسفاناک       | پالاک      |
| آس       | موریوں         | آلک        | چھلرہ       | افکار الطیب   | نکھ        |
| آشنان    | لانی           | ایچ        | آؤالہ       | انبہ          | انب        |
| بدرکش    | اجمود          | بدرالفرق   | اونیہ کایج  | بدرالجزر      | گاجر کایج  |
| بدرالنج  | خراسانی اجوابن | بدرالغول   | سولی کایج   | بدرالکشان     | اسی کایج   |
| بدرالقتد | کھیرہ کایج     | تخم خیار   | ککری کایج   | بدرالیحان     | تسی کایج   |
| بدرالشبث | سوئی کایج      | بسد        | مونکا       | بشان افروہ    | کلکا       |
| بسباسہ   | جیوتری         | ہندوانہ    | کلندہ       | ہیسلیج        | بھیرہ      |
| بلادر    | بھلاوہ         | بندق       | رلیتھ       | بھین          | آندہ       |
| تربد     | نسوت           | تھرہندی    | آملی        | توتیا سے ہندی | ہریاتھوٹھ  |

| اصل لغت     | هندی مرادف | اصل لغت  | هندی مرادف      | اصل لغت   | هندی مرادف |
|-------------|------------|----------|-----------------|-----------|------------|
| پستان       | چوپک       | ثوم      | لسن             | جاویرس    | کنگنی      |
| جدوار       | پرسی       | بلخ      | تدی             | جذر       | گاچر       |
| جزمانج      | مائیں      | جوزبوا   | جفعل            | جوزالمائل | دہنورا     |
| جوزالتی     | بین پھل    | حب النیل | عشق پیا کیچ سبک | حب القطن  | بنولہ      |
| حب الملوک   | جمال گوتہ  | خارشک    | گوکھرد          | حوض       | بنکرہ      |
| حلبہ        | میتھی      | انگورہ   | ہینگ            | نخود      | چنہ        |
| حام (کیوتر) | پرہوہ      | تہار     | گدھہ            | خنطل      | تمان       |
| حنا         | مدی        | گندم     | گیہوں           | خبازی     | سنبیل کایچ |
| خنبر        | روتی       | خروع     | آرند            | خراطین    | کیچوہ      |
| نقاش        | چنگو دری   | خیار     | کبیرہ           | خیارزہ    | ککھری      |
| دارچینی     | نچ         | ماکیاں   | کوکری           | دھان      | دھواں      |
| خون         | لوہو       | روغن کچد | میتہ نیل        | گس        | ماکی       |
| طلا         | سونہ       | بادیان   | سونفت           | رائیچ     | رال        |
| مسک         | کھن        | زرائیچ   | ہرنال           | زرنب      | سیتی       |
| زعفران      | کبیر       | زنجبیل   | سونفت           | سیاب      | پارہ       |
| سائج        | پترج       | ساج      | سال             | سپستان    | لسورہ      |
| کوکنار      | بیر        | سیرطان   | کیکرہ           | سعد       | موتھ       |
| سرخ الجیہ   | کایچلی     | مگ پشت   | پھوہ            | ماہی      | چھری       |
| سنبل الطیب  | چھر        | گریہ     | بلائی           | موی       | بال        |
| شونیز       | کلوخی      | صدف      | سیپ             | صمغ       | گونہ       |

| اصل لغت | ہندی مرادف   | اصل لغت     | ہندی مرادف   | اصل لغت  | ہندی مرادف  |
|---------|--------------|-------------|--------------|----------|-------------|
| صندل    | ابین         | اولہ        | چندن         | صندل     | احمر        |
| غوک     | میدکی        | طاؤس        | مور          | رکت      | چندن        |
| سپر     | تلی          | سم بڑ       | بھیدی        | پسچول    | سیہ         |
| کھٹک    | چریہ         | عظم         | ہاد          | بندلو    | چن          |
| عقرب    | پگھو۔ انھومہ | عنب الثعلب  | مکو          | مسور     |             |
| غزال    | ہرن          | قاختہ       | فندکی        | عقب داؤد | ماجو پیل    |
| ترب     | مولی         | فضہ         | روپا         | عود      | اگر         |
| نفل اسٹ | مرچ          | فوقل        | سپاری        | موش      | چوسک (چوٹا) |
| فیل     | ہتھی         | قافلہ       | الاچی        | تنخم     | کرفش        |
| قسطا    | کتھہ         | نیشکر       | گنہ          | قوہ      | مجدیٹھ      |
| تطن     | روئیں        | زاک زرد     | کاہی         | قرنفل    | لونگ        |
| اشجار   | ساجی         | خارپشت      | جنگلی چوٹا   | قصب      | بائس        |
| جگر     | کلیجہ        | کرفش        | اجمود۔ کلاوہ | قلط      | کلتہ۔ موٹھ  |
| کبکی    | کونج         | کرک         | گیندہ        | کبریت    | گندہک       |
| کشنیز   | دھنیا        | کلیہ (گردہ) | بوکر         | کراث     | گند         |
| شیر     | دودھ         | گوشت        | ہیرہ         | کرش      | ادجری       |
| مردارید | موتی         | الماس       | ہیرہ         | کھربا    | کپور        |
| مردنخوش | مردہ         | زہرہ        | پت           | توج      | مندرہ       |
| نمک     | لون          | موز         | کینہ         | آب       | پانی        |
| تخالہ   | بھوس۔ پورا   | نمل         | چینی پینٹہ   | سقل ازرق | کوکل        |
|         |              | درد         | پھول         | جوز ہندی | نارنگیل     |
|         |              |             |              | نیلو فر  | کول پھول    |

## پنجاب میں اُردو

پنجاب میں اُردو "اُردو زبان کی تاریخ میں ایک نیا باب ہے جس کا اب تک کسی نے مطالعہ نہیں کیا ہے۔ خود اہل پنجاب بھی عموماً اس سے بے خبر ہیں۔ اور اسی تاوانِ اُفقیت کی بنا پر نئی زمانہ پنجاب میں یہ عقیدہ لوگوں کے دلوں میں قبولیت حاصل کر رہا ہے کہ پنجاب پر اُردو کا کوئی حق نہیں ہے۔ سکھ گردیکے بعد جب ایسٹ انڈیا کمپنی کا دور آیا کمپنی کے انگریزی اور ہندوستانی عہدہ داروں نے اس اجنبی زبان کو مدارس و فوٹریس داخل کر کے رواج دیدیا۔ یہ رائے ان فوجیوں کی ہے جن میں اور اوصاف کے علاوہ وطن پرستی کے جذبات بیدار ہیں۔ یہ خیال کس حد تک غلط ہے! وراق آئندہ کے مطالعے کا فی واضح ہو جائیگا۔

حقیقت یہ ہے کہ اُردو جس طرح ہندوستان کے اُردو صوبوں میں اسی طرح پنجاب میں برابر بولی اور سمجھی جاتی رہی ہے۔ پنجاب سلطنت اسلامی کا ایک جزو تھا۔ اور سلطنت کا صوبہ ہونے کی حیثیت سے اُردو کو یہاں اسی قدر دخل حاصل تھا۔ جیسا سلطنت کے اُردو صوبوں میں۔ قدیم زمانہ سے یہ زبان اس صوبہ میں کم و بیش رائج رہی ہے۔

اُردو کیلئے اہل پنجاب کی طبعی مناسبت اور قدیم اُردو پر پنجاب کے اثر دیکھ کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اُردو پنجاب کے کسی خطہ یا ضلع کی زبان تھی۔ اس سوال کا کوئی قطعی جواب ہمارے پاس موجود نہیں۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ پنجابی اور اُردو میں ہندوستان کی دیگر زبانوں کے مقابلہ میں قریب ترین مماثلت موجود ہے۔ ان کی صرف و نحو اہم قواعد و مسائل میں باہم مطابقت ہے۔ اور ساٹھ فی صدی

زیادہ الفاظ اُن میں مشترک ہیں۔ مزید برآں جن امور میں یہ زبانیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ان میں ہمیں اضافت کو بھی محسوس کرنا چاہئے۔ مثلاً اُردو کی نسبت گالے اور کی کے بجائے پنجابی میں ”دا۔ دے اور دی“ آتے ہیں۔ اگرچہ تصریف میں دونوں زبانیں متفق ہیں۔ گویا کاف اُردو کے ساتھ اور وال پنجابی کے ساتھ مخصوص ہے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُردو کی اضافت ایک زمانہ میں پنجاب میں رائج تھی اس کے ثبوت میں اگرچہ ہمارے پاس کوئی قدیم دستاویز موجود نہیں لیکن جب ہم پنجاب کے دیہات و قصبات پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سیسوں موضوعوں اور قصیوں کے نام کے ساتھ وہ جزو کلمہ بن رہی ہے۔ مثلاً ڈسکا، فاضلکا، امریکا، پٹھنکا، ویرکا۔ جاکے، جنڈو کے، خانکے، کالے کے، کامونکے، سجن کے، ابھولکے، باجھی کے، منجو کے، امرید کے، سادھو کے، دہر کے، چچو کی لمیاں، اُردو کی، اور کی، پٹو کی، تار کی، خان کی، جھام کی، اکیمو کی، رحیم کی چوڑی وغیرہ وغیرہ اس کے نام پنجاب میں کثرت کے ساتھ ملتے ہیں۔ یہ امر ظاہر ہے کہ جس تیزی سے زبان بدلتی ہے۔ اس تیزی کے ساتھ ملک کے جغرافیائی نام نہیں بدلا کرتے اس لئے ان مقامات کے ساتھ اُردو کی اضافت کا موجود ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ اضافت پنجاب میں قدیم الایام سے ہیں۔ اور ایک وقت استعمال میں رہی تھیں۔ لیکن جب موجودہ پنجابی کی لہر آ کر ملک پر چھا گئی۔ پرانی زبان کا شیرازہ بکھر گیا۔ یہ بھی یاد ہے کہ یہ اضافت نہ صرف جغرافیائی اسماء میں ملتی ہیں بلکہ اور الفاظ میں بھی ملتی ہیں۔ مثلاً پیرکا = باپ کا گھر، اس کے مرادف میں کاجس کی ترکیب بھی ملتی ہے۔ اُردو میں مستعمل ہے۔ نانکا = منہ بیل، دادکا = دو بھائی۔ ان میں تصریف بھی ملتی ہے۔ یعنی پیکے، نانکے، دادکے۔

ادھر ہم دیکھتے ہیں کہ قدیم اُردو زیادہ پنجابی اثرات میں ہے یعنی آج جن

باتوں کی تشریح سے اردو عاجز ہے۔ پنجابی زبان آسانی کھاتا انکی تشریح کر سکتی ہے۔  
اس قسم کی متعدد مثالیں گزشتہ اوراق میں دی جا چکی ہیں یہاں ایک اور مثال  
دیتا ہوں :-

رسالہ معراج العاشقین مولانا عبدالحق صاحب بی۔ اے، آنریری سیکرٹری مین  
ترقی اردو نے تاج اردو وی قدیم میں شائع کیا ہے۔ یہ سال حضرت صدر الدین سید  
محمد حسینی گیسو دراز بندہ نواز متوفی ۱۰۲۷ھ کی طرف منسوب ہے اور اردو کا غالباً  
قدیم ترین نمونہ ہے۔ اس رسالہ میں ایک فقرہ آتا ہے :-

”دو سراتن ممکن الوجو۔ اس کا نگہ بان اسرائیل۔ نفس لوامر، خواہ جس ممکن

کی آنکھ سول غیر نہ دیکھنا سو غفلت کے کان سول غیر نہ سنا سو۔ دو اس

کے ناک سول بد بوئی نہ لینا سو۔ بھلی کی زبان سول غیر نہ بولنا سو۔ مغروری کی

شہوت کول غیر جاگنا نہ دوڑانا سو۔ غفلت ہو غضب ان پانچہ خواص کا مراقبہ

کرنا پیر کے ممکن کا مشاہدہ قائم کرنا۔ ذکر قلبی کر شریعت کے کا نفس میں لایا۔

اس فقرہ میں مصادر کے آخر میں سو کا استعمال نہایت عجیب ہے اور اردو دراز

اس کی تشریح سے قاصر ہے اب اسی ”سو“ کا استعمال پنجابی میں آج بھی موجود ہے

جو ضمیر غائب کا مفعول ادا کرتا ہے۔ مثلاً ”جانا سو“ = اے جانا (ہے)۔ ”کیتو سو“

اُس نے کیا (ہے) یہی مفعول مذکورہ بالا فقرہ میں ہے۔ ان امور سے ظاہر ہے کہ

پنجابی اور اردو کے تعلقات ایک دوسرے کے ساتھ بہت گہرے ہیں :-

شمالی ہندوستان میں جس میں ہلی بھی شامل ہے۔ اردو کی قلمی یادگاریں

گیا رہیں ہندی ہجری سے زیادہ قدیم نہیں ملتیں اور تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ

پنجاب میں بھی اسی ہندی سے تالیفات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے پنجاب میں مولانا

ہندی کی نصیحت رسالہ نقد ہندی سے قدیم ہے جو ۱۷۷۷ء میں بعد از رنگ نیب

عالمیہ لکھا جاتا ہے۔ بعدی کی تحریک ہمارا خیال ہے برابر جاری رہی ہے۔ لیکن محمد شاہی دقت تک کسی اور تالیف کا سراغ نہیں چلتا۔ ان ایام میں قصبہ بالین شیخ محمد فاضل الدین کے ہاتھوں اس تحریک کو بہت تقویت ملتی ہے۔ ان کے فرزند غلام قادر شنبوی روضہ العشق کے مصنف ہیں۔ صوفی حلقوں میں ینفوی بہت مقبول رہی ہے۔ نہ صرف اس کی شرح لکھی گئی ہے بلکہ اس کی تقلید میں فقیر شنبوی درکنون سلف ۲۷ میں لکھتے ہیں: اور میاں نور محمد المعروف یہ میاں بھیل ولد میاں تنھو شنبوی فتح الرحمن ۱۲۵۷ھ میں تصنیف کرتے ہیں۔

ریختہ کی طرز کی نظموں میں سب سے قدیم ریختہ شیخ فرید الدین گنج شمس کی متوفی ۶۷۲ھ کی طرف منسوب ہے۔ علاوہ بریں ان کے بعض اردو فقرے بھی ملتے ہیں۔ ان کے بعد شیخ عثمان اور شیخ جنید اور منشی ولی رام کے ریختوں کی باری آتی ہے جو گیارہویں صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں۔ بارہویں صدی ہجری کی متفرق نظموں میں زیادہ تر صدویانہ نظمیں داخل ہیں جن میں سے اکثر حضرت غوث الاعظم کی شان میں ہیں ایسی نظمیں چونکہ کثیر تعداد میں ملتی ہیں۔ اس لئے میں نے صرف چند انتخاب کر لی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو زبان زیادہ تر حاتقاہ نشینوں کی گود میں پلے ہوئے۔ وجہ ظاہر ہے کہ ان بزرگوں کا تعلق زیادہ تر عوام الناس سے تھا۔ دیسی اور پر دیسی اُن سے فیض کے طالب تھے۔ لوگ دور دور سے اپنی مرادیں لیکر ان کے پاس جاتی تھیں اس لئے ملکی زبان کا جانا اُس میں بات چیت کرنا اُن کے لئے ضروری تھا۔ دوسرے صوفی پیشہ لوگ اکثر سیاح اور جہانگرد ہوا کرتے ہیں۔ اور اردو ان ایام میں ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں بولی جاتی تھی۔ اس لئے مینا حول، صوفیوں اور سیانیوں کے لئے اس زبان کا جانا از بس ضروری تھا۔

دیکھا جاتا ہے کہ یہ نظمیں اکثر اوقات الم خیر اور فریاد مندانہ ہیں اور مصرع

سنو پکار دکھی کی ایا شہ جیلاں

۶

کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ اس کی وجہ ان زمانوں کے سیاسی انقلابات میں مضمر ہے جو پنجاب میں رونما ہوئے تھے۔ ان کے اوزان بسا اوقات ہندی ہیں۔ یا ایسے ہیں جو قدیم سے ہندی خوانوں نے فارسی سے لے لئے ہیں۔ قافیہ ان میں چنداں ضرور جیا نہیں ہے۔ اور مریع و محسن کی شکل میں ہیں۔

تغزل، دہلی مرکز کے قیام کے بعد پنجاب میں دیر سے پہنچتا ہے جس کے اثر میں فارسی بجز و جذبات پنجاب کی نظموں میں روشناس ہوتے ہیں۔ اگرچہ ابہام گوئی جس پر دہلی کی ابتدائی شاعری کا دار و مدار تھا۔ یہاں کبھی کامیاب نہیں ہوئی۔ پنجاب نے اپنے ادبی تعلقات دہلی و دکن سے سیاسی مصائب کے باوجود دیر باقی قائم رکھے ہیں۔ سید بلاتی، دلی اور نگ آبادی، سراج دکنی، شاہ آبرو، قہقان، اشرف وغیرہ سے یہاں کے باشندے نہ صرف واقف ہیں بلکہ انہیں اسی شوق و ذوق کے ساتھ پڑھتے ہیں جس طرح نظامی، سعدی اور حافظ کو پڑھتے ہیں۔ اس عہد کی صلیب ان شعرا کے کلام سے پڑتی ہے۔ سید بلاتی کا مولودہنی ہیچ مقبول تھا۔ اس کے کئی نسخے میری نظر سے گزرے ہیں۔ محمد فضل کا بارہ ماسہ کمال شوق سے پڑھا جاتا تھا۔ اور دلی کا کلام بڑے اشتیاق کے ساتھ لوگ پڑھتے تھے۔

۱۸۶۱ء میں رنجیت سنگھ کا دادا چڑت سنگھ بسنتی ندی کی جنگ میں اپنی بہن دق کے پھٹنے سے مارا جاتا ہے۔ اور ہمیں سخت تعجب ہوتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ نامدار خاں دت اس کا مرثیہ اردو زبان میں لکھتا ہے۔ سکھوں کی تاریخ میں اردو صرف اسی موقع پر نمودار نہیں ہوتی بلکہ اس تاریخ سے دس سال بعد جب بے سنگھ (کینہ شل) کا اکلوتا فرزند گور بخش سنگھ عین میدان جنگ میں گولی کے زخم سے ہلاک ہوتا ہے (اس کی بیوی سدا کورنے اپنی بیٹی بعد میں رنجیت سنگھ کو بیا دی)؟



ہم دیکھتے ہیں کہ محمد غوث بٹالوی گورنمنٹ سیکرٹری کا مرتبہ اردو میں لکھتا ہے +  
 پنجابی شاعروں اور ناظموں کے متعلق جو اطلاع آئندہ اوراق میں سچ ہے  
 زیادہ تر عام شائقین کی بیامنیوں سے قائل کی گئی ہے۔ اس لئے یہ اطلاع مختصراً  
 نامکافی اور غیر متعین ہے۔ ان کے زمانوں کے متعلق بھی ضرورتاً قیاس احتمال سے  
 کام لیا گیا ہے ان کے تقدم و تاخر کی بابت بھی نکتہ چینی کی گنجائش ہے۔ اور یہ  
 خامیاں اس لئے ہیں کہ اس خاص مضمون پر اطلاع حاصل کرنے کا بظاہر کوئی ذریعہ  
 نہیں معلوم ہوتا۔ پنجاب میں قدیمتی سے اس وقت کوئی جامع کتب خانہ موجود نہیں  
 ہے اور نہ اب تک اہل پنجاب کو مشرقی کتب خانہ بنانے کا احساس ہوا ہے +  
 آخر میں چند کلمات ان بزرگوں کی زبان دانی کے متعلق بھی کہنے ضروری  
 معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے کلام کو جانچتے وقت ہمیں اپنے زمانہ کے معیار تنقیدیہ  
 کام نہیں لینا چاہئے اور یاد رکھنا چاہئے کہ یہ لوگ پنجاب سے تعلق رکھتے ہیں جہاں  
 اردو مادری زبان نہیں ہے اور اسے ڈیڑھ دو سو سال پہلے خود اردو کا معیار  
 مختلف تھا۔ میں مانتا ہوں کہ ان کے خیالات بلند نہیں ہیں اور نہ زبان با محاورہ  
 ہے۔ اور اکثر حالات میں پنجابی لہجہ غالب ہے۔ تاہم ان کے مطالعہ سے ہمارا مقصد  
 شاعری سیکھنا نہیں ہے بلکہ صوبہ پنجاب میں اردو کی نشوونما اور اس کی ترقی کا  
 مطالعہ کرنا۔ خود اردو کے قدیم اساتذہ میں آج جو ہم دلچسپی لیتے ہیں وہ محض علمی  
 اور تالیفی نقطہ نظر سے ہے۔ ان بزرگوں کے واسطے بھی ہمارا نقطہ نظر یہی ہونا  
 چاہئے۔ اس تمیز کے بعد پنجاب میں اردو کا تیسرہ شروع کیا جاتا ہے +

## شیخ فرید الدین گنج شکر متوفی ۷۴۴ھ

ساتویں صدی ہجری میں شیخ فرید الدین گنج شکر ایک عجیب و غریب سہتی ہیں۔ ملتان کے قصبہ کھونوال میں پیدا ہوئے اور ملتان میں تعلیم پاتے رہے۔ محاکمہ اسلامیہ میں سیاحت بھی کرتے ہیں۔ مشہور صوفیوں سے ملاقات کرتے ہیں۔ اور دہلی جا کر قطب الدین بختیار کاکی اوشی کے مرید ہو کر پاک پٹن میں سکونت اختیار کر لیتے ہیں اور ۷۴۴ھ میں اسی مقام پر وفات پاتے ہیں۔ شیخ فارسی و پنجابی کے شاعر ہیں اور کچھ حصہ اُن کے کلام کا اب تک محفوظ ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ اردو بھی بولتے تھے۔ اس قسم کے ان کے کئی فقرے اُن کے سوانح نگاروں نے اتفاقاً اپنی تصنیف میں نقل کئے ہیں جیسا کہ:-

مولانا برہان الدین صوفی ابھی خور دسال ہی فقہ کہ اُن کے والد شیخ جمال الدین ہنسوی مرید شیخ فرید الدین کا انتقال ہو گیا۔ مرحوم کی بیوی ”مادر مومنات“ شوہر کی وصیت کے مطابق اپنے فرزند خواجہ برہان الدین صوفی کو لے کر حضرت گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ شیخ نے خواجہ برہان الدین کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اُن کی خور دسالی کا لحاظ نہ کر کے اپنی بیعت میں لے لیا۔ اس پر مادر مومنات معترض ہوئیں اور ہندی زبان میں بولیں:-

”خواجہ برہان الدین بالائے“

یعنی کم عمر ہیں۔ شیخ فرید الدین نے ہندی زبان میں جواب دیتے ہوئے کہا:-

”مادر مومنات! بچوں کا چاند بالا ہوتا ہے۔“

یہ واقعہ میں نے سید محمد بن سید مبارک کرمانی متوفی ۱۰۸۷ھ کی تصنیف ”سیر الادبیا“

سے نقل کیا ہے جس میں مذکورہ بالا ہندی فقرات بلفظ درج ہیں :-  
 ایک روز شیخ فرید الدین اپنے پیر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو دھنوک لے کر  
 تھے۔ اتنے میں حضرت کی نگاہ اُن کے چہرہ پر پڑی۔ دیکھا کہ آنکھ پر پٹی بندھ رہی ہے  
 آپ نے دریافت کیا۔ بایا آنکھ پر پٹی کیوں باندھ رکھی ہے بایا فرید نے ہندی زبان  
 میں جواب دیا :-

”آنکھ آتی ہے“

شیخ نے جواب دیا :-

”اگر آتی ہے اس را پر ابستہ آید“ (جواہر فریدی ص ۲)

جن ایام میں بایا فرید گجسٹہ سرسہ میں حضرت خواجہ عبدالشکور کے مزار پر آتے  
 جاتے تھے۔ ایک دن سرسہ کے لوگ جنہیں معلوم کر نیکا اشتیاق تھا کہ باوا مزار پر جا کہ  
 کیا کیا کرتے ہیں۔ اُن کے راستہ میں چھپ کر بیٹھ گئے جب آپ کو معلوم ہوا ناراض  
 ہوئے اور ہندی زبان میں فرمایا :-

”ستر سر کبھی مر سہ کبھی زسہ“ (جواہر فریدی ص ۲)

ان فقرات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُردو زبان ساتویں صدی ہی میں اپنے امتیازی  
 خط و حال نمایاں کر چکی ہے۔ یعنی اس میں وہ خصوصیات موجود ہیں جو اس کو ایک نثر  
 برج سے اُردو دوسری طرف پنجابی سے ممیز کرتی ہیں۔ ”ہوتا ہے“ نہ پنجابی ہے نہ برجی  
 اس سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ اہل پنجاب ان ایام میں اُردو بول اور سمجھ سکتے  
 تھے :-

ذیل کی نظم بھی حضرت بایا فرید گنج شکر کی طرف منسوب ہے، جس کے لئے یں غلاب  
 سید نجیب شرف صاحب، ندوی اور سید عبدالحکیم صاحب ناظم کتب خانہ، اصلاح سہ  
 ضلع پٹنہ کامنت پذیر ہوں۔ نظم سید اشرف صاحب نے دسہ لائبریری کے بعض

بوسیدہ اوراق قدیم سے جا مل کی ہے جن پر حضرت بابا کے اقوال فارسی بھی درج تھے اور ناظم صاحب نے ایک نقل نہایت مہربانی کر کے میرے پاس بھیج دی ہے۔  
دہو ہذا

وقت بحر وقت مناجات ہے      خیز دراں وقت کہ برکات ہے  
نفس مبادا کہ بگنجد ترا      خب چہ خیزی کہ ابھی رات ہے  
بادم خود ہمد ہشیار باش      صحبت یار پوری (کذا بڑی) بات ہے  
باتن تنہا چہ ردی زین میں      نیک عمل کن کہ وہی سات ہے  
پند شکر گنج بدل جاں شنو      ضائع کن عمر کہ ہیبت ہے  
پنجاب میں نظم سب سے پیشتر لکھی گئی ہے اور نثر نسبتاً کم ملتی ہے اور اس میں  
بھی شک نہیں کہ اس سلسلہ میں بہت کچھ ذخیرہ تھا۔ لیکن موجودہ نسلوں کی عدم  
اعتنائی سے اکثر حصہ جو قلمی تھا برباد ہو گیا ہے۔ اور جو کچھ باقی ہے وہ بھی غمگین  
بر باد ہو جانیا والا ہے۔ مشرقیاست کے اہل پنجاب کی عام بے پروائی نے ہمارے تلاش  
کے کام کو اور بھی مشکل بنا دیا ہے۔ پنجاب اگرچہ مسلمانوں کی اکثریت پر نازاں  
ہے۔ لیکن یہاں کوئی ایسا کتب خانہ موجود نہیں ہے جو مسلمانانہ خطوط اور  
ان کے ذہنی و دماغی کارناموں کا صحیح معنی میں جامع ہو۔ ذیل میں جو مواد پیش کیا  
جاتا ہے۔ وہ اند کے از بسبار کا مصداق ہے۔



## شیخ عثمان

پنجاب میں اردو شاعری دکن سے بعد اور دہلی کے معاصر شروع ہو جاتی ہے  
ابتدائی نمونے بہت کم ملتے ہیں اور جس قدر ملتے ہیں۔ اُن میں تخلص موجود نہیں۔  
قدیم نمونے زیادہ تر ریختہ کی شکل میں ہیں۔ اور ان میں فارسی بہت غالب ہے اور  
مقامی اثر بھی حاضر ہے ان نظموں کی بعض خصوصیات بھی ہیں۔ مثلاً اکثر سہمط  
طرز کی ہیں۔ قافیہ کی پابندی سے آزاد ہیں۔ اور ردیف پر قناعت کی گئی ہے۔  
جیسا کہ میر جعفر زٹلی اور شیخ جیون کے کلام میں مشاہدہ ہو چکا ہے۔ نظمیں سنہی  
اوزان میں بھی لکھی گئی ہیں اور فارسی اوزان میں بھی۔ الفاظ بعض اوقات پنجابی  
لہجہ میں تلفظ کئے گئے ہیں۔

ابتدائی نمونوں میں جو کم از کم گیارہویں صدی ہجری کی ابتدا سے تعلق  
رکھتے ہیں تمام غزل فارسی ہے صرف ردیف اردو ہے مثلاً ذیل کا ریختہ:-

|                                   |                                  |
|-----------------------------------|----------------------------------|
| عاشق دیوانہ ام آؤ پیائے حبیب      | از ہمہ بیگانہ ام آؤ پیارے حبیب   |
| اے نظرت آفتاب بر من کیسے تاب      | جان بگر شد کباب آؤ پیارے حبیب    |
| لے دل دیر جان من درد تو در مان من | ذکر تو سماں من آؤ پیارے حبیب     |
| زاں بشیر بر شکر بار دور و گہر     | ساز مرا بہرہ در آؤ پیارے حبیب    |
| چند کشتی کشتہ را عاشق آشفتم را    | میدلم و بے نوا آؤ پیارے حبیب     |
| و میدلم انتظار یک نظم و آگہار     | عاشقم و خستہ دار آؤ پیارے حبیب   |
| لے تو کن یکساں مونس بچپا رگاں     | غور آوار گاہ آؤ پیارے حبیب       |
| حکم زابندہ ام نزد تو شرمندہ ام    | زار و سر آنگندہ ام آؤ پیارے حبیب |

وقت شب ہم گزشت کار نیامد درست پشت ز غما شکست آؤ پیار حبیب  
 در بدر و کو بجو نعرہ ز ناں سو بسو دیدن تست آؤ دآؤ پیائے حبیب  
 روز و شبم انتظار دم بدم بغیرار دیدہ چو ابر بر آؤ پیائے حبیب  
 بدل عثمان غریب ستم خود کن قریب زانکہ تو هستی مجیب آؤ پیائے حبیب

اس غزل میں ہم دیکھتے ہیں کہ اردو نے صرف انگلی پکڑی ہے آئندہ چل کر وہ پونچا  
 بھی پکڑ لے گی یہ ریختہ حضرت مجدد الف ثانی سرہندی علیہ الرحمۃ متوفی ۸۵۰ھ  
 کے پیر بھائی حضرت شیخ عثمان جالندھری کی یادگار ہے خزینۃ الاصغیا میں شیخ  
 عثمان کا صنم ذکر آجانا ہے لیکن اُن کا سن وفات نہیں ملا۔ اسی طرز کا ایک  
 اور ریختہ ہے جس کے مصنف کے حالات سے ہم واقف نہیں ہیں :-

منم مشتاق دیدار تری ملک در کن گھونگٹ سجان دل خریدار تری ملک در کن گھونگٹ  
 نہ نینی نیند مجھ آئے نہ تجھ بن بات مجھ بھائے تر داس رات دن چائے اری ملک در کن گھونگٹ  
 اگر تو یوسف ثانی و گر تو ماہ تابانی بآؤ اگر تو شاہ خوبانی اری ملک در کن گھونگٹ  
 عجب رفت رتو داری عجب گفت رتو داری چہ سنت نادیدے اری اری ملک در کن گھونگٹ



## شیخ جنید

اسی قرن کے ایک اور بزرگ ہیں۔ ان کا اسم گرامی جنید ہے۔ اور جماعت صوفیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے حالات زندگی نامعلوم ہیں۔ آئندہ نظم ان کی ہے:-

ولا غافل چرخِ محسبی کہ اپنی میج تھیں ڈریے      جو روزِ مرگ پیش است اتنی نیند کیوں کر یے  
چو روزِ اندکیں باشد کرے جوینہ بخیارا      نباشد سود یکھٹیل گواشے مول بھی سارا  
بدین دنیا سے وہ روزی پلانی کا کیوں کر یے      اگر صد سال عمرت شد نہایت ایک دن مر یے  
چہ مرغِ دیں دنیا سدا اس جاگ نہیں ہنا      ہیں ہائے کہ پیش است بھی اس نپٹے سے چلنا  
کجا رفتند آں شاہاں کہ جن کی بار تھی ہستی      گرفتہ جلاے در صحرائے سب چھوڑ کر بستی  
کجا رفتند آں مرداں کہ بانگِ لڑپیان ہر دے      ہر دے خاکِ خسپید نہاں تھیں سبھی تھیں ڈرے  
کجا رفتند آں یاراں جنہاں تھیں جیوئی تیرا      چنان رفتند زین عالم کہ کلامِ ناکیا بھرتیرا (اکذا)  
کجا رفتند آں حوراں جنہاں کے نین تھو بانگے      چنان بگذاشتند فنا نہ پھر گھر بار دہر بھانگے  
کجا آں ماہر و خواں جو مود کندے پاتے      نہ نام و نہ نشان ماندہ سبھی گل جیسے پاتے  
کجا سوداگر ان منعم جنہاں کے بار تھے تالے      کلا لاں خاکِ شان بُرد نہ کھڑے کچھ پاتس بھانے  
در آن فنیکہ نو میری نہ دنیا کام تھجے آئے      کسے کو داد و بخشیدہ وہی کچھ ساتھ بھی جائے  
نہ اینجا خویش کس باشد نہ کسی یار کو یاری نہ      نہ کس مونس بود دیگر نہ بھائی باپ ہمتاری  
ترا در گویا نہ پھر کر لوگ گھر آوے      بیفتد با خدا کا رت نہ کوئی آئے چھر کاٹے

دراں در گاہ بے رشوت نجانوں کیوں ہے پڑا

جنید امر دآں باشد کہ اس سیاق تھیں ڈردا

ہندوستان کی طرح پنجاب میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اُردو مشائخ کی خانقاہوں

میں سب سے پہلے پردہ نش پاتی ہے اور ٹھٹھینوں چلنا سیکھتی ہے ۔

## منشی دلی رام

شاہجہان کے دور میں منشی دلی رام صاحب عربی و فارسی و ہندی میں شعر کہتے تھے۔ اور دلی تخلص کرتے تھے۔ داراشکوہ کے مشیر خاص تھے۔ ان کی تلموزی لقب شیش وزن مطبع نادار العلوم میں چھپ چکی ہے۔ غزل ذیل اُن کا نمونہ کلام ہے ۔

چل داری میں نیا کہ دنیا سے چلانا ہے ۔ چل بدل بندی دیں عالم کہ سر پر چھوڑ جانا ہے  
چو ہنگام اجل آید بکارت ککھ نہ ککھ آید بچھائی گاہ کی تیری وہی تیرا بچھانا ہے  
قبا و چیرہ رنگیں ہمساز تن تو بکشا یند دہینگے کفن کی چادر جو تیرا خاص بانا ہے  
ہزاراں کھانا گر داری پر از حلوا پلا رنگیں دیویں و وشت اردا و اجو تیرا خاص کھانا ہے  
بہ مادر پدر فرزندان برادر ہا کہ می نازی ! وہی نچو کو جلا میں شمع جناس پر ہیٹ ٹھانا ہے  
تو ہماں آمدی ایں جاشدی خود خاندانہ فاوند تو اپنے آپ کو بھولا کسی کو نا پہچانا ہے  
شراب کمرخ می نوشی اصل کردی فراموشی مرن کو دُر مٹ سیمو عجب یہ ملک بہانا ہے

طنب دیدار میدارم کہ روز اول شفا ختم

یسار و مت دلی راما کہ آخر رام رانا ہے

درختۃ العلوم۔ درگاہ پرشاد نادار مغیہ نام۔



## مولانا عیدری

۱۷۰۰ء میں فقہ ہندی نامی ایک رسالہ بعد عالمگیری پنجاب میں لکھا جاتا ہے اسپرنگ نے فہرست کتب خانہ آدوہ میں اس کو محشر نامہ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اس کتاب کا نام محشر نامہ نہیں ہوتا چاہئے۔ بلکہ فقہ ہندی اس کا یہ خیال بالکل درست ہے۔ لیکن اس رسالہ کے ناظم کی نام محمد جیون عرف محبوب عالم متوطن جھجر بیان کرتا ہے اور خانہ سے دو شعر نقل کرتا ہے:-

فقہ ہندی کو مومناں انو زبان پر یاد مسد آوے دین کا مول نہ ہوئے فساد  
سن ہزار چوتھے بیچ رمضان (کذا) اور جنگ شاہ کے دور میں نسخہ ہوا تمام  
اور شعر افتتاحی حسب ذیل نقل کرتا ہے:-

اللہ مولا پاک ہے جو چٹ سرجن ہر جن دیا ر صدق سوں سے آئے پار  
میرے زیر نظر فقہ ہندی (مملو کپیر و فیض سراج الدین آذر ام۔ اے) ہے۔  
جو ۱۳۳۸ء کی نوشتہ ہے۔ اس میں خانہ کا پہلا شعر اسپرنگ کے منقولہ بالا شعر  
کے مطابق ہے اور شعر دوم یوں ہے:-

سنہ ہزار چوتھے بیچ ماہ رمضان تمام اور جنگ شاہ کے دور میں نسخہ ہوئے تمام  
مگر شعر افتتاحی یوں ہے:-

حمد ثنا ربے با کوں ظائق کل جہان لایق حمد ثنائیکے اور نہ کوئی جان  
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسپرنگ کے سامنے دو مختلف رسالے ایک ہی جلد میں ساتھ  
بندھے ہوئے تھے جن میں فقہ ہندی کا نمبر دوم تھا۔ اسپرنگ نے دونوں رسالوں

کو ایک سمجھا۔ اس لئے ابتدائی شعر پہلے رسالہ کا دیا۔ اور قائمہ فقہ ہندی سے نقل کر دیا۔ اسی لئے اُس نے مصنف کے نام میں بھی غلطی کھائی ہے۔  
 فقہ ہندی کا مصنف عبیدی ہے نہ کہ محمد جیون۔ عبیدی کا نام اس شعر میں آتا ہے:-

کیتے مسلہ دین کے عبیدی کہلے میں      فقہ ہندی زبان پر بوجھو کہ یقین  
 اس کے علاوہ رسالہ کی زبان اس قدر پنجابی آمیز ہے کہ اس کو ہر بانی زبان  
 میں کسی طرح داخل نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ اس کا صحیح نام پنجابی اردو ہے  
 ذیل کے اشعار سے ناظرین خود اندازہ لگا سکتے ہیں:-

|                                   |                                     |
|-----------------------------------|-------------------------------------|
| حمد ثنا سبے بکوں خالق کل جہان     | لائق حمد ثنائیکے آور نہ کوئی جان    |
| علم شریعت نال کے بھیجا پاک رسول   | جو کچھ بھیجا رب نہیں سب ہم کیا قبول |
| یار بڑا اپنے فضل سوں بیحدیج درود  | نبی محمد مصطفیٰ تجھ سوں ہون خوشنود  |
| بھجوں او سکی آل پر اور اصحاب تمام | تس بھجوں احباب پر ربوتے ہرود سلام   |
| کیتے مسلہ دین کے عبیدی کہلے میں   | فقہ ہندی زبان پر بوجھو کہ یقین      |
| مطلب مسلہ بوجھنا فرض عین کے جان   | عربی ترکی فارسی ہندی یا افتان       |
| علم شریعت بوجھنا فرض عین کے جان   | بالغ عورت مردکوں جو ہوتے مسلمان     |
| چار علم سب فرض ہے بوجھو کہ قیاس   | علم توحید غائب ہے روزہ حیف نفاس     |
| تس کے پیچھے مومنا تہتر فرقہ جان   | بہتر فرقہ دوزخی سوتجہ شیطان         |
| رافضی خارجی جبریتہ مرجیہ بھی جان  | حمریتہ قدریہ ہر یکے سوبارہ فرقہ جان |
| فرقہ ہشتی مصطفیٰ اور اصحاب تمام   | یہ فرقہ اسلام کا سنت جماعت نام      |
| تس پر چار امام ہے چار رکن اسلام   | ابو حنیفہ شافعی مالک احمد نام       |
| سنی ہو دس چیز سوں یہ مسلہ کر یاد  | تفصیل دے دو شیخ کون دستی دوداماد    |

دو امام پیچھے نماز کر دو قبلہ کو جان      دو جنازہ پر نماز کہ مسح دو مونہ آؤں  
 دونوں عید نماز کی طاعت دو سلطان      راضی ہو تقدیر پڑو کو اہی حبان  
 گناہ کبیرہ پوچھنا لازم کر کے جان      اشتراک بائشداور ماننا حق مسلمان  
 سر کرنا اور بھاگنا بیچ غلبہ کفار      عاق کرنا ما باپ کا جو بین مسلم پندار  
 کھانا مال یتیم کا بیاج کھانا جان      نوہیں کبیر امتفق اور زنا ختم چھان

—\*—

دو ہاتھ نکالے ہاتھ سوں جی اکھے تدبیر      سر نہ جہائی رفع کرے صاحب تدبیر  
 چار انگلی کے فرق سوں جدی دھڑو پانو      جوتوں کھڑا نمازیں دیکھ سجدہ کی ٹھانو  
 دیکھ رکوع میں پانو کو سجدہ ناک تمام      قعدہ بیچ کنار کو کاندہ وقت سلام  
 جی علی الفلاح تھا ڈا ہوئے امام      قد قامت الصلوۃ شروع کرے امام  
 طرف قبلہ کر انگلیاں سجدہ کرنی ہاتھ      مونڈ برابر بیٹھ کے راگہ رکوع کے ساتھ  
 گھٹنہ دھڑ بھی ہاتھ سر سجدہ کوں لیاؤ      سر اٹھاؤ بھی ہاتھ کوں چھپوں گھٹنہ اٹھاؤ  
 اس تصنیف کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بعض فارسی افعال کا  
 استعمال دیکھا جاتا ہے۔ جیسے :-

لب بینی کے بال لے سامنے ناخن چھین      ختنہ چھوٹی ازار کہ سنت جان لقین

دیگر :-

استنجاسنت خاک سوں ڈھیلہ پتھر ساتھ      چوب رُوئی اور برف سوں چونہ ندر دست

دیگر :-

عید گاہ کی راہ میں پکار کتے تکبیر      پچھوں دو گانہ عید کے قربانی واچیر  
 عہدی پنجابی میں بھی ایک شاعر گزرا ہے جو سالہ ہندی کا مصنف ہے  
 آپ سالہ ہندی اور فقہ ہندی کی زبان میں قرابت قریبہ موجود ہے جس سے

میرا خیال ہے کہ دونوں رسالوں کا مصنف ایک ہی شخص ہے مثلاً  
 فقہ ہندی سے مسئلہ آویں دین کے مول نہ ہو و فناء  
 دیگر سے کیتے مسئلے دین کے عبدی کہے آیین  
 رسالہ ہندی سے آکھاں وقت سوال دے مول نہ پیچھے فناء  
 دیگر سے واجبات نماز دے عبدی کہے آیین  
 دونوں رسالوں کا وزن بھی ایک ہے اور جملوں کی ترکیباً و ربندش  
 بالکل پنجابی طرز میں ہے ۔



## ناصر علی شہزی

آپ حیات میں مذکور ہے کہ اُستاد دلی نے ناصر علی کو لکھا تھا ہے  
اچھل کر جا پڑے جوں مصرع بقی اگر مصرع لکھوں ناصر علی کوں

ناصر علی نے جواب میں لکھا ہے

باعجاز سخن گراڑ چلے وہ ۶ دلی ہرگز نہ پہنچے گا علی کوں ۶  
پنجاب میں علی کی غزلیں ایک وقت میں بہت مقبول تھیں۔ اور اب بھی پُرانی  
بیاضوں میں مل جاتی ہیں۔ یہاں علی کے اردو کلام کا نمونہ ایسی بیاضوں سے  
دیا جاتا ہے۔ جو محمد شاہ کے عہد میں یا اُس سے چند سال بعد نقل کی گئی ہیں۔  
نہن کے مبالغہ من کے بھیترا جھول لیا بیت لں پگیا ہوئی ز گس خمل چین گلونگی اکھیاں میں گل پگیا  
دوئیں کا ری تیں کی جانی حیران کرنی لوگوں کچھ تائیں خواب ہوگا تمام عالم جیان نیرتوں کھل پگیا  
نہن کے امرد و کمان دستی پاکھے حاضر چوتیر نادک نظر غضب کی نہ دیکھ ساجن کوئی بچارا اٹھل پگیا  
علی ملاحظہ تیرے سخن کی اگر زلیخا سینگ کی کہوں  
مصرع میں سودا و گ ہو گیا دم نہ یوسف کا دل پگیا

(از بیاض پرتا بیٹھو۔ نوشتہ ۹۵ جلوس شہزی)

سیر کے حسن کا قرآن پڑھ لیا ہے میں نظر کر کر نہیں پائی غلط لغوس میں دیکھ زبر و زبر کر کر  
ترے غم کا مجھے سرچن ہو لیا ہے کافی شرح لاں دس میں سوس سستی ہے بس بد کر کر  
معانی اندریاں بھیترا بدیع اس کو سمجھتا ہوں پڑھی ہے حسن تیرے کی مطول جس نکر کر کر  
کلام العشق ہینا کوں مٹا حکمت سوں منطلق موں و گرد اس مطول کوں رکھا تھا مختصر کر کر  
اصول اور ہند سب لکھے نقل تکمیل آئے راں ہدایہ عشق کا غالب ہو یا مجھ ہدائے کر کر

بگرد روی ساجن کے ہو یا پید اخط مشکیں !      یا ملک سلیمان فی مگر موراں بکر کر کر !  
جس تجھ کارواں کا سن علی آس شمع بے چرا      کیا ہے بارہستی کا ولے عزم سفر کر کر  
(از بیاض نوشتہ محمد شاہ مرقومہ ۱۶۱۷ھ)

دیگر ۷

چند کچھ پر خیال مشکیں نہ پڑا بشوخی لٹکے گا      عجب سے یاراں کہ ایک نگی بٹکے دمی لٹکے گا  
بیت فرنگی بقتل ہمنہ رکھے جو پرچیں حسین دادم      ہو اسے جیونا جگت میں مشکل کہ تہن ابرو سر کے گا  
علی فقر! مقام جس کوں ہو اسے مائل زوہل جاہاں      چو چشم زگس ہو اسے حیراں بول ابدار بھکے گا  
(از بیاض پرتاب نگہ نوشتہ سید علی حسینی)

علی کا کلام فارسی ترکیبوں کی بنا پر محمد شاہی عہد کے شعرا کے کلام سے  
میز ہے۔ بگرد روی ساجن آس شمع بے پردا - بیت فرنگی بقتل ہمنہ - چو چشم  
زگس - چو تیر ناوک - ایسی بندشیں ہیں جو قدیم شعرا کی دہلی کے ہاں کیا  
ہیں۔ برخلاف اس کے پنجاب کے شاعر ایسی ترکیبیں لانے کے عادی ہیں۔



## شیخ ابوالفرج محمد بن ابوالدین بٹالوی فی السالۃ

بٹالہ سرزمین پنجاب میں ایک مردم خیز شہر ہے۔ میرزا نور العین واقف فارسی کے مشہور شاعر کا مولد و منشا یہی شہر ہے۔ بارہویں صدی ہجری میں اس شہر میں مشائخ کا ایک مشہور خاندان ظہور میں آیا جس کے جد اعلیٰ شیخ ابوالحسن علی بغدادی معروف یہ بدیع الدین شہید حسنی جیلانی ہیں۔ آپ بسبیل سیاحت عراق سے ہندوستان وارد ہوئے اور یہیں رہ پڑے۔ عوام الناس میں عربی لباس کی بنا پر آغا کے نام سے مشہور ہو گئے۔ آپ کا مراد موضع سہاری من مصافات پنجاب ہے۔ آپ کے احفاد میں شیخ ابوالفرج محمد فاضل الدین بٹالوی نے خاص شہرت حاصل کی۔ آپ شیخ محمد افضل لاہوری کے مرید ہیں بیس سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو کر تلاش معاش کی غرض سے شاہی لشکر کی شمولیت کی امیر میں وطن سے نکلے جب بٹالہ پہنچے۔ کچھ ایسے مواعیات پیش آئے کہ شرکت الکر کے ارادہ کو ترک کر کے یہیں رہ پڑے اور تصوف میں ذوق لینے لگے۔ آپ نے چالیس کتابیں اور رسالے اپنی یادگار چھپوٹے ایک روایت ہے کہ تصانیف کی تعداد ایک سو سے زائد ہے۔ ان میں سے قصیدہ خمریہ حضرت غوث الثقلین پر آپ کی عربی اور فارسی شروح اور ترجمہ مواظبات الرحمان کے نام ہم تک پہنچے ہیں۔ یہ دیکھ کر شاہد میں بہتر برس کی عمر میں انتقال فرماتے ہیں ”عم عام“ تاریخ وفات ہے۔ آپ کے والد کا نام

لے تذکرۃ الابرار غلام محی الدین بن عبد الکریم قادری پشادری »

ملہ بدر محی الدین صاحب خط (سجوال شرافت غوثیہ) از درگاہ فاضلیہ۔ بٹالہ »

سید محمد عنایت اللہ ہے جو عہد شاہجہان و عالمگیری میں سیالکوٹ - کشمیر - کابل وغیرہ مقامات میں متفرق اوقات پر قاضی القضاۃ رہے ہیں۔ اور فان بہادر کے خطا ہے سرفراز تھے۔ آپ نے عربی اور فارسی علوم کی تحصیل مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی کے نواسہ ابو الحسن فتح محمد اور میاں محمد غوث لاہوری سے کی ہے۔ حضرت محمد فاضل بھی اردو میں شعر کہتے تھے۔ ان کا اور سید ولی اور رنگ آبادی کا زمانہ تقریباً ایک ہے یہاں ہیں آپ کی ایک مناجات جو عربی اور اردو میں ہے درج کرتا ہوں۔

تاہیں مرا چھٹ نم کوئی نظر بحالی یا نبی ۴ ہے رہن و نغفلت بڑی نظر بحالی یا نبی ۴  
اس فضل سوں اکھو مجھے من عزل و جات الصفا ۴ فریاد کرتا ہر گھڑی نظر بحالی یا نبی ۴  
یوں غرابی میں پڑا کا نطفل سوء الخلق جیف ۴ اس غم سنی چھانی سڑی نظر بحالی یا نبی ۴  
اس شرم سوں مجھ کھ نہیں جی اری منوہ الصفا ۴ ہے مرگ بھی سر پر گھڑی نظر بحالی یا نبی ۴  
بُرقع شریعت سوں رکھو حتی اکون بنو رکم ۴ اس عشق سوں کچل جڑی نظر بحالی یا نبی ۴  
دورہ لکھوں دور و بھروں تشماً بقصاً عاصیا ۴ انواع عصیان سوں جھڑی نظر بحالی یا نبی ۴  
راکھو تمہیں راکھو تمہیں لی بیس غیرک یا ملاذ ۴ تاہیں مرا چھٹ نم سنی نظر بحالی یا نبی ۴  
بھولا ہوں میں بخشو تمہیں لانا خازنی بالوزر ۴ جب محی میں بخشش کری نظر بحالی یا نبی ۴

فاضل بچا سے برحق انشفع شیفع المذنبین

فریاد کرتا ہر گھڑی نظر بحالی یا نبی ۴

(از بیان مملوکہ پروفیسر آف)

~~~~~

۴ بدرمعی البین صاحب کا خط (سجود الخراف غوثیہ) از درگا فاضلیہ بمالہ ۴

۴ فارسی کا پرتو۔ ہے جیسے فوجے از کلدگان ۴



## شیخ محمد نور

شیخ محمد فاضل کے پیر بھائی شیخ محمد نور ہیں جو شیخ محمد افضل کے مرید ہیں۔  
ان کی ایک اردو مناجات یہاں نقل کرتا ہوں ۷

بہر خدا تو لے صبا بعد ادب فریاد کر  
درد میرا شاہ کے کہ رفتی مجھ سر میر  
وہ بایں غم کے چاہوں کہ نفل مجھ بہر خدا  
نہ بن مرا کو نہیں میں دستِ علی کا پکڑ  
رقائیں اپنے حال میں غفلتِ ستی حیرا ہے  
زحمتِ مجھے مضطر کیا دیو و شفا خود کم کر  
تیرے مرید جو خام ہیں اُن کے سکا کا ہوں سب  
بہر خدا اور مسطرے اگر لطف کی مجھ پر نظر  
حق تو مجھے سرور کیا دلیاں ہیں تم سرتاج ہو  
ہو یا نکوئی نا ہو کہ تیرے چہینا نا ورنہ حشر  
صدیف مجھ عاصی تائیں تم سا ہو کہ میر سائیں  
دل کی سیاہی نا اوٹھے عالم کے تم ہو راہبر  
بختوں کے جس رکنا اس کے ہوئے ہائیکے اس  
مجھ اس لئے تجھ نام کی ہے درد دل میں جاں بہر  
تم سا کہ جس پیر مراد کو نہیں پردہ کج  
چاہو اگر مرد تائیں زندہ کہ داک پل منے  
خواہیکے رگہ داجوں نکلاں ستی جنتوں ہو یا  
تو تگنی ہو میر کی ہے میراری و زو شب  
تم کی محبت دل مرا لیا ہے اپنے دامِ سبا  
دیوے خدا تو فیکر تو کا ہم ہم پھر دس  
پوچھا کہ تحقیق میں عالی تری درجیات ہے  
صدقہ علی بن ابی طالب کا افرق مجھ کے قدم دھر

۱۔ مجھ ۲۔ جیسا ۳۔ کچھ ۴۔ میں ۵۔ گئی ۶۔

۷۔ پڑھوں ۸۔

واسن لکھی لاج تجھ سے عاجزی مجھ کی شہا      محفوظ کر دل جان سون و جاگ کو اسیر خطر  
 وار و بار کبستی مجھ کا کہو خود نہیں سوا      دل کی قنوت سہ گوار و شن کر و سنبہ جگر  
 عصیان سے بیخ تاب نہ کی نہیں تجھ سے نہئی      تجھ پہی میرا گرا ہوں نا تو اے بال و پر  
 کر کہ تصدق نا تو کے باطن میری لے خبر      رکھ شاد و نیا دینوں مجھ نفس کا زور  
 حق کی حضوری بخش مجھ مجلس محمد مصطفیٰ      وہ قربانیاں مجھ دیکھنا و ایں شاد و تر  
 بن دیکھتے تجھ لے شہا زندگی میری برباد ہے      چہر اسبارک مجھ کھا تجھ سوا فدا دل جان و سر  
 غم کی تباہی چھوڑا کر دفع مجھ میں ہر بلا      توں یاد شاہ دوسرا مشکل مری آسان کر  
 افضل سائیں نائب سر میرے پھر کڑی دست      برکت انہوں کے نام کی مجھ میں گرا ہر شہ و سر

میں نور عجزات دن ہے در و تیری ملح کا

دہل خدا کا کر مجھ بے رنج بے محنت ضرر

یہ پانچا ہی اردو کے نمونے آج ہمارے کانوں کو نہایت عجیب معلوم ہونگے  
 لیکن ہمیں تاریخی دلچسپی کی رُو سے ان پر نگاہ ڈالنی چاہیئے۔ یہ تبرکات ایسے عہد  
 کی یادگار ہیں جب کہ ابھی دہلی میں بھی سناٹا تھا۔ اور میر و سودا کی غزل خوانی شروع  
 ہونے میں ایک عرصہ درکار تھا۔ ہمیں اس نظم کی بعض خصوصیات کو یاد رکھنا  
 چاہیئے۔

کہ فضل مجہ = مجھ پر فضل کر۔ میرا کوئی نہیں = میرا کوئی نہیں۔ دلیاں میں = دلیوں  
 میں۔ تیرے جیسا = تیرے جیسا۔ تجھ نام کی = تیرے نام کی۔ تجھ کے اوپر = تیرے  
 اوپر۔ تم سار کا = تم سربکا۔ تم کی صفت نہ کیا کر دل = تمہاری صفت میں کیا کر دل۔  
 تم کا اسم ہر دم پھڑول = تمہارا اسم ہر دم پھڑول۔ بن دیکھتے تجھ = تیرے دیکھے  
 بغیر۔ مجھ دیکھا = مجھ کو دکھا۔ بعض الفاظ کا جو غلط تلفظ دیا ہے۔ مثلاً کرم۔ قدم

لے ہو دس + لے پکڑے +

وغیرہ پرانی اردو میں اسی طرح بولے جاتے تھے +



## مُوسٰی

اسی عہد کا ایک ترجیع بند دیا جاتا ہے جس کے مالک موسٰی ہیں۔ ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔

ہم چرنوں لاگے آن تیرے	جو پاویں درس دان تیرے
دو جگ پر احسان تیرے	سب بندہ ہیں سلطان تیرے
سب حش طیور انسان تیرے	لاگے ہیں صباں او گبان تیرے
دلے ہیں عرش نشان تیرے	میں صدقہ استر بان تیرے
کردل کوں بدر منیر میرے	یا غوث الاعظم پیر میرے
دو جگ میں شک شیر ہو تم	یا داتا حضرت پیر ہو تم
رتبہ موں عرش منیر ہو تم	دکھیا کے دہیرج دہیر ہو تم
سب دلیاں بیچ امیر ہو تم	ہر اول اور اخیر ہو تم
قادر بہر تقدیر ہو تم	ہر شے میوں بلا نظیر ہو تم
کردل کوں بدر منیر میرے	یا غوث الاعظم پیر میرے
تم محی الدین جمیلانی ہو	تم ساچے قطب ربانی ہو
تم سچے محبوب سبحانی ہو	تم برحق غوث صمدانی ہو
تم حوض کوثر کے بانی ہو	ہر مشکل کی آسانی ہو
کردل کوں بدر منیر میرے	یا غوث الاعظم پیر میرے

میں عاجز تجھ دربار کھڑا      کہتا تیرے دربار کھڑا  
 تجھ نام کا لے آؤں بار کھڑا      کرتا ہوں یہ نثار کھڑا  
 رنجیدہ دل لاجپار کھڑا      کا ندھے پر غم اسوار کھڑا  
 مجھ ساتھ کا کھیوا پار کھڑا      یا پیر ہیں پانی دار کھڑا  
 کہ دل کوں بدر منیر میرے      یا غوث الاعظم پیر میرے  
 تم صحنی پیراں سہ پیراں جی      تم سانچے حضرت میراں جی  
 تم کھو لو بند اسیراں جی      مجھ دکھ کی کاٹ زنجیراں جی  
 تم اکھیں دیت بصیراں جی      تم خوشی دیت دلگیراں جی  
 تم دھیرج دیت ادھیراں جی      کیا ہند دکن ایراں جی  
 کہ دل کوں بدر منیر میرے      یا غوث الاعظم پیر میرے  
 نہیں غرضی مال منال کا ہوں      اُشقت تیرے جمال کا ہوں  
 مزدی تجھ جہاہ جلال کا ہوں      شیدا تجھ قیل اُرتال کا ہوں  
 میں ٹھپو کا تیرے وصال کا ہوں      دیوانہ اسی خیال کا ہوں  
 میں منگتا اسی سوال کا ہوں      میں غرضی اس احوال کا ہوں  
 کہ دل کوں بدر منیر میرے      یا غوث الاعظم پیر میرے  
 تو ہادی راہ ہدایت کا      تو معنے فیض کی آیت کا  
 حامی ہیں روز عنایت کا      کافی ہیں کرم کفایت کا  
 ہیں داعی فضل رعایت کا      دالی ہیں عین عنایت کا  
 ہے سایہ تیرے راہیت کا      یہ شوق مجھے بغایت کا  
 کہ دل کوں بدر منیر میرے      یا غوث الاعظم پیر میرے

تجھ نیمہ کی کنتھاستیتا ہوں      کٹا بیس کپڑے بیٹا ہوں  
 تجھ یاد کی پھکپھکیٹا ہوں      اور خون جگر کا پیٹا ہوں  
 تجھ نام لے میں جیتا ہوں      میں نیک عمل میں لیتا ہوں  
 تجھ در کی مانی لیتا ہوں      مکھ پر یہ حنا کا ریتا ہوں  
 گردل کوں بدر منیر میرے      یا غوث الاعظم پیر میرے  
 تم غم مجھ دل میں دور کرو      یہ بات میری منظور کرو  
 مجھ دشمن چکنا چور کرو      آئش میں دل منظور کرو  
 سینہ کو یہ پر نور کرو      اعشق اپنے سوں معور کرو  
 مے اپنی سوں محمود کرو      یہ پار ہمارا پور کرو  
 گردل کوں بدر منیر میرے      یا غوث الاعظم پیر میرے  
 ہم بیکس دیکھن آدر ترا      مشہور جگت موں شور ترا  
 پلکی موں باندھا چور ترا      وہ چور ترا میں ڈھور ترا  
 القاب سے بندہ چور ترا      رکھنا ہوں ڈھراور نور ترا  
 ایساں ہے شکر معور ترا .....  
 گردل کوں بدر منیر میرے      یا غوث الاعظم پیر میرے  
 سر پوٹ اوگن کی بھاری ہے      مجھ لاگی آس تمہاری ہے  
 تجھ نام پر پوٹ اتاری ہے      دیکھ ایسی شکل ہماری ہے  
 موی تجھ درس پکھیری ہے      توں دستگیر نشت ری ہے  
 مجھ سوخت رین اندازی ہے      یا پیر مرے ایہ یاری ہے  
 گردل کوں بدر منیر میرے      یا غوث الاعظم پیر میرے  
 (از بیاض پر وفسیر آذر)

یہ نظم اگرچہ ہم مصنف کے عقائد سے متفق نہیں۔ سادگی جذبات و  
اداسے بیان کے لحاظ سے بلند پایہ رکھتی ہے۔ پنجاب میں حضرت شیخ عبد القادر  
کے نام پر ایسی ہزاروں مناجاتی نظمیں لکھی گئی ہیں۔ بارہویں صدی میں پنجاب  
کی سیاسی ابتری نے اور بھی ان کو فروغ دیا ہے۔ عالمگیری کی وفات کے بعد  
وہ دور شروع ہو جاتا ہے جس کو ہم پنجاب کی تاریخ کے سیاہ ورق کے نام سے  
موسوم کرتے ہیں۔ اس عہد میں اس سرزمین پر آفتوں پر آفتیں ٹوٹیں۔ بلاؤں  
پر بلائیں نازل ہوئیں۔ سکھوں کی تاخت و تاراج۔ نادر کی آمد اور احمد شاہ  
دُرانی کے حملے ایسے واقعات ہیں جنہوں نے یہاں کے باشندوں کے قلوب  
کو یاس اور ناامیدی کی کے جذبات سے معمور کر دیا۔ قاعدہ ہے کہ مصیبت  
میں خدا یاد آتا ہے۔ لیکن فاقہا ہی اثرات میں پنجاب نے صرف حضرت غوث  
الاعظم کو یاد رکھا۔ اور اتنی کا کلمہ اکثر پڑھا۔



## حضرت غلام قادر شاہ ثنوی رحمہ اللہ

شیخ محمد فاضل کے فرزند اور جانشین حضرت غلام قادر شاہ ہیں۔ جو علمِ کل زہد و تقویٰ، ریاضت و مجاہدت اور حال و قال میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ آپ کا لقب اہل اللہ ہے۔ تصوف میں متعدد تصنیفات آپ کے قلم سے نکل چکی ہیں۔ جن میں سے صفاء المرآت کا ہم تک نام پہنچا ہے۔ شب یکشنبہ ۵۔ بیچ انسانی ۱۷۱۷ھ میں رحلت کی۔ فوت مخدوم آپ کی تاریخ وفات ہے اور غلام مخلص ہے۔

اُن کی اُردو ثنوی رمز العاشقین اُن کے والد بزرگوار کی زندگی ہی میں تصنیف ہو چکی تھی۔ کیونکہ اس میں انہوں نے اپنے والد کو خطاب کر کے بعض شعر لکھے ہیں۔ یہ ثنوی میراث کی ثنوی خوابِ خیال سے جو ۱۱۵۷ھ کی تصنیف ہے۔ اقدم ہے۔ اس ثنوی کے دو نسخے میرے پاس ہیں۔ (۱) محمد جان کے قلم کا نوشتہ ہے۔ جو مصنف کے مرید اور سالے ہیں۔ اور مصنف کی زندگی ہی میں اس کی کتابت کرتے ہیں۔

(۲) ۱۲۰۲ھ کا نوشتہ ہے۔ عنوان کتاب پر سنہری اور رنگین گلکاری ایرانی تقلید میں ہو رہی ہے۔ خاتمہ میں یہ عبارت درج ہے ”نسخہ منسبر کرمز العشق تصنیف حضرت غلام قادر شاہ قدس سرہ ساکن بٹالہ تمام گردید ۱۲۰۷ھ“ دونوں نسخے خط نسخ میں ہیں۔ بارہویں اور اس سے پیشتر قرون کی اُردو تالیفات بالعموم خط نسخ میں ملتی ہیں۔ اور مسلمانوں نے گویا اس خط کو ہندی زبانوں کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ آج بھی پنجابی۔ سندھی اور پشتو زبانیں خط نسخ ہی

میں بھی جاتی ہیں اگرچہ اردو نے فارسی کی تقلید میں مستعین بننے میں اختیار کر لیا ہے۔  
 اس ثنوی کا وزن عروضی خالص ہندی ہے۔ پنجابی لہجہ کی تمام خصوصیات  
 اس میں موجود ہیں۔ اس ثنوی کی شرح شیخ کے پوتے شیخ ابوالاحمد محمد شاہ المتوفی  
 ۱۲۲۲ھ نے لکھی ہے۔ اس کے متعلق صاحب تذکرۃ الابرار لکھتے ہیں :-  
 ”بروز العشق نصیفت جدریزگوار خود بغایت شرح مرغوب پسندیدہ نوشتہ  
 و در کشف حقائق تصوف و بیان اسرار و اصطلاحات حضرت صوفیہ ....  
 ... تعمق فراوان و تحقیق بسیار نمودہ“۔

رمز العشق میں عربی الفاظ کا استعمال کثرت کے ساتھ دیکھا جاتا ہے  
 ایک جہ تو اس کی یہ ہے کہ تصوف کی تمام اصطلاحات عربی ہیں۔ دوسرے  
 حضرت غلام قادر شاہ صاحب خود عربی کے فاضل ہیں۔ اور اس زبان سے زیادہ  
 مزالت رکھتے ہیں۔ ذیل میں ثنوی کا نمونہ عرض ہے :-  
 افتابہ

دہی دہی نہ دو حبا کو ی	پر گھٹ ہو یا محمد ہو ی
احمد محمد ایک پیکھا نوں	ایک ہی دیکھو ایک ہی جانوں
محمد کو اور بڑت درود	فہو الحمد والمحمد
اوّل آخر باطن ظاہر	تا ہیں اس سے کو یو باہر
انامن نورہ سٹوبیان	والکل توری دہرو دھیان
سمج لیو اور بوجھو بات	ایک ہی ذات ہے ایک ہی ذات
سب بڑیائی اسے مستم	صلی اللہ علیہ وسلم
صلی اللہ علیہ الہ	ومن اشتاق بنور جمالہ
سیما شیعی عبدالعزیز	نعم المولیٰ نعم الناصر



فاضل شاہ کالے کر نام؛ سنوں حقیقت کسے غلام  
 ولسوں سنوں حقیقت ساری ایک حقیقت سب موعاری  
 آپ سننے ار آپ سنا دے کیا کسے کچھ کہانہ جاوے  
 وہی محیم، بصیر، علیم تاہیں اس کا کوئی سہیم؛  
 کان ولم یلک معہ شیئا وهُوَ الْاَن کَمَا کان کیا  
 غیر کہاں ہے دیکھ پیارے آپ ہی آپ ہے ہر ہر جگہ

سات مراتب پوچھ پیارے ہر ہر کے ہیں حکم نیارے  
 ست گرسوں توں کر تحقیق ناں ہو محمد ناں زندیق  
 فرق ارجع موں فرق پہچان پھر دونوں کو ایک ہی جان  
 پوچھ لیو تنزیہ کوں خوب ناں ہو محمد ناں محبوب  
 بھی تشبیہ کوں جانوں نیک پھر دونوں کوں جانوں ایک  
 ظاہروں ہے وحدت کثرت باطن موں ہے کثرت وحدت  
 قدم وجوب کے سب اسماء جانوں فاعل فی الاشیاء  
 اذلی ابدی ہیں درکار ناں معطل ناں بیکار  
 اس مشہد موں ہے مسجد یوں پہنچے سب اسماء کیا فی  
 اس مظہر میں راکع ساجد فہو الطالب وهُوَ العابد  
 بندے کا ہے طاعت کام داعبد ریلک سنوں کلام  
 نر و عبادت دن ار رات شرک ارتکاب موں ہوئے نجات  
 کرد عبادت شرع آئین حاصل ہوئے نور یقین کا

جس کوں ناہیں شرع گواہ      جاؤں اس کوں تم گمراہ  
حق نے کیا نثار مبین      شرع کوں بیچ کتاب متین  
جس کوں مائل ناں یہ نور      طبع ہوا کاپے مغرور  
ناں ہو اس کوں قربےصال      شرع بنا ہے قرب محال

### از خاتمہ

دین دنی کا پشت پناہ      والی میرا فاضل شاہ  
قطب حقیقت شمس یقین      نائب سیدھی الدین  
عارف کامل دل آگاہ      نور محمد سید الد  
ادل آخر ظاہر باطن      تافہ ہمارے اس کا دامن  
تاہیں اس بن کو پوچھو میرا      اس کا ہوں میں اس کا چیرا  
ناہ کسی سوں مجھ کوں کام      وہی ہے مولا وہی غلام  
اپنے شہ کالے کر نام      کیا رمز العشق تمام  
رمز العشق کوں جس نے جانا      بیشک حق کوں دیکھ بچھانا  
حمد کہوں اربین سلام      اول آخر نیک کلام  
یار بصل علیہ والہ      واجعلنی فی حبہ الہ  
اللہم بنور جمالہ      شرفنی بالحوالہ  
آئینہ تعقیب غزل حضرت غلام قادر شاہ کی تصنیف ہے۔ میں اس کے

صرف چند اشعار پر اکتفا کرتا ہوں :-

سہ دیکھو نور محمد کا سہ دیکھو نور محمد کا      سہ بیچ ظہور محمد کا سب دیکھو نور محمد کا  
وہ لفظ علم ازل کا ہے وہ اول ہر اول کا ہے      وہ مجمل ہر مجمل کا ہے سہ دیکھو نور محمد کا

وہ نشانہ اس کا ہے وہ مصدر یہ اشیا کچھ ہے      وہ سرِ ظہورِ خفا کا ہے سبہ دیکھو نور محمدؐ کا  
 کہیں نظر ہر ہوشمہو ہوا کہیں باطن ہو مستو ہوا      کہیں ناظر ہو منظور ہو یا سبہ دیکھو نور محمدؐ کا  
 کہیں کلمہ حق کا نور اللہ کہیں بیچ پنگوٹے عبد اللہ      سبحان اللہ سبحان اللہ سبہ دیکھو نور محمدؐ کا  
 کہیں شمع کہیں پروانہ ہے کہیں دانا کہیں دیوانہ ہے      کہیں یا کہیں بیگناہ ہے سبہ دیکھو نور محمدؐ کا  
 وہ آپ ہی آپ عیاں ہوا کہیں کثر تکسا مانج یا      ہر شان ہو وہ شان ہو یا سبہ دیکھو نور محمدؐ کا

کہیں غوثِ تام کہا یا ہے کہیں لا نام دہر آیا

کہیں عبد غلام کہا یا ہے سبہ دیکھو نور محمدؐ کا



## شیخ نصیر الحق

شیخ فاضل الدین کے مرید شیخ نصیر الحق ہیں۔ یہ فارسی۔ ہندی۔ پنجابی  
 اور اردو کے شاعر ہیں۔ اردو میں انہوں نے خصوصاً بے شمار نظمیں لکھی  
 ہیں۔ نصیر اور نصیر انجمن کے ہیں۔ مناجاتیں۔ توتا۔ برہنہ اور کھرولی اکثر  
 لکھتے ہیں۔ ان کا کلام بہت ہے۔ میں صرف بعض مثالیں یہاں دیتا ہوں  
 ابرے نصیر اوقت ہے بدقت پھر ناپائے      مرکاٹ لے کر ہاتھ پر آگے پیالے کے جا بیٹے  
 صوتِ زمیرت مجھ سے کس راہ پیا کون پائیے      فاضل سائیں ہے بوالفرج اُن کے تصدق جانیے  
 آتش پڑی ہیڑے مگر اس عشق دھندو کا رکی      بھنہ تن جلا کر لاکھیا صورت ہی انگار کی  
 بجلی پڑی مجھ غیب میں اس ابر آتش بار کی      فاضل سائیں کو جا کو یہ خبر اس ہمار کی  
 جھانکی دکھا او پیو کی کر کم اس آزار پر      قربان کر سب جان تن اس غوثِ قلیلیال پر  
 جو نام سن سن کا پتے تھے یہ دما محمد آئیاں      ہے رجا اب کیا کروں فوجاں برکھیاں دھڑیاں  
 تلوار حمد ہمار کی لے تیر ترکش آئیاں      تجھ بن مرا اب کو نہیں لے شاہ فاضل سائیاں

جو گن بھٹی میں لے پیا ہو ہونیری پکارتی

فاضل سائیں پچھا دیو غیر اتو بازی ہادی

دیگر مناجات تصنیف حضرت نصیر الحق

یا غوثِ مدھی الدین لیتے خبر اس زار کی      کر کہ تصدق پایوں کا جھانکی دیو دیدار کی  
 ہٹے پٹے برہوں گن جہنا پڑا جھ رین دن      مچکوں بتا دودھ من دیوے خبر و ارار کی  
 راکس برہوں جب آئیا اس مہر چن کھائیا      اب ہاڈکھا دن تھا ئیا جو کھ بیکم اس خوار کی  
 دیکھے بناں پائے مچکوں کہ قصوں میں رین دن      لیاؤ مجھے دیو کفن ہوئے کہہ جنجال کی

دیو دیکھائی اسے پیاتم بن سکوں کیونکر جیا    بہ ہوں مجھے بیکل کیا طاقت نہیں اس بہار کی  
 سن نہ مجھے ہے رونا رونا رو مجھے جی کھوونا    یہ کوکھ لبو میں تھو دنا نشتر لگی ہے سار کی  
 کب لکیں اس دیکھ مویں دل باغِ خجریں میں    سر کاٹ کر آگے دھروں کر بیٹھ اس لہار کی  
 وہ پیو پیراہ ہے سہ جگہ کا شاہنشاہ ہے    وہ محی الدین نہ خواہ ہے ہو خاک اس دیار کی  
 فاضل سائیں کرنا کم چہ لوں لگی کی کرشم    لیا مجھے دیوڈ جرم جہاں کی دیلا دو یار کی  
 کہہ اے نصیر کیا کروں رہیں کی چکھ میچ مرکا  
 جرتے زہر گزدم بھروں یہ تھو رنا گفدا کی  
 ~~~~~

## شاہ مُراد

شاہ مراد غالباً اسی عہد سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں ان کے حالات سے واقف نہیں۔ نمونہ کلام ذیل میں عرض ہے۔

اب کیا کہے کوئی ہے جیا جیا کھوسک پیا دُہو یا      تن کڑی ہو جل راکھ بھیا بیہ نہ گرم تنو رہو یا  
 وہ نور سخن کوں جسے دیا یہ چاند چوس کا حق نے دیا      یہ سوچ ہے وہ آپ پیا پر نور ہو یا مشہور ہو یا  
 وہ قد پیا کا قامت ہے یا شعلہ نور کا امسک      یہ قد نہیں ہے کیا مسک، وہ دہم پٹی ہے ٹھوہر ہو یا  
 تیرے کھڑے پر اکفال پیا جس دیکھا گھر پال کیا      یہ نقطہ ہے بسم اللہ کا جو محف پر مسطور ہو یا  
 دُغال لبوں پر نور پڑا جو پل پر عاشق بھو پڑا      یا زپر آکر چور پڑا یا قندشکر پر مور ہو یا  
 بن پانی چاہے مہر نہیں بن جانی دل سرور نہیں      بن درد عمل منظور نہیں ہو عاشق ہے مقبور ہو یا  
 اس غم کی تن کوں چا کر دس سرمد دستہ دار کر دے      تجھ باجہ نہ دہا یا کر دس نیا نک تن منظور ہو یا  
 جس سرنا لحن جان لیا ترنم نگر کا چھان لیا      سر کہ کر جیو قربان کیا وہ چہ سولی منصو ہو یا  
 وہ مجنوں اپنی سیل ہے وہ یوسف کپٹ لیا ہے      وہ دامت آپر عذر اچھے مشتاق ہو خود مغر ہو یا  
 دنات پیا بن سوتی ہوئی زمین ہو بھر دتی ہو      کھل شراب تصویق ہو موت وناجھ دستور ہو یا  
 تیرے رس کی مٹاتی ہوں تری کاج سونت لاتی ہو      تیرے رس کی مالا کاٹی ہوں گ تاراں تن طینور ہو یا  
 دنات جو تیری چاہ مجھے یہ آگ برہ کی ناہ مجھے      نت جلنے ہیری مانہ مجھے جل سرمد تن کوہ طہور ہو یا

یہ شعر عربی ستاد سوں ہے یہ لہزن آباد سوتی

یہ ریختہ شاہ مراد سوں ہے مقبول ہو یا منظور ہو یا

یہاں ایک ضروری امر کی طرف ناظرین کی توجہ مبذول کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اوپر میں نے جس قدر پنجابی اُردو نقطوں کے نمونے دیے ہیں وہ

اس تحریک سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے جو بارہویں صدی کے ربع دوم میں دہلی میں دلی اورنگ آبادی کے دیوان یا خود دلی کی آمد سے تعلق رکھتی ہے۔ میر حسن کا بیان ہے کہ دلی عہد عالمگیر میں دہلی آئے۔ لیکن آزاد سلسلہ جلیوس محمد شاہی اس کی آمد کا سال بتاتے ہیں۔ میں آزاد کے بیان کو ترجیح دیتا ہوں۔ کیونکہ دلی کا محمد شاہ کے عہد میں دلی میں موجود ہونا خود دلی کے ایک شعر سے جو مولانا آزاد نے آب حیات میں نقل کیا ہے ثابت ہے۔

دل دلی کا لے لیا دلی نے چھین جاکو کوئی محمد شاہ سوں ؎

گویا بقول آزاد دلی سلسلہ میں دہلی میں وارد ہوئے۔ اور اس عہد سے دہلی میں اردو غزل گوئی عام رواج پائی۔ درہ اس سے پیشتر شعرا کے لئے یا فارسی یا بھاشہ کا میدان کھلا ہوا تھا۔ جس میں وہ اپنی طبیعت کی صنعت گری کی بہار دکھانے تھے۔ اردو میں غزل گوئی کی بنیاد اگرچہ دلی کے عہد سے بہت قدیم ہے۔ لیکن ہندوستان میں اولیت کا تاج دلی کے سر پہ ہی رکھا گیا چنانچہ پہلے قدیم تذکرہ نگاروں نے اسی کو اردو شاعری کا آدم مانا ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ ہندوستان میں دلی کے طفیل اس قسم کی شاعری جو قدرتا مسلمانوں کی طبیعت اور رجحان کے زیادہ مناسب تھی رواج میں آئی۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ تحریک بڑی سرعت کے ساتھ اس عہد کے تعلیم یافتہ طبقہ کے قلوب میں گھر گئی۔ کیونکہ اس شاعری کا دار و مدار زیادہ تر فارسی جذبات پر تھا۔ اور فارسی خواں گھر گھر میں موجود تھے۔ حقیقت اردو شاعری فارسی کا پر تو ہے فارسی کے تمام قواعد و ضوابط و صناعات شعر کو اس میں منتقل کر لیا گیا ہے۔ وہی بحر ہیں۔ وہی ردیف و قافیہ کی پابندی۔ وہی خیالات و جذبات و صنائع و بدائع تشبیہات استعارات و تلمیحات وغیرہ وغیرہ۔ لیکن پنجاب کی نظموں کے

گذشتہ نمونے کئی امور میں مختلف ہیں۔ اول تو ان کی بحرین زیادہ تر مقامی ہیں دوسرے ان میں اگرچہ ردیف کی پابندی کیجاتی ہے لیکن قافیہ کا لانا لزوم والا بلزم مان لیا گیا ہے۔ پھر وہ جذبات میں فارسی سے مختلف ہیں۔ ہندی میں عاشق اکثر عورت ہوتی ہے۔ ان نظموں میں بھی یہی خصوصیت موجود ہے۔ وہ فارسی صنائع و بلائع و تشبیہات سے بالکل عاری ہیں۔ اور اس شاعری کا مدار ایہام پر نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم دلی اور اس کے پیروں میں دیکھتے ہیں۔ ہم کو تعجب آتا چاہئے کہ اردو کے لئے دو مختلف مرکزوں میں دو نو تحریریں ایک ہی وقت میں مصروف کار ہیں۔ لیکن ایک کو دوسری کے خبر نہیں ہے۔

اس صدی کے تیسرے ربع میں دہلی کی تحریک پنجاب میں پہنچ گئی ہے۔ اور مختلف نظموں میں ہم اس کا اثر دیکھتے ہیں۔ سب سے پیشتر جذبات میں اور زبان میں تبدیلی محسوس ہوتی ہے پرانے الفاظ اکثر متروک کر دیئے جاتے ہیں اور تکلف رفتہ رفتہ مذاق میں غالب آنے لگتا ہے۔ قدیم سادگی بر طرف ہو جاتی ہے اور طبائع میں میلان زیادہ تر تصنع کی طرف پیدا ہو گیا ہے۔ بحرین فارسی اختیار کی جاتی ہیں۔ اور ردیف و قافیہ کا التزام ضروری مان لیا جاتا ہے۔





## محمد جان

محمد جان حضرت غلام قادر کے مرید اور سائے ہیں۔ تصوف میں صاحب تصنیف اور فارسی وارڈو میں شعر کہتے ہیں۔ یہی محمد جان ثنوی رمز العشق کے کاتب ہیں جس کا ذکر اس سے قبل ہو چکا ہے۔ میں اپنے عزیز شاگرد سید ذکا اللہ تھڑاٹر اسلامیہ کالج کا مہتمم ہوں کہ انہوں نے چند اوراق محمد جان کی نظموں کے میرے لئے ہم پہنچائے۔

محمد جان سے پنجاب کی نظموں میں دہلی کا پر تو نظر آنے لگتا ہے۔ اور فارسی بحر وں کا رواج ہو جاتا ہے۔ نمونہ کلام ہے

|                                        |                                           |
|----------------------------------------|-------------------------------------------|
| بہل کی طرح دل کے جھجھکانے کو کیا کیجیے | زنجیر میں زلفوں کی پھس جانے کو کیا کیجیے  |
| رور کے عبت دل کے جھجھکانے کو کیا کیجیے | بہل ہو تڑپتا ہے مر جانے کو کیا کیجیے      |
| کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کیجیے  | سر اپنے کوں ہر صبح پھرتیوں پٹکتا ہوں      |
| کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کیجیے  | دوین دو دریا کر وں رین پھرتا ہوں          |
| پلکوں کی خدنگوں میں دلیر ہے ستم گاری   | کچھ کرنے ہوئے یا ر وچھ زار کی اب کاری     |
| ہر صبح کا وہ دنا ہر شام کی یہ زاری     | کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کیجیے     |
| کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کیجیے  | سر کاٹ کے گردن سوں تہ پاؤں پڑھتا ہوں      |
| تہ تیغ تہ تیغ آکر دم ایک نہ بھرتا ہوں  | ہستا ہوں خنشی سیتی پھر شوق میں مرتا ہوں   |
| کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کیجیے  | تہ تیغ تہ تیغ تہ تیغ تہ تیغ تہ تیغ        |
| نہوٹا یہ آنکھوں کا ہر شام دھڑک رہا ہے  | مرتا ہے لکھا مس پر کیا اور پہ دھڑک رہا ہے |

قسمت موں لکھا ہوسے دنیا موں سو بھر لیجے      کیا کام کیا دل نے دیوانے کوں کیا کیجے  
 آذبح نہ کر ہم کوں ڈرا اپنے خدا سیتی      کیا قتل غریبوں کوں کرتا ہے حیا سیتی  
 تن پرے ہی پرے ہے تجہ جو روح جفا سیتی      دور و کے پرکھتا ہوں ہجران کی بلا سیتی  
 کیا کام کیا دل نے دیوانے کوں کیا کیجے      کیا پوچھتے ہو مجھ میں غم یار کا کھاتا ہوں  
 کر تخت جگ اپناں آنکھوں سے بہاتا ہوں      محبوب کے ہجر میں دن رین لنگھاتا ہوں  
 گنہ سے ہے جو کجی مجھ پر دلیر کوں سناتا ہوں      سنتے ہوارے یار کو کج چشم مروت ہے  
 مڑا ہوں میں غم سیتی کج تجھ میں فتوت ہے      خوں آنکھوں میں جاری ہے کج مجھ میں نقوت ہے  
 کج میری کرداری کیا ایسی اخوت ہے      کیا کام کیا دل میں دیوانے کوں کیا کیجے  
 سننے ہے محمد جان کیا گریہ دزاری ہے      خاموش صفت ہوتا کیا بات پیاری ہے  
 وہ نفس کرے اپناں یہ بات نیاری ہے      مغرور عبادت پر احسان شمار ی ہے

کیا کام کیا دل نے دیوانے کوں کیا کیجے

یہاں ایک نامعلوم شاعر کی غزل کے چند اشعار دیئے جاتے ہیں جن کے لئے گویا انشاء اللہ خداں نے مصرع "بحرِ جزین ڈال کے بحرِ مل چلے" لکھا ہے اس میں پہلا شعر بحرِ جزین میں - دوسرا رمل ورجز میں - تیسرا رمل میں اور چوتھا رمل ورجز میں ہے۔ چنانچہ

اس شمع رو کوں دیکھ کے دل جل کے دیوانہ ہوا      تیری گہ کا کیا گیا میں سب میں ریگانہ ہوا  
 جے تجھے میوہ کی خواہش چل توڑینگے باغ میں      تیری تو خاطر باغ میں انگور پیدا نہ ہوا  
 یونانی مت کرواے میں صاحب جمال      مثل مجنوں کے معاصر مست دیوانہ ہوا  
 اے صنم تم مت نہ پوچھو بات میرے حال کی      تیرے کناں کو دیکھ کر میں آپ نہ روانہ ہوا  
 اس نقص کے باوجود زبان میں بے حد اصلاح ہو گئی ہے ۔



## میاں احمد

غزل ذیل ایسی میاں سے منقول ہے جو ۱۱۶۱ھ میں لکھی گئی ہے  
 چوں شب گزشت صبح چہ ہی تب سمجھ پری جاگن نہ ہوا ایک گھری تب سمجھ پری  
 جب مرگ کا پیالہ پیا آئینہ کھل گئی جب کھا قہر چودہری تب سمجھ پری  
 تو شک نہالیوں سے مجھے فکر نا ہوا جیلایت زیر سیں دھری تب سمجھ پری  
 جس وقت یار چھوڑ چلے ہم رہے نکو نہ منکر نکیر و بوجھ دھری تب سمجھ پری  
 حساب کا جو وقت ہوا آئینہ کھل گئی چلتی عمل کی آپ پر ہی تب سمجھ پری  
 عرا تمام گزر گئی عمل نا ہوا جب عمر کی دو پر دہلی تب سمجھ پری

احمد کوں اکلا، طرف کوئی نہیں جز خدا رسول

جب فضل پر امید دھری تب سمجھ پری

~~~~~

## محمد

محمد بارہویں صدی کے منصف دوم سے علاقہ رکھتے ہیں۔ مریج آئندہ  
انہی کا کلام ہے۔

قربان خدا کے ہوں جس راہ دکھلا ہے      اور ہوش یا مجھ کو جس سیتی یہ بھالا ہے  
محبوب مرا سندر سب جگ کا ادا ہے      اور عرش و فرش کے بیچ سب چیزیں بالہ ہے  
دل اپنا میں خوش کر کر اکھٹھ سے بہاتا ہوں      اور خون جگر تائیں ہر آن میں کھاتا ہوں  
فریاد و فقاں سیتی اک دھوم مچاتا ہوں      پھر راز بچتا ہے یہ کو نسا چالا ہے  
آہوں سے مری بدری افلاک اوپر چھپائی      سینے سے نکس آتش ہو برق عجب دہائی  
غیموں سے برس بوندیں ہر نہر چل آئی      اس عشق کی شورش کا کچھ راہ نہر لا ہے  
دن رات ترپتا ہوں اس یاد کی صوت کوں      آرام گیا مجھ سوں بچتا ہوں موت کوں  
تا جاں میں قدم کر کر جایار کی مورت کوں      سر کاٹ دھردل آگے یہ طور سکھالا ہے  
بن یار کے اب جینا دشوار نظر آئے      یا جان نکس جاوے یا اس کی خبر آئے  
محبوب نہیں آنا کس طور صبر آئے      لاچار اگن لا کر جیو جان کو جالا ہے  
لے شاہ مرے والی مرتا ہوں تاباں شہر      مجھ سار کے تجھ درپر کھنڈ ہی پر چیرے  
الفت میں تیری بریں ہتی ہیں مجھے گھیرے      پھر تھ سبیں گل لائے گر درپر بہالا ہے  
تم غوث جہاں کے ہو سکھ بخش تمہارا ہے      دکھیا ہوں پر امرا تجھ آگے پکارا ہے  
دیار دو اپنا تم ہجران نے مارا ہے۔      نوکر ہوں تیرے کا تیرا ہی سمبھالا ہے  
تجھ طرف برا دیکھوں شاید کرم ہووے      اس جیلے میں چھت جاؤں میں تیری سکھ پاوے  
دل ماتی میں کس آئے دیکھ کو سچ دھوے      دنیا کے تعلق سوں میں نہیں نکھالا ہے

میں کرتوں محمد ایسا قصہ عجائب میں      کس کس نے کیا اور کس اس بات غرائب میں  
 پیر اپنے سین تھکا کر دور فوائب کوں      جن پیر کی صوت میں یہ جگہ اچال ہے  
 (از میاں پروفیسر آذر)



## بدھ سنگھ

بدھ سنگھ کا زمانہ بارہویں قرن ہجری کے نصف ثانی سے تعلق رکھتا ہے  
 اس کی غزل ایسی بیاض سے نقل کی جاتی ہے جو ۱۸۱ھ سے قبل کی نوشتہ ہے  
 وہو ہذا

ڈھونڈا بہت سجن کو میں پایا نہیں ہنوز      مبارق شب تھ جو آیا نہیں ہنوز  
 از یک نگاہ تر بھی ہوا خاکسار دل      دامن اوس کے ہاتھ لگایا نہیں ہنوز  
 شمشیر چشم کھینچ ڈراتے ہو کیا سجن      سرکہ سنگسں آید دایا نہیں ہنوز  
 اس لف پچیدار کیا پیچ پیچ دل نہ      مار میں کون ہاتھ لگایا نہیں ہنوز  
 بدھ سنگھ نہ ہو تبیدل از اغراض زہد      گر ہے جواب صاف خط آیا نہیں ہنوز  
 بارہویں صدی کے ایک پنجابی سکھ سے اس سے بہتر نمونہ شاعری کی توقع  
 کرنا غالباً ہماری زیادتی ہوگی ۔



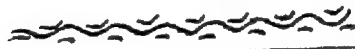
## خفیہ سگیم

ایک دلچسپ پہلو اس عہد کا یہ ہے کہ غزلیں بھی اردو میں شاعری کرنے لگی ہیں۔ ان میں خفیہ سگیم خفیہ تخلص والدہ میر صاحبائیں۔ ذیل کی غزل انہیں کی یادگار ہے۔

اتنا سخن ہے دل میں سمائی ہو جا دیگی      جہاں منہ سے بات نکلتی پرائی ہو جا دیگی  
اب پھول سے جدا نہ کرو عندلیب کوں      فصل خزاں میں آپ جدائی ہو جا دیگی  
اس آرسی سے دور کرو زنگ کینہ کا      تب تو دلوں میں آکے صفائی ہو جا دیگی  
یا تو فغاں کی گئی مری کوچہ ام سے اثر      یا آہ میری تیر ہوئی ہو جا دیگی  
میرے بلانے سے ترا کوچہ گھٹ نہ جا دیگا      پر عاشقان میں میری ہدائی ہو جا دیگی  
میرا خیال لوگوں نے پکڑا ہے آکے کیوں      ناحق کسی سوں میری لڑائی ہو جا دیگی

اس دعویٰ میں تو خفیہ خدا کوں کھوئی ہیں

اس کی طرف تو ساری قدائی ہو جا دیگی۔



لے ایک دن سودا کے ہاں میر سوز تشریف لائے۔ ان دنوں شیخ علی حزیں کی ایک غزل کا چرچا تھا  
جرک مطیع ہے یہ میگ فتم بجاناں سر پہ گاہے ۛ اوہم از لطف نہان اشت نگاہے گاہے  
میر سوز مرحوم نے اپنا مطیع پڑھا ۛ نہیں سمجھے ہے مرے دل کی اپاہے گاہے ۛ  
لے فلک بہر خدا خست آہے گاہے ۛ مرزا سن کر بولے کہ میر صاحب سچپن میں تاپے  
ان پشور کی ڈومیاں آیا کرتی تھیں یا تو جب یہ لفظ سنا تھا۔ یا آج سنا ہے۔ میر سوز پچلے  
ہنس کر چپکے ہو رہے ۛ (آبجیات)

## میر صابر

میر صابر نے اس کا جواب دیا ۛ

کب جانتے تھے تو جھمیں جہرائی ہو جاوے گی غم کی منادی دودھ کی دواٹی ہو جاوے گی  
ہونے دے مجھ کو اپنا تصدق اب ایک بار کوچھ اس حق میں پیارے تیری بھلائی ہو جاوے گی  
گر سنیہ صاف ہو کھلے بنداں گلے گلو اتنے میں ل کی کامردائی ہو جاوے گی  
ابرو کی چین دور کر آخر سنو گے تم یہ ترشی ایک روز مٹھائی ہو جاوے گی  
دیکھو نگاہ تیروں آئے اگر رقیب ادس بیچیا کو چشم منائی ہو جاوے گی  
صابر یہ بات جس نے کہی آفریں اوسے جہاں منسی بات نکسی پرانی ہو جاوے گی

محسن نے بھی اسی عدد کا معلوم ہوتا ہے ۛ

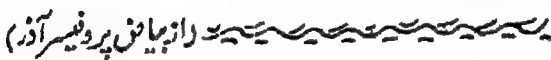
بات پر خوف تھکا لگا ہر گنا راہ میں چور کا دبا ہر گنا رہن اندھاروں دغا ہر گنا  
یہ تجھے سودنا خطا ہر گنا جاگیو جاگنا بھلا ہر گنا  
جاگے پر نہیں پڑے کوئی چور جاگے پر نہیں کرے کوئی ڈو جاگنے کا نفع جو ہر گنا زور  
جاگنا خوش ہے خصوصاً بموہ جاگیو جاگنا بھلا ہر گنا  
اے بتاؤ تو مجھے نہیں سونا سودنا پونجی لافہ سوں گھوٹا پونجی پھر تار لافہ میں ہونا  
بینچ اس سرا میں نہیں سونا جاگیو جاگنا بھلا ہر گنا  
اے مسافر تجھے ہی جانا دور ماندہ ہو کر تھکا ہیں چکنا چو اس سرا میں توں نہ ہو مغرور  
نیند کے لافہ مارے گئی ہیں سو جاگیو جاگنا بھلا ہر گنا  
کون اس بٹانوں میں ڈھکیرا ڈانگہ ہے باغہ مول نہیں صبرا باہر و پر نہ بھول وہ لہیرا  
ماہر و نہوت اپنا گھیرا جاگیو جاگنا بھلا ہر گنا

تیں جو کوجہ کرنا ہے سو کئے آج پھر نہ لڑے گا تیرا راج اولٹ مایں گے تیرے سوس تاج  
اس وقت کیا ہو گی تیرا لاج جاگیو جاگنا بھلا ہیگا  
کوچھ سمجھ بوجھ لے میرے ناداں اپنی غفلت سوسوں توں نہ شاد رات کوں سنتا ہیں تو اپنے کان  
دمدم بولتے ہیں شتی بان جاگیو جاگنا بھلا ہیگا  
ساتھ تیرے ہیں فرشتے دو نیک بد کرتا ہیں سو لکھیں او قبر میں پوچھوں گے فرشتے دو  
اس وقت کیا جواب دیگا او جاگیو جاگنا بھلا ہیگا



رحمن

اگر مجھ باغ میں دیکھے تو ببل درجمن رہے میرے علم کی آگن سن کر سوڑ دھکی آگن لینے  
جینو پن کر گل میں کر دوں پھرت پرستی میں مرانا بت کفر دیکھ کر یکایک برہمن رہنے  
اگر غبنوں کی تربت پر گزر جاؤں یوانہ ہو جو میرے حال کو دیکھے تو جنون رکھن رہنے  
اگر جن کہیں ایک سن سخن خوبی نزاکت سوا  
عجب کیا غزل سن کر مگر سارا دکن رہے



یہ سب سے پہلے (ازہماض پر و فیہم آذر)



## نعمت اللہ

جن ل میں ہے غم یاد کا عشر کے تیل کہ کیا کرے      چوتشہ لب دیدار کا شر کے تیل کہ کیا کرے  
جو عشق کی آتش میں جل طالب ہو یا دیدار کا      دوزخ میں وہ ڈرتا نہیں جن کے تیل کہ کیا کرے  
جو عشق کے بازار میں بدنام اور رسوا ہو یا      طالب نہیں وہ نام کا عز کے تیل کہ کیا کرے  
اسبان نیاز کر جو بے سرو ساماں ہو یا      حاجت اوسے کیا مال کی دل کے تیل کہ کیا کرے  
لقمان افلاطون جیسے دنیا سیتی جاتے ہے      دار و نہیں کو چہ موت کا حکم کے تیل کہ کیا کرے

جب عشق خواباں انا دل ہے نعمت اللہ کر نصیب

تقدیر بھیرے کس طرح قسم کے تیل کہ کیا کرے

(از بیاض پروفسر آذر)

بارہویں قرن کا برع آخر پنجاب میں بے شمار شعرا دیکھتا ہے۔ جو کثرت کے ساتھ اردو میں شاعری کرتے ہیں۔ زبان صاف ہو جاتی ہے۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ ان کے کلام میں اور ہندوستانیوں کے کلام میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس عہد کے شعرا میں ان لوگوں کا شمار ہونا چاہئے۔ نامدار خاں دت محمد غوث بٹالوی۔ دلشاد پسروری (پسروری) خوش دل۔ قدوسی۔ شاہ مراد رام کشن وارث شاہ وغیرہ لیکن سب سے پیشتر بعض ایسی نظموں کا ذکر کیا جاتا ہے جو سکھوں کی تاریخ سے گہرا تعلق رکھتی ہیں۔ اور ان کی تاریخ تصنیف ہم کو معلوم ہے۔



## نامدار خاندان

رنجیت سنگھ کا دادا چڑت سنگھ سکر چکیا مثل کا بانی ہے۔ جو امیر سنگھ کی بیٹی سے شادی کر کے بُست طاقتور ہو گیا۔ ابتدا میں اُس نے ایمن آباد کے مغل فوجدار کو قتل کر کے شہر کو لوٹ لیا۔ ۱۷۷۷ء میں اس نے گوجرانوالہ میں ایک قلعہ تعمیر کیا۔ جس پر حاکم لاہور نے اس کی برہمتی طاقت کو پست کرنے کے لئے اس پر چڑائی کی۔ لیکن چڑت سنگھ اور اس کے اتحادی جان توڑ کر لڑے اور حاکم کو شکست دی۔ اس فتح نے چڑت سنگھ کے حوصلوں کو اور بھی بلند کر دیا۔ ۱۷۶۲ء میں احمد شاہ کے ہندوستان آنے پر چڑت سنگھ نے اپنے اہل و عیال کو جموں بھیج دیا۔ اور آپ افغانی فوجوں کے دائیں بائیں لگا رہا۔ احمد شاہ کی واپسی سے دت موہیال برہمنوں کی ایک شاخ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بھار دو راج رشی کا لڑکا داتے تفرقا اور اپنی محنت اور زور و زب سے ک کرکھنا چاہتا تھا۔ جب فلاس سے مجبور ہوا تو اُس نے سپہ گری سیکھی اور اس فن میں ماہر ہو گیا۔ اس کا نام درون اچاریج تھا۔ یہی بعد میں کورہوں اور پانڈوروں کا تابع مقرر ہوا اور مہاراجت کی جناب میں سپہ سالار تھا۔ درون اچاریج کی اولاد نے بہرگیکو اپنا پیشہ بنالیا۔ چنانچہ دت بھی اسی کی اولاد میں محسوب ہے۔ یہ لوگ بہادی اور سخاوت میں مشہور ہیں اور خیرات لینے کے بجائے خیرات دیتے ہیں۔ چنانچہ دت محلے دان کے پورے اللہ کے سعی فریغ کے سوتے۔ کئی دت حسینی کہاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی مدد پر دشمنوں سے لڑتے ہیں کہتے ہیں کہ مکہ عرب میں بھی ان کا راج تھا۔ رامب، جو عرب کے تخت پر بیٹھا دت تھا۔ بوسے ایسے واقعات کی بنا پر کہا جاتا ہے۔ دت سلطان آدھے ہند و آدھے سہمان (گلشن موہیالی ازگوری شکر) یہ ضلع مسٹر کتھیا لال ایم۔ اے نے ہم پہنچائی ہے۔

کے بعد چڑت سنگھ نے وزیر آباد کو لوٹ لیا۔ اور وہاں کے مغل فوجدار کو نکال کر  
 خود شہر پر قابض ہو گیا۔ اس کے بعد احمد آباد پر قبضہ کر لیا۔ روہتاس اس نے  
 نور الدین خاں بامیزئی سے چھین کر دہلی۔ چکوال۔ جلالپور۔ پٹنہ و ادھتاس پر قبضہ  
 کر لیا۔ صاحب خاں عامل پٹنہ و ادھتاس نے ہماری رقم سے کر اپنی جان بچائی ۱۱۸۸ھ  
 کے قریب جموں کا راجا رنجیت دیو اپنے فرزند اور ولی عہد برج راج سے سخت ناراض  
 تھا۔ اور چاہتا تھا کہ برج راج دیو کے بجائے اپنے دوسرے فرزند دلیل سنگھ کو  
 ولی عہد بنا دے۔ برج راج دیو نے چڑت سنگھ کو اپنی امداد کے لئے بلایا چڑت  
 سنگھ حقیقت سنگھ اور بے سنگھ (کنہیشل) کے ساتھ مل کر ۱۱۸۸ھ میں ایک  
 بڑی فوج کے ساتھ جموں کی طرف روانہ ہوا۔ رنجیت دیو نے مقابلہ کے لئے  
 چمپہ، کانگرہ، نورپور، بسیر سے اور بھنگی مثل سے امداد منگوائی۔ ہستی ندی کے  
 قریب مقابلہ ہوا اور ایک غیر فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ جس میں اتفاق سے چڑت سنگھ اس کے  
 کسی ہمراہی کی بندوق کے پھٹنے سے ہلاک ہو جاتا ہے۔ اس وقت نامدار خاں  
 دت چڑت سنگھ کا مرثیہ لکھتا ہے :-

انوس ہے ہماں کے ثبات اور قرار پر اس باغ بے وفا کی خزاں اور ہمار پر

اس پیر زال عروس نمائے نگار پر دودن کی زندگانی بے اعتبار پر

دلہستی نہ کردم بے اعتبار پر

حوال چڑت سنگھ کا لکھنا ہوں فی الش پھونچا جہاں کا حکم قضا میں دم اجل

ایا دلایت اپنی سے لیکر اجوم دل فرست نہ دی قضا نے چلا اجل میں ایکٹ

ایا اجیل کا شیر ہرن کے شکار پر

ایا اجوم فوج سیتی کر کے اضطراب جہوں صمیم حلال سوں چڑتا ہاں آفتاب

ملہ تاریخ پنجاب (انگریزی) از سید محمد لطیف

تنہا اپنی فوج سوار جنگ پر تائب ہنگامہ ہجوم مخالف ذکر حساب  
یکبارگی دلیر چلا کارزار پر

دل ہوں غرور اپنی شجاعت کا دھڑلا گویا کہ خصمت اپنے رفیقوں کو کر چلا  
تقدیر کے حساب سبیتی گر چہ مر چلا لیکن خیال مرگ سبیتی بیخیر چلا  
پوچھا نہ کچھ جو کھیل ہے زم کے شمار پر

جب ہر سوں کو پٹ ہنگامہ جلتی تھی بے شمار آیا اسی طرف سے صدا کرتا مار مار  
تھی ہاتھ میں تفنگ لایت کی برقی وار کر جاگتی کوں چاک پیالہ پڑی شرار  
کند سے سوں کی جلد گئی سر کو مار کر

ادھر لگی تفنگ کی چمپر داغ میں جوں تند باد پون کا جھٹکا چر داغ میں  
تھا منظر ننگ اجل کا سراغ میں عالم کے دلوں داغ لگا اور داغ میں  
افسوس ایسے مرد کا مرنا دیا رہا

تیری قصا سوں چہرہ بند وقت تیز تھا ایک نخت دور کا سہ سر رہو رہ تھا  
ہر صدمے کو ج دم خیز خیز تھا وہودن نہ تھا جہان کو مگر مستخیر تھا  
عالم کے دلوں داغ لگا یادگار پر

دنیا میں چند روزن چمپہ زندگی مراد اس مرد کو بخوبی ونیسی کر گئے یاد  
دنیا میں نیک نام تھا عقبی میں و کشاد لکھتا ہوں مجھ اس کی تاسف کا یاد  
تقریبات فرعن تھی یہ ناماد پر

(از بیان پروفسر آذر)

یہ نظم اس کی معاصر نظموں سے خود پٹی اور لکھنؤ میں ان ایام میں لکھی جا رہی  
تھیں۔ زبان کے لحاظ سے کم نہیں ہے۔ بیان حقیقت اور جذبات کی ادائیگی  
میں انتہا درجہ کی سادگی سے کام لیا گیا ہے۔ اور زبانغہ نام کو بھی نہیں واقعات

ایسے پیرایہ میں ادا ہوئے ہیں جو بالکل قدرتی اور فطرتی ہیں۔ ذرا مصرع "جوں  
صحیح جلال سوں چڑھتا ہے آفتاب" پر غور کرو۔ بعض الفاظ ایسے ہیں جن سے  
مصنف کے پنجابی ہونے کا سراغ چلتا ہے۔ مثلاً جھنکا بجائے جھونکا چپڑ  
بجئے ربڑہ وکریج ۛ

تاریخ کے برخلاف نامدار خاں کا بیان ہے کہ یہ خود چرت سنگھ کی ہندو  
تھی جو پھٹی۔ اور خود چرت سنگھ کے ہاتھ میں پھٹی۔ یعنی کوئی جنگاری جاگتی سے  
اڑ کر ہندو کی پیالی میں دنیل کے استعمال سے پہلے اس کی بجائے ہندو  
کی نال میں ایک سوراخ ہوا کرتا تھا جس سے بارود کا تعلق باہر سے کوٹھی کے  
ساتھ ہوا کرتا تھا۔ یہ سوراخ جو باہر کی طرف سے پیالی کی شکل کا ہوتا تھا پیالی  
کھلاتا تھا۔ جاگتی یعنی بتی کے ذریعہ سے پیالی کی بارود آگ لیتی تھی۔ اور کوٹھی  
کے بارود کو مشتعل کر دیتی تھی جس سے ہندو چلتی تھی ( اتفاقاً گر گئی۔  
چرت سنگھ نے ہندو بھینک دی۔ اور اس کی بعض کرچیں اچھل کر اس کے  
سر میں لگیں جس سے اس کا سر پاش پاش ہو گیا۔ ہمیں اس بیان کو چرت سنگھ  
کے وفات کے سلسلہ میں زیادہ صحیح تسلیم کرنا چاہئے ۛ

~~~~~

## محمد غوث بٹالوی

سکھوں کی کنیہہ مثل کا بانی جے سنگھ ہے۔ یہ موضع کانھ کا جولاہور سے پندرہ میل جنوب میں واقع ہے باشندہ تھا۔ ۱۷۶۳ء میں احمد شاہ ابدالی کی پنجاب سے واپسی کے بعد جے سنگھ نے قصور پر حملہ کیا اور ایک ماہ کے محاصرہ کے بعد اسے قابض ہو گیا۔ جے سنگھ سرہند کی اس جنگ میں بھی شامل تھا جس میں بیٹیاں مارا جاتا ہے۔ اس کے بعد جے سنگھ ایزد بخش رئیس گھڑوٹہ کو ایک سخت جنگ کے بعد اپنا مطیع کر لیتا ہے۔ نور پور، دتار پور اور سیپہ کے رؤسا اس کے باجگزار بن جاتے ہیں۔ مکہ یہ کو بہت جلد تسخیر کر لیتا ہے۔ بعد میں سنسار چند والی کٹوج کی امداد کیلئے جو کانگرہ کا دعویدار تھا روانہ ہوتا ہے اور فتح کر کے خود قابض ہو جاتا ہے۔ قصور پر سخت جنگ کے بعد دوبارہ قابض ہوتا ہے، مگر نظام الدین خاں پھر اس پر قبضہ کر لیتا ہے۔ بٹالہ اور کلاں پور پر رام گڑھیا مثل والوں کا قبضہ تھا۔ جے سنگھ نے جتنا سنگھ رام گڑھیا کو سنبھال کر ان مقامات پر بھی قبضہ کر لیا۔ لیکن جے سنگھ نے مسلمانان بٹالہ کو سخت ایڑتیں پہنچائیں۔ شرفا کو لوٹ لیا اور ان کے مکانات جلا دئے۔ حضرت شیخ غلام غوث بٹالوی (متوفی ۱۱۹۹ھ) کو جو حضرت شیخ غلام قادر کے فرزند اور جانشین تھے قید کر دیا اور ان کا اثاثہ البیت تک لوٹ لیا۔ اسی سلسلہ میں ان کا بے نظیر کتب خانہ لوٹ لیا گیا۔ مصنف تذکرۃ الابرار اس کے متعلق لکھتا ہے :-

تا آنکہ قدم در میدان وقاحت گذاشتہ دست نعدی بر اماکن مسکن

آنحضرت دراز کردہ متاع و ہستیاد مواد و اسباب لزومی و جمیع اثاثات  
 البیت بغارت بردہ و مخصوصاً جواہر نایاب کتب کہ از نوادر روزگار و عجایب  
 عالم بردہ و دہر و چندین مساعی جمیلہ و انواع ترددات جمع آمدہ شب  
 روز در مدرسہ شریفہ مستعمل طلاب بود بدست آنچنان جہال افتاد کہ  
 کتاب را از کباب و اسباب را از اسباب فرق نمی کردند ۔

۱۹۸۳ھ میں سنسار چند والی کٹوچ جیسا سنگھ رام گڑھیہ اور ہما سنگھ  
 پسر چڑت سنگھ نے باتفاق ہمدیگر جے سنگھ پر چڑھائی کی اور موضع اچل  
 کے پاس بٹالہ سے آٹھ میل کے فاصلہ فریقین میں جنگ ہوئی۔ جے سنگھ  
 کی فوجیں اس کے فرزند گور بخش کے زیر کمان تھیں۔ گور بخش بڑی بہادری  
 سے لڑا۔ لیکن موت کا کیا علاج۔ قضا و کار ایک نیر اس کے سینہ پر اگر لگا  
 جس نے عین میدان جنگ میں اس کا کام تمام کر دیا۔ سپہ سالار کی موت نے  
 جنگ کا فیصلہ کر دیا اور جے سنگھ کو شکست لگئی۔ بوڑھا جے سنگھ اپنے نوجوان  
 اکلوتے بیٹے کی وفات دیکھ کر بالکل بد دل ہو گیا۔ اس نے تیر و ترکش بھینک  
 دئے۔ گھوڑے سے اترا اور زار و قطار روتا ہوا دشمن کی گولیوں کی زد میں  
 جا کھڑا ہوا۔ غنیم اس بد بڑھے جنگ آزما کی نوہ و شیون سے بے حد متاثر ہوا  
 اور کسی نے اس پر حملہ نہیں کیا ۔

گور بخش سنگھ کی وفات کے موقع پر بٹالہ کا ایک شاعر محمد غوث جو بٹالہ  
 کی کچہری میں گور بخش سنگھ کی فوجداری میں ملازم تھا۔ اس کا مرثیہ لکھتا ہے  
 مرثیہ چونکہ دراز ہے۔ اس لئے یہاں صرف چند اشعار پر قناعت کی جاتی ہے ۔

ہمارا اندر آیا تھا باغِ جہاں      قضا سوں پڑی جھول بادخزاں  
 گرا آہ پاؤں سے سرواں      پڑا ہر طرف میں یہ شور و فغاں

کدھر ہے وہ گور بخش سنگھ پہلواں  
 کدھر موتیاں والہ ہے نوجواں ۛ  
 ہو یا ہے یہ ماتم سوں غم بے شمار  
 جگت اس مصیبت سوں ہے بے قرار  
 سر اپنے پر غم سوں اٹھا خاک ڈار  
 تاسف سوں کہتے ہیں سب شہدار  
 کدھر ہے وہ گور بخش سنگھ پہلواں  
 کدھر موتیاں والہ ہے نوجواں  
 بری ساعت اندر کیا اس نے جنگ  
 ہو یا قافیہ زندگانی کا تنگ  
 چھوٹی غریبے گولے تانے لگ ۛ  
 لگی پہلو پر آچو تیر غمگ ۛ  
 کدھر ہے وہ گور بخش سنگھ پہلواں  
 کدھر موتیاں والہ ہے نوجواں  
 کیا اس قدر دن میں جا کار دار  
 کہ دشمن ہو یا بھاگنے کو تیار  
 بحکم قضا کار پروردگار  
 یہ حکمت ہو یا پڑ گئی یہ پکار ۛ  
 کدھر ہے وہ گور بخش سنگھ پہلواں  
 کدھر موتیاں والہ ہے نوجواں  
 ہو یا گل ہے جو سنگھ جی کا چراغ  
 خزاں اندر آیا جو انیکا باغ ۛ  
 مٹایا گور نے خوشی کا چراغ  
 چارمون لگیا غم کا ہر یک کونراغ  
 کدھر ہے وہ گور بخش سنگھ پہلواں  
 کدھر موتیاں والہ ہے نوجواں  
 پڑا شور ماتم کا ہر شو بسو  
 نہ جیتا رکھا سنگھ کو سست گرد  
 نہ پوری ہوئی اس کی کچھ آرزو  
 کدھر ہے وہ گور بخش سنگھ پہلواں  
 کدھر موتیاں والہ ہے نوجواں  
 ہو یا درد سوں چاند سورج سیاہ  
 سیاہ پوش بیٹھے ہیں فوج و سپاہ  
 رہا ہے خداوند کی واہ واہ  
 پڑے لوگ روتے ہیں سب درد خواہ  
 کدھر ہے وہ گور بخش سنگھ پہلواں  
 کدھر موتیاں والہ ہے نوجواں  
 لکھا ہے نوشتہ مومن یہ ابتدا  
 کہاں رہ سکے ہے قصائے خدا  
 سب نفوس اندر ہے شاہ و گدا  
 ستم یہ ہو یا ہے تہایت یاراء



کدھر ہے وہ گور بخش سنگھ پہلوں      کدھر موتیاں والا ہے نوجواں ؟  
 رہا یوتی سب ملک کا بندوبست      اجل نے دہی ہار آئی شکست  
 لکھا تھا خدا نے یہ روز الست      کرا فوس بے سنگھ لٹا ہے دست  
 کدھر ہے وہ گور بخش سنگھ پہلوں      کدھر موتیاں والا ہے نوجواں  
 دلا درجواں مزدہ شیر زن      چکھا کوں اٹھا جانا یا وطن  
 جوانی کے جین کا تھا وہ رتن      پنھوڑا اجل نے کئے سو جتن  
 کدھر ہے وہ گور بخش سنگھ پہلوں      کدھر موتیاں والا ہے نوجواں  
 خزینے دینے پڑے ہی رہے      دوشالا اور لاپچی دھرے ہی رہے  
 طویلہ میں گھوڑے کھڑے ہی رہے      شتر بار زر کے گرے ہی رہے  
 کدھر ہے وہ گور بخش سنگھ پہلوں      کدھر موتیاں والا ہے نوجواں  
 یہ کیسا ہویا ہے ستم سخت آہ      بٹار کے مرسوں گیا پادشاہ  
 اسی درد سوں رات دن ہے سیاہ      نرکار ست گور کئے اپنی چاہ

کدھر ہے وہ گور بخش سنگھ پہلوں

کدھر موتیاں والا ہے نوجواں

داذ میاض پر ونیسر آذر

اس نظم کو بھی گور بخش سنگھ کے واقعوں و فوات کے متعلق موجودہ تاریخ  
 سے اختلاف ہے۔ یعنی بقول محمد غوث وہ گولی سے مارا جاتا ہے جو اس کے  
 پہلو میں لگتی ہے۔ تاریخ کا بیان ہے کہ اس کے سینہ پر تیر لگا تھا۔ یں غوث  
 سکے بیان کو ترجیح دوں گا۔ کیونکہ یہ مرثیہ گور بخش سنگھ کی وفات کے عین بعد  
 لکھا گیا ہے۔

غزل آئندہ بھی محمد غوث کی ملک ہے

گر میرے یار کوں خدا لیا دے      تا تو ان شکرت حق بجا لیا دے  
 دل تر فدا ہے میرا اس کے سوا      قاصد اُس کوں ثناب جا لیا دے  
 اپنے آنے سوں گر کرے کچھ عذر      دستخط اُس کا پھر دکھا لیا دے  
 گردہ آزدہ ہوئے مجھ سیتی      کر کے منت او سے متا لیا دے  
 ایسا ہوئے جو کوئی عجکوں بھی      پاس دلبر کے جا ملا لیا دے  
 یا سجن میرے کوں بہر عنوان      جس طرح جانے وہ رجھا لیا دے

ہو رہاں میں غلام غوث اوس کا

جو کوئی یار کوں بلا لیا دے

~~~~~

## دل محمد دلشاد پسروری

اُردو کے علاوہ فارسی کے زبردست شاعر ہیں۔ پورا منصف دوم قرن  
دوازدہم ان کا زمانہ ہے۔ نام دل محمد ہے۔ چنانچہ دیوان ۷  
دل محمد بدھتر نام کنی گراؤ لطف شاد کام بنام دلشاد سر پرآم دل محمد خوش از تو بادا  
دیگر ۷

شاد آن کہ دل محمد ہمیشہ دلشاد از آن تخلص ماست  
پرسرور (پرسرام پور) جس کو آج کل پرسرور کہا جاتا ہے وطن ہے لدیوان  
اس عقیدہ کی کافی تائید کرتا ہے چنانچہ ۷  
خوش آنوطن بکلاوت ملاحات آباداں ست چنان غیث شہادت نظیر ہر دو جہاں ست  
اگر تو ذائقہ آب پرسرور چشتی ملاقت بدرون علاؤتش پنہاں ست  
ولایتے نمکیں اندرون بروں شیریں عجب مدار کہ شہر عجائب الیڈاں ست  
یکے دروست عجب تال آب شش پہلو بخش جہات یہ پنجاب گو کہ ثانی آں ست  
دلیل شادی دلشاد نام این شہر است کہ پرسرور طب بخش عالم دل و جان ست  
تعلیم کے لحاظ سے جہاں لاکھ وہ مدعی ہیں۔ اس شعر میں درج ہیں ۷

از علم و شعر و تباہ فقہ و سلوک و اخلاق

دارد تمام بیکن دلشاد زر ندارد

یعنی فقہ تصوف اخلاق تباہ اور شعر میں ماہر تھے۔

دلشاد ایک ایسے دور انقلاب میں گزرے ہیں جو پنجاب کی تباہ کا  
تاریک ترین ورق ہے۔ مغلیہ سلطنت اپنے تنزل کے آخری مراحل طے کر رہی

ہے۔ نادر کے بعد احمد شاہ ابدالی نے اپنے مشہور حملے شروع کر دیے ہیں۔ اور  
 سکھ جماعت غارت و رہزنی میں مصروف ہے۔ قتل و خونریزی کا بازار چار سو  
 گرم ہے۔ علم و فضل کا چرچا چھوٹ گیا ہے۔ جہالت اور تاریکی ملک پر چھائی ہوئی  
 ہے۔ پنجاب کے اس دورِ ظلمت کے ساتھ ساتھ دلشاد کی شاعری کا زمانہ بھی  
 متوازی کا مرنے ہے۔ دوسرے الفاظ میں بارہویں صدی کے نصف دوم کے  
 تمام واقعات ان کی آنکھوں کے سامنے ہوئے ہیں۔ اور ان واقعات عصری  
 کی جھلک ان کے کلام میں موجود ہے۔ کبھی وہ افغانوں کے ہاتھ سے نالاں  
 ہیں اور کبھی سکھوں کے مظالم پر لعنت بھیج رہے ہیں۔ مصیبت اور بد حالی میں  
 قاعدہ ہے کہ انسان کو خدا بہت یاد آتا ہے۔ مذہب سے قریبی لگاؤ پیدا  
 ہو جاتا ہے۔ اولیاء اور مشائخ سے کو لگائی جاتی ہے۔ یہی کیفیت دلشاد کے  
 قلب کی ہے۔ کبھی رسولِ عربی کی خدمت میں اپنی فریاد لیجاتے ہیں حضرت  
 علیؓ سے استغاثہ کرتے ہیں۔ کبھی ہمدی آخر الزمان کو بلاتے ہیں کبھی حضرت  
 عیسیٰؑ کو پکارتے ہیں۔ اور کبھی غوث الاعظم سے ملتی ہیں مثلاً کہتے ہیں ۔

غم ہجوم آورد مارا یا رسول اللہ اغث

درخین وقتے خدا را یا رسول اللہ اغث

دیگر

غلو کردہ سکان شیر حق کجا رفتی ؟ پہنچے از سر پر شور شاں دمار بر آر ؟

زمندیان سحر ملک ما بشام رسید تو از نیام بہ پنجاب ذوالفقار بر آر

دیگر

ام ہمدی آخر زماں بیا وقت ست ندانم از تو شور کے ظہور یا قسمت

دیگر

بفرست حمد پے خویش تا کفر را نشانند از ہر گز شست اکنوں میعاد یا محمد  
دیگر ۷

دیں را چو محی دینت احیا کند بہ پنجاب لاں عیسیٰ زباں را ارشاد یا محمد  
دیگر ۷

غم شد دو چار من و گریبا غوث اعظم الغیاث . نون میر و دزیر چشم ترا غوث اعظم الغیاث  
اس صدی میں غوث الاعظم کی ایک غیر معمولی مقبولیت کا راز پنجاب کے ان  
سیاسی اثرات کے پرتو میں مفہوم ہو سکتا ہے جن کے تاریک بادل اس ملک  
کی فضا کو گھیرے ہوئے تھے۔ اس سے پیشتر متعدد نظمیں ایسی نقل ہو چکی ہیں  
جو بالخصوص غوث الاعظم کی شان میں ہیں۔ جب ہم دلشاد کی آواز فرمادے اس طرح  
بلند ہوتی دیکھتے ہیں تو قیاس کر سکتے ہیں کہ پنجاب پر ان ایام میں کیا قیامت  
گذرتی ہوگی۔ مذہباً اگرچہ سنت جماعت ہیں۔ لیکن حب علیؑ سے بھی غافل نہیں  
ہیں۔ محرم میں وہ ماتم حسین زندہ کرتے ہیں۔ ان کی کئی نظمیں شاہد ہیں پختن  
پاک سے بھی عقیدت ہے ۷

ذکر پنج تن داریم ورد پنج وقت در خمس گوئی لمے دلشاد ناچاریم ما  
دیگر ۷

بہجو دلشاد از دلائے پنج تن ۶ دلائے اقلیم پنجابیم ما  
پنجاب اور پنج تن کی رعایت میں کئی اشعار لکھے ہیں۔ لیکن یہ شعر نہایت عجیب  
ہے ۷

پنجابے کہ نیست درو جب پنج تن پنجابیت غیر بد زمیست زیں دیار  
اپنے وطن سے بے حد محبت کرتے ہیں۔ ذیل کے ابیات ملاحظہ ہوں  
ان سے کس قدر محبت ٹپک رہی ہے۔ امام برخوردار کے سید معتقد ہیں ۷

شہر پرورد میگویند کان علم و شعور میگویند اہل اختیار ہند تا بخش اول از لاہنور میگویند  
 شکافیاضے دو تالابش مردم و مرغ و مو میگویند حسن ہر خانہ اش ہی بیند شہر خور و قصو میگویند  
 تیغ مردنش یاد خواہاں مرزہ آب شور میگویند از مزار امام بخوردار طرفہ بزم حضور میگویند  
 خاک وادہ اش ہی بیند سرمہ کوه طور میگویند زین لایت کجایم لشد شہر طہیست در میگویند  
 تاریخی لحاظ سے دیکھتے ہوئے ان کے ہاں سب سے پہلی تلمیح دہلی کے قتل  
 عام کی طرف سے جو ۱۱۵۸ھ میں ہوتا ہے۔ کہتے ہیں ۵

قتل عام ست در جہاں آباد آخراں غمزدہ تو نادر نیست  
 دوسری تلمیح نواب بیکھی خاں اور قتل رائے حسدیت رائے دیوان لاہور کے متعلق  
 ہے ۵

در جہاں گہ ہمسر اسکندر و خاقان شود از شجاعت تابع نواب بیکھی خاں شود  
 گر مخالف ہیچو عکس آئینہ نواب را میشود شخصے مقابل صورت سیماں شود  
 انتقام قاتلاں رائے حسدیت رائے آید از تیغ تو در پنجاب گر عسریاں شود  
 ذکر یا خاں کی وفات پر کچھ عرصہ کے بعد بیکھی خاں ان کا خلف اکبر صوبہ دار  
 لاہور بنا دیا گیا۔ سکھوں کی ایک جماعت امین آباد کے مویشی پکڑ کر لے گئی۔  
 ان کی سزا دی کی گئی رائے حسدیت رائے دیوان لاہور بھیجے گئے۔ سکھوں نے  
 شاہی فوج کا مقابلہ کیا۔ اور دیوان حسدیت رائے معرکہ میں مارے گئے۔ صوبہ دار  
 بیکھی خاں کو اس پر طیش آیا۔ اور اس نے اپنے وزیر لکھپت رائے کو ایک بڑی  
 فوج کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لئے تعین کیا۔ وزیر نے سکھوں کو بڑی  
 تعداد میں قتل کیا۔ اور ایک ہزار کے قریب قیدی گرفتار کر کے لایا جو ۱۱۵۹ھ  
 میں لاہور میں قتل کئے گئے ۵

۱۱۶۲ھ میں میرمنو صوبہ دار لاہور چار محال (پسرور۔ گجرات۔ سیالکوٹ

اور اورنگ آباد) برصغیر معاہدہ احمد شاہ ابدالی کے حوالہ کر دیتا ہے اور شاہ ان  
 حال کا صوبہ دار بلند خاں سدھوٹی کو مقرر کرتا ہے۔ دلشاد اس بلند خاں کے  
 خیر مقدم میں لکھتے ہیں ۵

خیر و عالم بالاست قمریاں بچمن ۶      بلند خاں چوسہی سرو صوبہ دار رسید  
 زمین مقدم نواب منعم الدولہ      بہار را دگر آبے برصغیر رسید  
 ہزار شکر خدا کا آب رفتہ بوجاب      دگر زمین قد و دش بھو بیار رسید  
 نظام چار محال تو حق کند دلشاد      سحر بگوشش بشارت ز چار یار رسید  
 اس عمار کے قبل یا بعد رنجیت دیو والی جموں جو ۹۶ ۱۱۸۳۸ء میں تناؤن سال  
 راج کر کے فوت ہوتا ہے۔ پسرور پر قبضہ کر لیتا ہے۔ اس سلسلہ میں دلشاد کی  
 آمد و رفت جموں میں بھی ہو جاتی ہے۔ جموں میں ان ایام میں مسلمانوں پر سخت  
 مظالم توڑے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کو اذان لینے تک کی اجازت نہیں ہے  
 چنانچہ ۵

بسکہ منعت دیں شہر اذان جمعہ      کند گوش کسے ناک بیکاراں را  
 گریہ رانیست اثر و ردل راجہ جموں      سبزہ بر سنگ دید چہ گنہ باراں را  
 موذیاں کردہ ہجوم اے شہر دلہ فریاد      تیغ گجرات سرتیست دل آزاراں را

دیگر ۵

مردمانش نہ بس کہ سنگ دل اندر      جموں امر و ز سخت کسار است  
 جموں سے پسرور صرف چالیس میل انگریزی کے قریب ہے۔ رنجیت دیو احمد شاہ  
 ابدالی کا محکوم اور درامیوں کی فتح کشمیر کے وقت (۱۸۱۹ء) ان کا بڑا معاون  
 رہا ہے۔ رنجیت دیو نے دیوان نراین داس کو ظفر وال و دیگر علاقہ کا ناظم بنا کر  
 بھیجا ہے۔ راجہ کے حکم سے نیا بندوبست اور پیش ہو رہی تھی۔ دلشاد کی

معانی میں کچھ زمین ہے۔ ان سے چارم طلب کیا جاتا ہے۔ یہ عذر کرتے ہیں۔ اسی طرح رام داس نامی کسی شخص کی دھرم سالہ ضبط کر لی گئی تھی۔ اس سلسلہ میں دلشاد تر این داس کی خدمت میں ایک غزل بھیجتے ہیں۔

لے مبارک خال دیوان تر این داس ما      جز بہ لطف تو دیریں دوراں کہ دارد ہاں ما  
 این ظفر وال از قدم فیضت امن آباد گشت      قلعه دارالاماں شد منکر و منہاس ما  
 می نماید رخ چھوہ از حسن اقبالست چو خور      یارب آباداں محل عیش و استیاس ما  
 چوں رہا کرے کہ متاعاں نامہوں قدم      بر زمین باشد نہاں از میسری مساس ما  
 ضابطات در پے ضبط نفیراں تا تختند      ضبط کردہ دھرم سال ذکیہ رام داس ما  
 در تقاضے چارم ہائے این قصاب کار      وضع میخوہند پائے چار میں از داس ما  
 آخراں بے رمی شاں تا کجا خواہ رسید      کلک اینہار شدہ دیا تیشہ و یاد اس ما  
 بخشش آیدہ را در منزلت فے گفتہ اند      قے گرفتہ ناشود کار سگ کٹاس ما  
 عاقبت دولت سر لے راجہ رنجیت دیو      خانہ آباداں نمیکرد پیر از افلاس ما

چوں تو دانستے پذیرد گفتہ این ناکساں

لے رضا جوئے دل خاص و عوام الناس

معین الملک عرف میر منوچہ ۱۱۶۶-۱۱۷۱ھ میں احمد شاہ ابدالی سے شکست کھاتا ہے۔ اور اس کے دربار میں حاضر ہوتا ہے۔ احمد شاہ نہایت نپاک سے اس سے ملتا ہے۔ اور اس کی بہادری کی تعریف کرتا ہے۔ اور رستم مہند کا اس کو خطاب دیتا ہے۔ دلشاد اس موقع پر غزل ذیل لکھتے ہیں۔

معین دین پناہ دو در اں امام ملت مدار گیمان      چراغ شرع و فروغ ایمان نشاط امر و عیش فردا  
 ازاں رود فتح در کابش کہ رستم ہند خطایش      جہیں تادین سنجاک پایش مراد دنیا نجات عقبی  
 فلک یکے کثیر غلامش کہ پشت خم کرد در سلا مش      معین الدین غلام نجستہ نامش عقل پیر و بخت بڑا



منم کہ دیر پر سرور با شتم ز در گھٹ چند دور با شتم

ز حاضران حضور با شتم اگر ز لطف تو باشد ایما

معین الملک کی وفات کے بعد آدینہ بیگ خاں پنجاب میں طاقتور ہو جاتا ہے۔ وہ خواجہ میرزا خاں کو حاکم لاہور بنا دیتا ہے۔ پیر سرور میں جب میرزا خاں آتا ہے شاعر یہ غزل پیش کرتا ہے ۛ

زیرم عیش تو خواب خواجہ مرزا خاں بکام کینہ درایام غیر خند مباد

بجام سے علم آدینہ رامبرل کن بسینہ تو غم زاہداں بلند مباد

معلوم ہوتا ہے کہ احمد شاہ ابدالی کی آمد کو ابتدا میں پنجابی نے بنظر استخساں دیکھا ہے۔ اسی لئے شاعر مختلف مقامات پر نعرے مسرت بلند کرتا ہے۔ اور اس کے جانے پر تاسف ۛ

باد نوروزی سحر در گمشن بستاں رسید مرثوہ آمد کہ اقبال شہ در راں رسید

ابر نیساں میرسد یا موسم باد ہزار یا یہ پنجاب اردو سے شاہ در در راں رسید

دیگر ۛ

لے پیران فقیراں شہ در در راں ۛ گز پنجاب رود آمدہ رفتن مدہید

دیگر ۛ

خیال سرو قدش گر ز دل در خواب برگردد فغانم از گلو افغان وش از نیلاب برگردد

خواہم رفت چون منق النفس شد در گلو آہم شہ افغان نیب استم از پنجاب برگردد

دیگر ۛ

خبر آمد کہ شہر پیشا در آمد سر آمد سرور آمد افسر آمد ۛ

گئے بشت مرگہ سینہ کفر ۛ شہ آمد صورت کروفر آمد

لیکن دل شاد کا یہ اظہار مسرت زیادہ دیر پا نہیں ہے تجربہ اور افغانیوں کے

سلوک نے انہیں سبق دیا کہ قصاب اور ثبانی میں بڑا فرق ہے۔ چنانچہ آخر میں  
 دلشاد کا نقطہ نظر بدل جاتا ہے۔ اور وہ افغانوں کے ہاتھ سے بھی درست  
 باغیاں ہیں۔ ان کی غزلوں میں متعدد مقامات پر یہ جذبات موجود ہیں۔  
 بخواب خوش چہ رود کس بکاک ہنوتل      بگوش ز آمد افغان رسد قفا نے چند  
 زلالہ بیچ نامہ است غیر داغ سیاہ      بباغ ہند ز اغماض باغبانے چند  
 دیگرے

دے شد کہ اشک افغان میت      شاہ در دران نمی آید  
 دیگرے

افغان کہ ہند آید دیگر دسر خود را      دلشاد ز آمد شدا و جلے قفاں بہت  
 لیکن دل شاد سب سے زیادہ سکھوں کے خلاف فریاد خواں ہیں قیوم ہرنی  
 اور لوٹ مار سے نبی۔ مدتوں قزاقی اور قطع الطریق ان کا پیشہ رہا۔ زوال مغل  
 اور احمد شاہ کے حملوں نے ان کو خرمج کا موقع دے دیا۔ آخر سکھوں نے  
 لاہور پر قبضہ کر لیا۔ دلشاد

فغان ز آمد وقت قشون ایدالی      بلا ہنور سک بے شعور یا قسمت  
 سکھوں کے قبضہ لاہور کی تاریخ ”جہان نے خراب شدہ“ ۱۸۱۷ء ہے۔ اور شعر  
 بالابین شاعر اسی واقعہ کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔  
 ایک اور غزل میں سکھوں کے لئے کہتا ہے

اکتی نطع ہستی کن سکان گرگ تا زان را      زلامقراض میگداں سرا میں مودرا زان را  
 تو ہم آب شدا ز آتش دود سیہ کاراں      بکن بیرون ز پنجاب این شرارتہ سازاں  
 جہاں در جنگل مردار خواراں سید آمد      خارا وندار میں ز اغاں رہا کن شاہبازاں  
 دیگرے سفید صحن چینی شیشہ پنجاب      ز مودرا ز سیاہاں قفا و موارا

پنجاب کی آنکھیں اس وقت بھی دہلی کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ عالمگیر ثانی کے بعد جب شاہ عالم ثانی جو بنگالہ میں ۱۷۵۷ء میں تخت نشین ہوتا ہے۔ دہلی پہنچتا ہے دلشاد پنجاب میں اس واقعہ کو یوں شہرت دیتے ہیں ۷۷  
دلشاد زپر دل خیر تازہ شنیدیم شاہنشاہ والا گھر آئے خبر ایمنست  
زین خاں سرہند کی جنگ میں ۱۷۶۲ء میں سکھوں کے ہاتھ سے مارا جاتا ہے  
جب پسرور میں آیا تو دلشاد کہتا ہے ۷۸

پڑمرو گان نشاط ز سر مرگ رفتہ اند ہنگام تو بہار بوقت خزاں رسید  
یعنی یہ پسرور ز فرخندگی بخت بازی بفرین زینت شان یوں خاں رسید  
احمد شاہ ابدالی ۱۷۷۱ء میں پنجیت دیو کی امداد سے کشمیر فتح کرتا ہے  
نور الدین خاں فاتح کشمیر اس کا پہلا صوبہ دار بنایا جاتا ہے۔ پھر ملتان خاں۔ پھر  
نور الدین خاں ۱۷۷۹ء میں خرم خاں والی مقرر ہوتا ہے۔ اور اواخر ۱۷۸۰ء  
میں نور الدین خاں تیسری بار صوبہ دار بناتا ہے۔ ۱۷۸۳ء میں خرم خاں دوبارہ  
صوبہ دار بنایا جاتا ہے۔ خرم خاں کی آمد پر دلشاد بعض دوستوں کی فرمائش  
پر ذیل کی غزل خان کے خیر مقدم میں لکھتا ہے ۷۹

حزقہ آمد کہ اقبل شبہ دوراں رسید رخ ماہ نور دوزی سحر در گلشن بتاں رسید  
ابر نیل میر سدا موسم باد بہار بابہ پنجاب اردو شای ڈوراں رسید  
چوں گل از باد صبا کشمیر بیاں خرم شوند بانٹان سبز و رنگیں فوج خرم خاں رسید  
دلشاد کی شاعری کی بعض ممتاز خصوصیتیں ہیں۔ وہ شعر گوئی اس لئے  
نہیں کرتا کہ اس کو ایک دیوان یا دگر چھوڑنا ہے۔ جیسا کہ اور شعرا نے کیا ہے  
بلکہ ضرورت اقتضای ماحول دوستوں کی فرمائش وغیرہ ایسے محرکات ہیں  
جن کے اثر میں وہ شعر لکھتا ہے۔ اس لئے اس کا دیوان اس عہد کے واقعات

کا اُمینہ بن گیا ہے۔ مجھ کو اس انداز کا شاعر سوائے اکبر الہ آبادی کے اور کوئی معلوم نہیں  
 دلشاد کے کلام پر سادگی غالب ہے، ساتھ ہی صنعت تجنیس و مراعات النظر  
 کی رعایت دیکھی جاتی ہے۔ وہ اکثر اپنی تشبیہ اور استعارے ملکی واقعات و دیگر  
 امور سے لیتا ہے۔ اس صنف میں وہ سب سے منفرد ہے۔ اور اس میں بھی شک  
 نہیں کہ اس صنف خاص نے اس کے کلام کو ایک زیور دیدیا ہے۔ مثلاً یہ شعر  
 ملاحظہ ہو ۷

گفتار تو بگرفت جہاں از لب میگوں با فوج فرنگی شہ والا گھر آمد  
 دیگر ۷

خیال سرودش گرد دل در خواب بر گردد فغانم از گلو افغان وش از نیلاب برگرد  
 دیگر ۷

درد میں پیوستہ تنم اشک می کاریم ما گر توئی نواب ما، آخر زمینداریم ما  
 اشک چشم خود بدست خود ہی سایم پاک صوئے پنجاب زیر آستین داریم ما  
 دیگر ۷

عالم از شیریں کلامیہا مسخر کردہ ایم درد را نیم از قندھار می آیم ما  
 دیگر ۷

دے شد کہ اشک و افغان نیست شاہ درد راں منے آید  
 دیگر ۷

قتل عام ست در جہاں آباد آخراں غم نہ تو نادر نیست  
 دیگر ۷

رسید فوج بفتح اشک چشم ما ہمہ جا جہاں گرفت قشوں درد راںی ما  
 ان میں ظرافت اور ہجو گوئی کے بھی اوصاف موجود ہیں لیکن ہجو بہت

کم لکھی ہے۔ کسی لادجی کو لکھا ہے ۛ  
 لمے بندہ میاں دو عدم زندگی تست  
 ہندرا کہ گویند ازاں نام تو لا لا

ان اشعار کو پڑھو ۛ

ہر قاسم کہ بہ پنجاب میں در زمان است      خاست بگفتن ندر و گردہ نان است  
 زاو لاد علی گوید دانشم      ہر کھو کہ ہند کہ در ذات عنوان است  
 از در و فر و شان کہ ہر پیشہ ہمارند      شیخ کہ یو دیکے زئی پیرمان است  
 پریشہ ہر شہر دو صد غول بیابان      از نوشیاں پشت زمیں پریشان است  
 در ہند ہر علی ہمہ ناک مشرب      ہر خانہ از مزکیاں صاحب قان است  
 سید کہ ہند آل بنی داند خود را      سبانیے اصحاب ہند خود ہر نان است  
 ہر لاد لیر کہ از دنام و نشان است      رچیوت ازاں گم شدہ در ہن نشان است  
 دلشاد کا قلم ان ہجویات کے باوجود لطیف سے لطیف اور نازک سے  
 نازک جزیات کے ادا کرنے کے قابل ہے۔ ملاحظہ ہوں یہ اشعار ۛ  
 پادشہ پر سیا یک شب ہندان خویش را      زن پس شو ہر چرا سوز در وان خویش را  
 در صحنہ شمع چوں پروا تھا کہ دند عرض      آن عشق ایر است و ساز عشق آن خویش را  
 گزما چوں شمع این پروا نگی منظومیت      خسرو از سوز دل افزو در وان خویش را  
 خسرواد عشق بازی کم ز ہند و دن مباش      کہ برائے مردہ سوز زندہ جان خویش را  
 بعض قرائین سے معلوم ہوتا ہے کہ دلشاد تیرہویں صدی کے آغاز  
 کے بعد بھی زندہ تھے۔ لیکن ہم ان کی تاریخ وفات سے بے خبر ہیں۔  
 اردو میں انہوں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ اور اس کو اپنی یادگار کا ذریعہ مانتے  
 ہیں۔ چنانچہ ۛ

گذاشتیم ہر گوش شعر ہندی خویش بیادگاری ماماندہ در کافی ماہ  
لیکن آج یہ ذخیرہ مفقود ہے۔ ممکن ہے کہ تلاش سے دستیاب ہو سکے  
میں یہاں ان کے اردو کلام کا نمونہ درج کرتا ہوں۔

دلبر ہے نوجوان بجانوں کر گیا کیا باغی ہے اُن کی آن بجانوں کر گیا کیا  
حافظ قداسے جوہریوں کی دکان کا یہ موتی اس کی کان بجانوں کر گیا کیا  
اس نعل ایسے آگے کئی دھڑکتے تھوڑے اب کھاکے آیا پان بجانوں کر گیا کیا  
شیشہ شراب کا زنگے ہاتھ مسرے کے یہ دل میرا ندان بجانوں کر گیا کیا  
غزموں تیر کر کش مرگاں کو سار کر ابرو کی لے کمان بجانوں کر گیا کیا  
خجھر گاہ چشم سیہوں کسٹا مار یہ ذات کا پٹھان بجانوں کر گیا کیا  
دل نشاد کی بھی لیتے خبر اپنے اسطے ایشوڑش فغان بجانوں کر گیا کیا  
سید محمد دلی اور نگ آبادی کی غزل کا مطلع ہے۔

پھر میری خبر لینے وہ صیاد نہ آیا شاید کہ میرا حال اسے یاد نہ آیا  
دلشاد لکھتا ہے۔

گزنے ہیں کئی دن پریناد نہ آیا شاید کہ میرا عدل سے یاد نہ آیا  
نئے خط نہ کتابت نہ خبر کچھ نہ سندیا پیغام ہمارا گیا برباد نہ آیا +  
اندام میں افسوس پھر کتے ہیں کہیں جاں جب ہم کوں پھنسا کر گیا صیاد نہ آیا  
اک نغم کا محتاج ترقیا بسمل پر مار کے شمشیر وہ جلا د نہ آیا  
اس فطری ہیں شیریں نقش بدلیوار جب تیشہ گیا مار کے فراد نہ آیا

کہتے ہیں سبھی جموں کے آپس میں پریر

کیا وجہ میاں ساتھ جو دلشاد نہ آیا

~~~~~

## وارث شاہ

حضرت وارث شاہ پنجابی کے بہترین شاعر مانے جاتے ہیں۔ میں مولوی محبوب علی صاحب ایڈیٹر پیسہ اخبار کی ایک مباحث سے ان کی ذیل کی غزل حوالہ قرطاس کرتا ہوں۔

|                                              |                                               |
|----------------------------------------------|-----------------------------------------------|
| چمن کے سا جن پھٹے ہیں تن کا دل سار ہوا       | ابکھن نہ کیا فکر دس گھر بار بھی بیزار ہوا     |
| دن اے تمام آرام تہیں ایشام پڑی وہ تہیں       | وہ اتنی صاحب جام نہیں اب پینا سے دشوار ہوا    |
| بنی جانی جان خراب ہی باتش شوق کباب ہی        | جوں ہی کج بکری کباب ہی نہت و دن تھ بیچار ہوا  |
| مجھے پی اپنے کو لیا دے یا عروسوں پی پہنچا کر | یا گن خزان بچھا دے سب تن من صل انگار ہوا      |
| جب پی پاؤں تب بھاگن ہیں ..... برگن ہیں       | اس پی اپنے کی لاگن ہوں یا گن مجھے لاچار ہوا   |
| اب پی کے دشمن جاوگی تب رنگھار بست ڈن گی      | ..... نام سداؤ نگی پی کے ساتھ اقرار ہوا       |
| نت راگن ہیکے گاتی ہوں یہ باب بانی ہوا        | مجھے شاہ کے جاتی ہوں میرا تن من ..... تار ہوا |
| تہ مجنوں کا ل ہوا تھا جب میلی کہہ کر دیا تھا | وہ یک دم سچ نسوا تھا اب لگ نیک تھا ہوا        |
| سو میں اب مجنوں پر دس بدین خواہی             | اوس پی اپنے کی یاد ہی اب میرا بھی اعتبار ہوا  |

جب وارث شاہ کہلا لیلے تب روح سو روح ملایا

تب سچ سہاگ سولایا نے جو جان مخزن اسرار ہوا

(از مباحث مملوک مولوی محبوب علی صاحب ایڈیٹر پیسہ اخبار)



لے کاتب نے نام کے ساتھ علیہ الرحمۃ اضافہ کر دیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ اس کی مراد مصنف

ہیہ در اینجا سے ہے +

## خوشدل

نام محمد ابراہیم ہے۔ اور لاہور کے مشہور اہل علم خاندان چشتی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے والد قاضی ضیاء الحق مع اپنے عم بزرگوار مولانا نظام الدین و برادر خور دیہاء الحق ایران سے ہندوستان آئے۔ اور لاہور میں متصل گرامی شاہو کوٹ اختیار کی۔ اور نواب خان بہادر نے اپنے فرزند سخی خاں کا اتالیق مقرر کر دیا۔ مولانا ابراہیم علم و فضل میں بچکانہ زمانہ تھے۔ لیکن لاہور میں سکھوں کے دخل کے وقت تمام جائداد سے بے دخل کر دیئے گئے۔ اور گھر لوٹ لیا گیا۔ ناچار ایک مسجد میں جو مطبع کوہ نور کے بالمقابل تھی۔ امامت کرنے لگے۔ اور معاشی اختیار کر لی۔ گو جرسنگھ نے دواؤ پو مبہ دردازہ لاہوری و دہلی پر ان کا مقرر کر دیا۔ مولوی نور احمد چشتی مصنف تحقیقات چشتی و یادگار چشتی و تحفہ چشتی و عجائبات چشتی مولوی محمد ابراہیم کے پر پوتے ہیں چشتی خاندان تقریباً دو صدی سے اپنے علم و فضل کے لئے مشہور چلا آ رہا ہے۔ رنجیت سنگھ کے عہد کا سب سے ضخیم روزنامہ جو میں بالئیں حلیہ دلوں میں ہے اسی خاندان کا کا نامہ ہے۔ اس خاندان میں دستور تھا کہ تخلص اکثر اوقات ہم قافیہ اختیار کئے ہیں۔ جو دل پر ختم ہوتے ہیں۔ مثلاً۔ پردل۔ خوشدل۔ بیدل۔ بکدل۔ مولانا خوشدل سلمہ میں انتقال کرتے ہیں۔ اور ”رنی اللہ عنہ“ ماوۃ تاریخ علیہ۔ اگرچہ تحقیقات چشتی میں ۱۱۹۵ھ اور حیات مشید میں ۱۲۱۶ھ یا ۱۲۲۰ھ دیا ہے۔

مولانا خوشدل کا نمونہ کلام ذیل میں پیش کیا جاتا ہے جس میں دنیا کو لے ہیں اس لہجہ کے لئے مسر مسعود علی چشتی کا جو خوشدل کی اولاد میں ہیں ممدون ہوں +



بڑھیا اور جسم انسانی کو چرہ نصور کیا گیا ہے۔ چرہ کی یہ نظم پنجاب میں بہت مقبول رہی ہے۔ وہ ہوندا ہے

عشق کے غم لیا ہو مخزون آہ دنیا سب مکر و فنون  
کدھر کی بڑھیا کدھر کا توں  
جوتوں چاہیے تاد رکوں اس عالم سوں ہو سر پہ  
چلے چٹھے چرخ چوں  
لے زنجیں دیوانہ ہو عالم سوں بیگانا ہو  
کدھر کی بڑھیا کدھر کا توں  
کیا دولت خواہی شتی مت کر اتنا شور و جہاں  
چلے چٹھے چرخ چوں  
تن چرکھا بودھیا سنسٹا میل کیا اس کا کنار  
کدھر کی بڑھیا کدھر کا توں  
آہ جیو میرا پھیا دیوانا دنیا ساتھ بھوتا بھٹانا  
کدھر کی بڑھیا کدھر کا توں  
کدھر گئے گویا ہیرام کدھر گئے صیاد دار دام  
چلے چٹھے چرخ چوں  
بیل گلزار فدا کا ہو قمری شمشاد فنا کا ہو  
کدھر کی بڑھیا کدھر کا توں  
پنتا نال نا پچھتا دا .....  
کدھر کی بڑھیا کدھر کا توں  
کدھر گئے تیرے یعقوب کدھر گئے یوسف محبوب  
چلے چٹھے چرخ چوں  
اے بیچارہ دوسا کہے جان مرغ اسیر فنا کہے  
نوں انبرت نام خدا کہے آخر عدم ہے دنیا دہاں

کدھری بودھیا کدھری کا توں      چلے چنے چرخ چوں  
 کہاں کندہ سلطان دارا کہاں شمع الشان      سب ملکوں ثانی جان چھوڑ کر وفتون  
 کدھری بودھیا کدھری کا توں      چلے چنے چرخ چوں  
 خودی کیر کچھ چھوڑ مت کرتا غوغاشو      جیسے چڑیا ہے کا دور ماتی ہوا ہونا کہوں  
 کدھری بودھیا کدھری کا توں      چلے چنے چرخ چوں  
 جو غفلت کے مٹاتے ہیں عصیاں نازنا توں      پھر روزِ چرا بھٹاتے ہیں حکم کھل میں منوں  
 کدھری بودھیا کدھری کا توں      چلے چنے چرخ چوں  
 ایہ نیلے سفر سرائے غافل ہوئے کدھ لگے      پوخی کھوئی چل پھٹے پھر نہیں آئے ہاتھ کہوں  
 کدھری بودھیا کدھری کا توں      چلے چنے چرخ چوں  
 جواہر نہ نہا ہوئے دل پتھر ایل ریا ہوئے      شرمندہ روزِ بزا ہوئے دوست ریا سے ہو بیروں  
 کدھری بودھیا کدھری کا توں      چلے چنے چرخ چوں  
 کہوں بیٹھیں عاری کہوں بچتے تال سواری      فکرِ معیشت گھر کی خواہی تس پر دیکھو غرار توں  
 کدھری بودھیا کدھری کا توں      چلے چنے چرخ چوں  
 خوشدل قسمت پرانے ہو ہنکار سوں کوں مانع ہو      بیندہ قدرت مانع ہو کس کو کیا مطلب کیوں  
 کدھری بودھیا کدھری کا توں  
 چلے چنے چرخ چوں

(از بیاض پر و نیسر آذر)



## فدوی لہوری

میرزا سودا ان کے حریف غالب ان کو بقال بچہ کہتے ہیں۔ فارسی دیرینہ میں  
 کامل تھے۔ ایران میں ایک عرصہ تک رہے ہیں۔ تجارت ذریعہ معاش تھا۔ احمد نگر  
 فرخ آباد میں ایک عطاری دکان پر مکان کر ایسے رکھا تھا۔ عطاری دکان پر اکثر  
 آبیٹھتے تھے۔ اور وہیں شعر کے چرچے ہتے تھے۔ فدوی نے سودا کے بعض  
 اشعار پر اعتراض کئے تھے۔ مثلاً ایک مقام پر سودا نے شیخ دہرہ من دونوں کے  
 کے لئے دین کا لفظ استعمال کیا تھا۔ فدوی نے اعتراض کیا کہ دہرہ شیخ کے  
 لئے اور دھرم پر پہنچنے کے لئے سودا نے جواب میں آیا کہ یہ ”لکھڑ دینکھڑ  
 دلی دین ط“ نقل کی۔ اسی طرح سودا کا ایک شعر کسی اور بحر میں حسب  
 ذیل تھا۔

تم نے جہاں دلکے بند تبا اپنے جان جا کے صبا نے باغ کھول دیئے گل کے کان  
 فدوی نے اصلاح دیکر اس طرح لکھا۔

کھول لئے ناز سے تم نے دچشم اپنے جان کھولے صبا نے یس غنچہ زر گس کے کان  
 اسی طرح شاگردوں کے بارہ میں جنگ ہوئی۔ جن میں شہید قابل ذکر ہیں۔ نوبت  
 باجودوں تک پہنچی۔ میرزا نے جس طرح میرزا ملک۔ فاخر کمین۔ میاں فوقی۔ شیخ  
 صنعت اللہ۔ ندرت کشمیری۔ مرزا علی دغیر سم کی ہجو لکھی تھیں۔ فدی کی بھی ہجو لکھی  
 چنانچہ پانچ اب تک میرزا کے کلیات میں موجود ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اجو  
 گوئی کا سلسلہ ایک عرصہ تک قائم رہا ہے۔ ان میں سے ایک ہجو میرزا نے  
 پنجابی زبان میں لکھی ہے جس کا مطلع ہے۔

پٹی جو سودا ہے کن یہ گل کہ فدوی جس کوں جاو تدا ہے  
 بھلے بے نوسے یار اکہ اکہ جو میندی ستا و تدا ہے  
 یہ دھر کہ ۱۸۶۷ء میں پیش آیا یہ

میر حسن فدوی کے متعلق لکھتے ہیں ۷

”فدوی مرے بود و خود غلط، برے مباحثہ و مجادلہ بہ فرخ آباد پیش  
 میرزا رفیع سلمہ اللہ آمدہ ہنگامہ برپا نمود بعد از ذلت بسیار بہ وطن خود  
 برگشت۔ یوسف زلیخا بزبان ریختہ گفتہ بود و بہم عالم می نمود، ہر کسے  
 کہ از دلفظ یرمی داشت از د محفوظ می شد۔ حالاً معلوم نیست کہ زندہ  
 است یا مردا و درست ۷

مڑہ کی نوک سینے میں نگاہ یارے ڈوبی کہ جیسے بھال تو ہے میں مری یکبارہ ڈوبی  
 نہ چھو رنگ مندی کا کفِ قائل پہ ایے یارو کسی کے خوں میں اس کے ماتہ کو تنوار ڈوبی  
 میں سوس کرتا ہوں کہ میر حسن کا فیصلہ فدوی کے حق میں چندان منصفانہ نہیں  
 ہے۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ خود فدوی کے ہم وطن اس کے حالات و  
 کمالات سے قطعاً بے خبر ہیں۔ اور نہ اس کی تصنیف یوسف زلیخا کا سراغ  
 ملتا ہے تاہم اس کی بلند پایگی میں شک نہ کرنا چاہئے۔ ذیل میں اس کے  
 کلام کا نمونہ درج ہوتا ہے۔ جو بعد تلاش حاصل ہوا ہے ۷

آنسو نہیں ہیں دیدہ تر میں بھرے ہوئے موتی ہیں آبِ اصدف میں ڈھرے ہوئے  
 ابرو تری تیغ سے سوچ ڈسے ہوئے پھرتا ہے اپنے منہ پر سپر کون ہے ہوئے  
 قالی کران کو دل کے نشانیں پہ ایک بار ترکش تری مڑہ کے ہیں چاروں سے ہوئے  
 لئے لگا کہ میری گلی کی طرف نہ آسے جاے دل نے یا تے ادھر کوں پسے ہوئے  
 بن کے میں نے عرض کی خدمت میں اس طرح لیکن دو دست بستہ ادب میں ڈسے ہوئے

جرات کہاں کہ آسکوں قرآن کی مستم ؟  
 لاتم ہے دل مرا مجھے آگے دھرے ہوئے  
 فدوی ہمارے دیدہ گریاں کے فیض سے  
 اشجار کوہ دوست کے کیسر ہرکے ہوئے  
 ~~~~~

## حضرت مراد شاہؒ

والد کا نام پیر کریم شاہ عرف مسیتا شاہ ہے۔ پانچ سال لکھنؤ و دیگر مقامات میں گزارنے کے بعد ۱۱۹۶ھ میں اپنے پدر بزرگوار کی معیت میں واپس اپنے وطن لاہور آئے ہیں تھے کہ شاہجہان آباد کے قریب قزاقوں سے مقابلہ ہوا۔ اور پیر کریم شاہ مائے گئے۔ اس افتاد سے دو سال اور وطن آنا نصیب نہیں ہوا۔

حضرت مراد شاہؒ کئی تصنیفات کے مالک ہیں۔ دیوان کے علاوہ متعدد چھوٹی چھوٹی مثنویاں یادگار چھوڑی ہیں۔ ۱۲۱۲ھ میں اپنے شاگرد حکیم علیم اللہ کی فرمائش پر قصہ چہار درویش نظم کرنا شروع کیا۔ اور کچھ حصہ نظم کر چکے تھے کہ پیام اجل آپہنچا۔ اور عین عالم شباب میں اسیس سال کی عمر میں دنیا سے ۱۲۱۵ھ میں کوچ کیا۔ مزار موضع مردانہ تحصیل شاہدرہ میں ہے۔

ان کی طبیعت غزل سے بہتر مثنوی پر جتنی ہے۔ اس میدان میں وہ کسی سے کم نہیں اور اہل ہندوستان کے دوش بدوش نہیں۔ متواتر سات سال ہندوستان میں رہنے کی بنا پر زبان بالکل صاف ہو گئی ہے۔ سلاست اور روانی کے علاوہ کلام میں سنجی موجود ہے۔ ۱۱۹۶ھ میں ایک منظوم خط

عزیزان وطن کو لکھتے ہیں جو نامہ مراد کے نام سے موسوم ہے۔ ادب ہمارے  
مخدوم جناب غلام دستگیر صاحب نامی کی سعی سے چھپ چکا ہے۔ اس خط میں  
اردو کی قبولیت کے ذکر میں فرماتے ہیں :-

وہ اردو کیا ہے یہ ہندی زبان ہے کہ جس کا قائل اب ساما جہاں ہے  
کلام اب تجھ سے میں ہندی باں میں کروں، شہرت ہوتا سا یہ جہاں میں  
کہ اب سمعت میں اس کی سب خنداں سمند طبع کو کرتے ہیں جولاں پا  
لطفت یہ نکالی ہے اسی میں کہ فطرت نہیں کچھ فارسی میں  
اسی کا شہرہ اب ہو جائے تنکب یہاں سے تا بایراں بل عرب تک  
خصوصاً شعر اب شاعر یہاں کے نہیں کہتے سبجز ہندی زبان کے  
غرض ہندی کا یہ چرچا یہاں ہے کہ شعر فرس مطعون زباں ہے  
یہ شعر بھی اب اس مضمون پر کی نہ کوئی فارسی پوچھے نہ ترکی پا  
نہیں ہندی سخن میں نقص ممکن لطفت ہے بہت سی اس میں لیکن  
نہ شاعر ہند کے یوں فی الحقیقت گئے لے فرس کے مضمون سبقت  
مجھوڑا فارسی کی استخزاں کو کیا پر مغز تب ہندی زبان کو

فماحت فارسی سے جب نکالی

لطفت شعر میں ہندی کے ڈالی

لفظ اردو کا استعمال ان کے ہاں تحسین کی طرح قدیم ہے۔ گویا  
تحسین نثر میں اور یہ نظم میں سب سے پہلے لاتے ہیں۔ میں ایک اور  
مثال ان کی شنوی چپا ردرویش سے دیتا ہوں :-

یہ قصہ جو ہے چار درویش کا اگر نظم ہو تو بہت ہے بجا  
لیکن ہو اردو زبان میں بیاں کہ بھاتی ہے ہر ایک کو یہ زبان

نامی صاحب ان کی مثنوی مراد العاشقین اور فارسی مجمع بند مریوں چھاپ چکی  
 ہیں۔ ذیل میں ان کا گس نامہ بطور نمونہ کلام ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جاتا  
 ہے۔

شہر لاہور قبۃ اسلام	روشن آفاق میں ہے جس کا نام
خوبی اس کی تھی شہرۂ آفاق	حسن کا اس کے تھا جہاں شقائق
اسفہاں ہے جو ایک نصف جہاں	خوبیوں میں نہ تھا کچھ اسکے کلاں
دور و نزدیک تھایں مشہور	اپنے نزدیک تھا بہت سادہ و
تھا عمارت سے یہ قوی بنیاد	ربیع مسکوں میں افتخار بلاد
تھا بہشت بریں بر سے زمیں	عجب انسان تھے اس مکان کے کہیں
ایک سے ایک تھے دو صد چنڈاں	سیلانک صفت ملے انسان
ادبیا و مشائخ و سادات	علما اک سے اک ستودہ صفات
شہر تھا یہ کہ کان علم و ادب	کان کیا بلکہ جان علم و ادب
کیا بہار اس کی میں کردن تحریر	شہر تھا یا مرقع تصویر
گلغنداروں چمن کی تھی بہار	گل تھے ہر ایک کے گلے کے ہار
کھینچتے تھے دکھا کے مرغ دل کو	خانہ خانہ میں تھے کہاں ابرو
عقل قبضہ میں کس کے رہتی تھی	جاں ہو قرباں دل سے کہتی تھی
تیر زدہ رکش آساں نیست	گوشت کرد آنکہ مرد میب را نیست
خوبرو تھے حیا سے سب موصوف	اور عاشق و نا میں تھے معروف
راہرو تھے سبھی طریقت پر	تھا قدم قنطر الحقیقت پر
اور جس کو کہیں عجزی تھا	شیوہ اس کا بھی پاک بازی تھا
جو کہ عالم تمام دیکھ آتا	سونہ و یکمہ اس کو پھر کہیں جاتا

رشک آبادی جہاں تھا یہ ۛ الغرض خوب ہی مکاں تھا یہ  
 سوڑ بھوننے لے ایسی زشتی کی خوبی اس قطعہ ہشتی کی ۛ  
 لے سکے دونخ میں ڈال دی یکبار وقتنا رینا عذاب النار  
 کوئی اس میں پڑا جو بوم قدم ہے اب اس نکا وجود رشک عدم  
 ہے مکاں کو ثمرت کمینوں سے نہ کہ دوں ہمتوں کمینوں سے  
 نہ وہ رونق نہ وہ صفائی ہے مکھیوں کی غزن دہائی ہے  
 نہ تو شاہ زماں سدائے لے مکھیوں کو گئے اجاہ دے  
 اسی صورت سے آگے احمد شاہ تھا گیا چھوڑ چوٹیوں کی سپاہ  
 گوز میں لی نفی سب انہوں نے گھیر مثل درانیوں کے ہو کے دلیر  
 راہ خالی نہ تھا جو کوئی چلے لیک رہتی تھیں چوتیوں کے تے  
 اب ہیں پر مکھیوں سے سب چار ہیں یہ گردن پہ آکا سب کی سوار  
 نہیں آرام ان سے رات اور دن کھا گئیں کان سب کے کرہن بہن  
 دن کو کیا کہئے بات کھانے کی اٹھ گئی رسم ہی پکانے کی  
 آتش جوع نے جگر کو کباب جس کے دل کوں کیا سو ہو تیاب  
 خشک ولی کہیں پکانا ہے کس مصیبت سے وہ بھی کھاتا ہے  
 اور قلیہ پلاؤ کھانے کون ہو سکے کس سے اور پکائے کون  
 پک گئی شب کہیں جو ٹھوڑی دال اس کے کھانے کا کیا لکھوں حال  
 ماش کا دیکھ بیچ میں جھلکا ۛ کھا کے دسواں وہ جو تھا دل کا  
 منہ سے لقمہ دیں اگل ڈالا ۛ دیکھو دال میں ہے کچھ کالا  
 یا یہ کہتے تھے کیا ہوا ہے لا تبولشت مجھ کو آتی ہے ..  
 اس میں پہنچی حکیم جی کو خبر نہ کوئی یا قوتی آئے وہ لے کر



مے اُدھر وہ زبان پر رکھتی + پڑ گئی ناک میں اُدھر کھتی +  
 ناپختی ہیں کہیں جو کچنیاں دیکھئے جا کے ملک و ماں کا سہا  
 ہے دھبیاں ان کو بھی یہ تاؤ نہیں کھتیاں پڑ نہ جائیں کانوں میں  
 اور پاؤں کی گت سے ہے منظور کھتیاں ہوں کسی طرح سے دور  
 ناپختے کا غرض ہسا ہے مدعا کھتیاں اڑانا ہے +  
 کھبیوں سے نہیں کسی کو نجات کچھ نہ پوچھو تنازیوں کی بات  
 جب کوئے بیچ ڈول ڈالے ہیں کھبیوں کا ہی بھر نکالے ہیں  
 کہنے جس دلت بیٹھے ہیں وہ وضو پانی مے متہیں کرنے ہیں تھو وضو  
 آہ بھرتا بھی ہو گیا ہے حال اور لکھنے کا کیا لکھوں احوال +  
 بیکے کا غریب کلک جب رکھی لکھتے لکھتے ہی یک قسم کھتی  
 سطر کی سطر ساری چاٹ گئی اڑ کے پھر آکھ پڑ بھی کاٹ گئی  
 جتنے گھوٹے تھے بوریا سرخنگا گُمسی ہو گیا ہے سبک رنگ  
 شہر میں دیکھ میں یہ ہنگامہ گاؤں میں آکھ گُمس نامہ  
 متصل شہر کے اٹاری نام + ہے مرید نکا اپنے جس میں مقام  
 ایک قالی ہے ان سے شہر نہ گاؤں کہ برابر ہے ان کو دھوپ پڑ چاؤں  
 دن کو گرتی ہیں یونکر صید بہ باز رات کو یہ اڑیں ہسا پر وار  
 سب پر تھے خطر سے بھول گئے اور درندوں کے پاؤں پھول گئے  
 کوئی حالت نہیں ہے انساں کی اور نہ صورت کوئی ہے حیواں کی  
 آہ قطع نظر زہر حیواں فتواں دید صورت انساں  
 ہیں کہ آگے نہ کہہ کچھ آج کی بت کہ مراد اب یہ ہے دعا دن رات  
 کھبیوں نجات پاویں سب ثابت دل سے کہ دیں چہیں سب

شہر پر پھر وہی سماں ہوئے      شکل بستے کی پھر وہاں ہوئے  
 نہ رہے کوئی فتنہ اور فساد      بے قفل شہر میں رہیں آباد  
 اخترِ غس کا عمل جا دے      سعد اختر کا دور پھر آئے  
 شہر میں ہو سدا سر آبادی      پھر وہی رونق اور وہی شادی  
 اور ہے اس کو تا قیام جہاں      فتنہ آخر الزماں سے اماں  
 تا بر آوے سمجھوں کے دل کی مراد  
 فید سے ، بیخ و غم کے ہوں آزاد  
 ~~~~~

## پیر سکندر شاہ امداد

حضرت مراد شاہ کے چھوٹے بھائی ہیں ۔۔ بیس سال کی عمر میں وفات  
 پاتے ہیں ۔ مزار خانقاہ غرت جہد الجلیل واقع لاہور میں ہے ۔ نمونہ کلام سے  
 بادہ و جام و ساقی و گل و دل      ہے نہیں بٹے اک رہ غیرت گل  
 شب میں احوال اس کا کہہ نہ سکا      شیشہ ہر چند کہہ رہا مثل مثل  
 زلف مشکیں کو دیکھ کر اس کی      کٹ گیا آج طرہ سنبھل  
 جس گل اندام کے لئے میں نے      کھائے اپنے بدن پر لاکھوں گل  
 سوا اشارہ میں اس کے خون میرا      لے گیا اس کا زنجیئے کا کل  
 دیکھ رہیں پری کو ہوش و حواس      آہ پرواز کر گئے باطل  
 فیض شاہ مراد سے امداد  
 ہم نے باندھے ہیں یختوں کے پل

# رام کشن

میں رام کشن کے ایک ترجیع بند سے جو لمبا ہے۔ صرف چند اشعار پر  
قناعت کرتا ہوں۔

|                                     |                                  |
|-------------------------------------|----------------------------------|
| توں بے وفاسے مجھ تیرے اقرار کی قسم  | بے اعتبار ہیں ترے اعتبار کی قسم  |
| ناگن کی بھانت ڈس کے میرا دل الٹ گئی | مرتا ہوں مجھ کو زلف سیدار کی قسم |
| خفت میں ہو گئی ہیں تری چال دیکھ کر  | سب کبک کو ہمار کی رنستار کی قسم  |
| نازک بدن ہے تیرا کروں صفت کیا بیاں  | شرمندہ گل ہوئے گل گلزار کی قسم   |
| نریاں بزیب و خوبی ادینہ نگہ کے بیچ  | کھاتی ہے تیرے سخن شکر بار کی قسم |

ہم ہیں نہ اپنے دھکوں چھپا شخ نازیں

تجھ کوں ہے رام کشن طلب گار کی قسم

(از بیاض پردیس آذر)

~~~~~

## فقیر اللہ

فقیر اللہ خانوادہ نوشاہیہ سے بیعت ہیں۔ اور شاہ امانت کے مرید ہیں  
 حاجی نوشہ متوفی ۱۳۸۵ھ اس سلسلہ کے بانی ہیں۔ شاہ امانت کلہاچی نوشہ  
 سے یہ واسطہ ہے کہ شاہ امانت حضرت عبدالغفور کے مرید ہیں۔ جو محمد حافظ  
 سے بیعت رکھتے ہیں۔ اور محمد حافظ محمد ہادی سے ارادت رکھتے ہیں جو بانی  
 سلسلہ حاجی نوشہ کے مرید ہیں \*

فقیر اللہ شمنوی درکنون کے مصنف ہیں۔ جو رمز العشق کی طرز میں  
 تصوف پر لکھی گئی ہے۔ اس میں ایک ہزار سے زائد ابیات ہیں۔ اور بحر بھی  
 تقریباً وہی ہے۔ سرخیوں کے طور پر اس میں دودھرے لائے گئے ہیں۔  
 اس کی تاریخ تصنیف ۱۲۷۵ھ "چراغ" کے اعداد سے برآمد ہوتی ہے۔ افتتاحیہ

اندھنا تیرے گن گداں	ہر دم تیرا نام دھیا داں
اندھ بھی ست گور میں پایا	اچھا جا پ جس مجھے بتایا
کنٹ کنٹ کٹا لے کیا پارا	سو ہنک آہنک گئے پکارا
اچھا جا پ جپاڑے کو سوے	جس کا ہر دازل ہوے
سو ہنک ہونا کو حبان	سری شغل کا بھید پہچان
ہو اللہ ہے اچھا حیا پ	جب میں کنتیں کوتاں پاپ
باہر سو بھیتر اور آہنک +	اچھا جا پے سو ہنک آہنک
ہونا جب جس نے کسا +	سو جن ہو اللہ ہو رہا + +
ہونا جب ساک کے	دعوت دوار آہنک ہو رہے

آپنی ہر جی آپنی توں + انا انا ہو بولیں توں +  
 ہر ہر رنگی ہے بے چوں جس بیچونی ہیں سمجھ بیچوں  
 ہو جا پ سین پاؤے سکھ بن ہو اور سمجھ سے دیکھ  
 ہو جا پ ہی چوتھے پر کا + ساہو دپاؤے بھید اس جد کا  
 شاہ امانت بھید مبتا یا تو ہیں ان حد ناد بھیا یا

معنی اسم صفت کے جانوں بوجھ بھید اور سر پہچانوں  
 اسم مسمیٰ جانو میت سمجھ بوجھ کہ دھر بوجھیت  
 ہر ایک اسم کی شان پہچان لازم حفظ مراتب حبان  
 جس نے حق کوں سن سمجھ پہچانا حفظ مراتب لازم حبان  
 میں کیا کہتا ہوں دیوانہ + + سن کر طالب کر خوشیا نا  
 اوس کے سات مراتب جان ہر واحد کے حکم پہچان  
 فرق ارجع مو جان یہ نیک بہتر دونوں کوں جانو ایک  
 گور ایسے بوجھ منزہ ذات ناہو کا فرنا کمزرات (کذا)  
 ست گور میں یہ بھید پہچان پھر دونوں کو ایک ہی جان  
 ایک ہی ایک ہے ایک ہی ایک سمجھ لیو اور بوجھو نیک +  
 آپے عابد ہے معبود + آپے ساجد ہے معبود +  
 وحدت عین کثرت ہے یار و ظاہر میں تم سمجھ بھپار و  
 ادراطن میں تیسر جان + کثرت کوں وحدت پہچان  
 کل اسنا کی واجب حبان قائل بیچ ہشیا کے مان  
 سبہ اسما کیا قافی + جانو حارث اور نقصانی

خانمہ سے سرکنوں کا جس نے جانا اپنے آپ کوں آپ پہچانا  
 فقیر افتد کیا کسی بات سرکنوں ہے شاہ کی ذات  
 شاہ ہمارا شاہ ہمارا کل عالم کا سرجن ہارا  
 سرکنوں کے سن کوں جان یعنی عدد "چراغ" پہچان  
 سرکنوں کو کیا تمام ہا شاہ جیلانی کالے کر نام  
 ہے وہ سید عبدالقادر ظاہر باطن اول آخر  
 عبدالقادر پیر ہمارا محی الدین نام رکھا پوسے ظاہر باطن قادر ہو کہ ترکو بھر چھا پوسے



## رحمت شاہ

رحمت شاہ ثنوی شیریں فرما دکا مالک ہے جس میں ہر نو دس اشعار کے بعد  
 بند کے طور پر دو ہرے آجاتے ہیں۔ اس ثنوی کی زبان بھاشہ اور پنجابی آمیز ہے  
 اور لطف یہ ہے کہ کبھی پنجابی غالب ہے اور کبھی برج۔ رحمت شاہ نے اپنے متعلق کچھ  
 نہیں لکھا۔ حتیٰ کہ ہم کتاب کے نام ذیابخ نیز مصنف کے زمانہ سے بے خبر ہیں۔  
 پوری وہ اپنا وطن بتاتا ہے جہاں جگدیو کا استہان ہے۔ یہاں اس کے والدین  
 اگر آباد ہو جاتے ہیں۔ اس کے والد نے سات مرتبہ حج کیا ہے۔

ابتداء۔

اول نام صاحب لے لے پاتھے ڈر سیکان کیجیے جیوت جواں ادپائے ہر حرکت سنالائے  
 ادو داتا سمجھن سائیں پائے سمجھن کو ہر جائیں اول کما کیوں کھبانو ادی جوت کی کلاخانو  
 لاکھ جیوت جوبل میں ہیں تازا رزق ہمیشہ ہیں پنچہمی اور پرلے ٹھقی کئے جون کی شکل بخاتی

خیر لھیندا ادہ کرتارا اونی وار پر کریں کیا  
دھری کونیں پاپا ہے باپی کون نہیں رہتا  
ہر میں ہر جانا کون کرے ہر نہایتا پانچ رزق پوچھا  
ہو جو کئی نظر نہ آد  
رحمت شاہ اپنے وطن کے متعلق یہ بیان دیتا ہے

اگر اُن بے سوا و اگر بیچ ناں لوک ملاوا  
دوار دار پر کھڑے تھکا دیو دھوک باجے مر دگا  
ہر دین کو پراد پکڑے کرتے پرش گئے اوناے  
نس دتے مدہ تے ہیں شتر و سوس ستر کہیں  
پوری نام جلدیو نہاں نگر لوکات خیر جاناں  
ہم بستے ہیں نگر میں دیاد صرم کا روپ کل میں  
مات پتا ہر جب آئیو اینس استہاں بنائیو  
پچم اوئے سیر جگ کینا ایناں آئے سکھ پست لیتا  
مات بار حاجی ادہ بھٹے پھر جا دینے سے  
انت کال اس نگر میں آئے کیا اسرام  
سہ کالج پوسے ہوئے نال رشت نام

خاتمہ

دیو گل اکتھے ہوئے جلد دیکھو فرما دجو مھے  
کیا ہونا فرما دتی تائیں کتنے جو مار دیا اتنا میں  
کہہ سادی اوں کیا کچھ کیتا عاشق مار دیا پکیتا  
نائق ہے بدل جو کرو کتنے کوں لی پردہ در  
دل دیواں یہ بات بناں کتنے کے گل پاؤ پچا ہی  
اومار کر بوہت جیالا اوہ کتنے منہ احوالا  
اودر کیتا سب کچھ پادے بدلا دہ صاحب دھلائے  
دیکھے سر نیچر دیا میں بدلا دہ چھویندا ناہیں  
اودہ بدکار جو مار کر کیتے بوہت بے حال  
رحمت شاہ شے چل دہ سنی مول نہ ڈال  
~~~~~

## عبدالرحمن خلدی

خلدی کا زمانہ تیرھویں صدی کا پہلا منصف تصور کرنا چاہئے۔ اگرچہ  
کلام میں قدامت کی جھلک ہے

گھونگٹ دُدر کر کھ دکھائے سجن دل عاشقاں تاستائے سجن  
دبا جن نے جوین کرم سے تنجھے خدا کا کرم تا چھپاے سجن  
جدائی تیری سے جلا جان و دل جلے کا جیانا جلا رے سجن  
کرم کر نہ بکا۔ کے واسطے نرے عشق میں مرچکے سجن  
مے خون کا کیا کر و گئے جواب جو پوچھیا گاتم کو خدا سے سجن  
جدائی تری سے تو میں مر رہا مرے حال پر کر دیا سے سجن  
وفا ابتدا میں بھلا چھوڑنا تنجھے کس کہا سو بتاے سجن  
سنبھالو محبت کا قول و قرار کرو یاد اپنا خدا رے سجن

کوئی دن تو دل بیٹھو خلدی کے ساتھ

نہیں جگسوں رہنا سدا سے سجن

(از بیاض مولوی محبوب عالم ایڈیٹر پیسہ اخبار)



# غلام قادر جلال پور یہ غلام تخلص

اس کا زمانہ معلوم نہیں لیکن تیرھویں صدی کے نصف اول میں اس کو  
جگہ دی جاتی ہے۔ کلام میں فارسی ترکیبیں زیادہ غالب ہیں۔ غزل ذیل سراج  
دکنی کی مشہور غزل کے جواب میں لکھی ہے۔

تسے شمع کی تابحال سے قمر کی وہ قمری دہی      نہ سمن کی سیم بری ہی نہ چین کی جلوہ گری ہی  
کے خوش خرامی کی طرزیں تسے مرقہ کی باری      یہ مومن ہمیشہ ہوا میں عین خیال کبکے ہی  
بہناج حضرت عشق جیسا دین نسخہ صلیح کل      نہ کسی جگہ بدل را نہ کسی سے کینہ وری ہی  
بغیاں صافی جسم تو شدہ خواب غفلت غفیری      گئی باد کی جھلک انہ ڈرا بی تاب رہی ہی  
ہوئے موج خیز قفا میں ہم کہاں شوقی جب آشنا      اسی جل جوش بلا میں بھی مومن اغ دھری ہی  
دل دیں کیا ہے فدا میں تحب عشق بیچ چھٹا ہوں      نہ رہے کچھ ترختا دق بہی سیواں سہری ہی  
بملاوت لبعل تو کسے سبر دعوی ہسری      براد دل تو سدا گرہ بھڑائی نے شکری ہی  
دیکھو مجھ زخیر کیا ہے تسے حسن شاہ کے و بر      نہ کمال شان ملک نہ مجال حسن پری ہی  
کیا منزل کوں جدا را رہ دور کبستہ عاشقی      پیرا د فاطر عاشقان اسی راہ میں سفری ہی

نگہ عنایت یار کی کروں کس نہ باقی سفتیاں

کہ کرم سے حال غلام پڑ ہی عین خوش نصیبی ہی

(از بیاض مولوی محبوب علی ایڈیٹر پلسا اخبار)

# نثر پوتھی سلوتری کی

نثر نظم سے نسبتاً کمتر لکھی گئی ہے۔ اور اس کے نمونے کمیاب ہیں۔ میں یہاں ایک ایسے رسالہ کا ذکر کرتا ہوں جو غالباً بارہویں صدی کے اواخر میں لکھا گیا ہے۔ یہ ایک فرس نامہ ہے جو دس فصلوں اور تیرہ اوراق پر مشتمل ہے۔ اس کا آخری ورق مفقود ہے۔ کاتب کوئی غیر مسلم ہے جس نے بسم اللہ کے بجائے ”ست گور پرشاد“ لکھا ہے۔ اس رسالہ میں فارسی و عربی کا استعمال کم دیکھا جاتا ہے۔ مصنف حروف ظرف و اضافت کی صورت میں کمی پنجابی اور کبھی اردو حروف لے آئے ہیں۔ سمار و افعال بھی بعض اوقات پنجابی ہیں۔ اور اگرچہ رسالہ اردو میں لکھا گیا ہے۔ لیکن ٹھیکٹ پنجابی لہجہ میں ہے۔ نمونہ :-

”پوتھی سلوتری کی پہچان ناں کھوڑیاں کا عیب سواب، عمر کا ذات کا روک کا، سو دس بھانت کا ہے :-

بھانت پہلی پیدا ہونے کھوڑے کے۔ دوسری کھوڑے کے سواد نے کی  
بھانت تیسری پہچان ناں سوکن اوکن کا۔ بھانت چوتھی پہچان ناں خمس کا  
بھانت پنجم پہچان ناں برساں کا۔ بھانت ششم مل دمول، اینیں کھوڑے  
کے۔ بھانت ستنی پہچان ناں ذات کھوڑے کی کا۔ بھانت آٹھویں پہچان ناں کھصیت  
(فاہصیت) کا۔ بھانت نویں پہچان ناں روک کا۔ بھانت دسویں کرنا علاج کا۔  
بھانت پہلی پیدا ہونے کھوڑے کے :- اک برہن فغانام اس کا

امدت تھا۔ اکن ہو تری تھا۔ اکن ہو تر سیدھو انکس کے جو آنکھیں میں پر یا  
 تھا۔ تس نے آنسو جو چلتے تھے۔ واہنی جو اکھ نے آنسو چلتے تھے۔ تس نے  
 کھو راہوت پھیا۔ بادیں اکھ تے جو آنسو چلتے تھے۔ تس نے کھوری ہوت  
 پھئی۔ پوتر جو اس برہمن کا تھا۔ اس کا نام سالوتر تھا۔ تن پوتر اپنے نوکھا،  
 اک پوتھی کھوریاں کی کر دیتے کوں اکن اردوک ا۔ علا ج جانیا جاسے۔  
 تس نیں او پوتھی کری "آپنا ہیں نام رکھیا"  
 یہ عبارت بے ربط اور اکھڑی اکھڑی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ  
 مصنف زبان پر عبور نہیں رکھتا۔

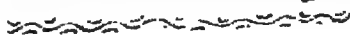
یہ سب باتیں

## ہزار مسائل

رسالہ ہزار مسائل فارسی کا ترجمہ معلوم ہوتا ہے۔ اور حفظ الرحمن صاحب  
 (حفظ العلوم) کی ملک ہے۔ اس کے مؤلف اور زمانہ ناالبق سے ہم بالکل بے  
 خبر ہیں لیکن اس کی املا اور افعال و اضافت کی جمع مؤنث کو دیکھ کر جو  
 قدیم طرز میں ہے ہمیں تیرہویں صدی ہجری کی ابتدائی ربع میں اس کا تبیین  
 کرنا ہو گا۔ کیاں بجائے کی۔ ہونگیاں بجائے ہونگی۔ چھتیاں بجائے چھتین  
 ہونیاں بجائے ہونیں وغیرہ قدیم شکلیں ہیں جو میرامن کے بہت جلد بعد  
 متروک ہو چکی ہیں۔ نسخہ ہذا ۱۲۸۸ھ مطابق سنہ ۱۹۳۰ء بمطابق ۱۸۴۷ء  
 کا نوشتہ ہے۔ نمونہ :-

جب کے نام مبارک نزدیک غبار انداز بن سلام کے پودنی شریطیں تعظیم

کیاں بجا لیا کہ نامہ معظمہ کوں پڑا اور اپنی اور اپنی قوم کوں اکٹھی کر کے  
 مضمون نامہ مبارک کا سنایا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
 جو آخری زمانہ کے پیغمبر تھے۔ ایک نامہ پاس رکھا بھیجا اور دعوت پاتے  
 دین کی کٹی ہے۔ لازم ہے کہ ہم سب لوگ ایمان لیاویں اور ان کی شریعت  
 اور دین کی پیروی کریں۔ کوئی متفق ہو کر جواب سناؤ۔ ان سب نے کہا کہ  
 اے عبداللہ ابن سلام تم سب لوگ علما ہمارے میں دانا تر ہیں۔ اور  
 نبیوں کی حقیقت اور ماہیت پر بڑے واقف ہیں۔ تماری مرضی کے خلاف  
 ہم نہیں کر سکتے جو تم فرمادیں سب راضی ہیں۔ لیکن یہ خیال ہم کوں آتا ہے  
 کہ کیونکر اپنے دین کوں چھوڑیں اور ان کے دین کی پیروی کریں۔ تب عبداللہ  
 ابن سلام نے کہا کہ اے لوگو تم سب جانتے ہو کہ تم کو بھییں معلوم ہو گا کہ  
 موسیٰ پیغمبر علیہ السلام نے خبر دی ہے۔ اور دوسرے پیغمبروں نے  
 بھی خبر دی ہے۔ اپنی اپنی قوم میں کہتے آئے ہیں کہ ایک نبی آخر زمانہ  
 میں نام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو گا اور جب اس کا زمانہ آویگا ہم سب  
 دین چھپ جاویگا۔ اور اسی کا دین مشرف ہو گا۔ اور مشرق تا مغرب تک  
 پھیل جاویگا۔ اور ہم سب کی کتاب اور شریعت منسوخ ہو جاویگی۔ اور  
 وہ سب یہ ہے کہ جو چیزیں ہمارے دین میں حلال ہیں وہ اس کے دین میں  
 حرام ہونکیاں۔ اور جو چیزیں ہمارے دین میں حرام ہیں۔ اس کے دین میں  
 حلال ہونکیاں۔ نوریت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور نوح علیہ السلام  
 علیہ السلام اور زبور میں حضرت داؤد علیہ السلام اور دوسرے صحیفوں میں  
 اویسیوں نے ارشاد فرمایا ہے کہ ان کتابوں کی پیروی کرنے والیوں کوں چاہیے  
 کہ اس پیغمبر کی شریعت میں داخل ہو کر ایمان لیاویں اور اپنے دل کو شمع دین  
 اس کی سیں روشن کریں۔ ۱۰





# غلام نام کتاب ہذا

| صفحہ وسط          | غلط           | صحیح          | صفحہ وسط    | غلط       | صحیح        |
|-------------------|---------------|---------------|-------------|-----------|-------------|
| الف (مقدمہ) سطر ۶ | والبستہ       | والبستہ       | ۴۲ - سطر ۱۰ | متروک     | ترک         |
| ج (۱۰۰) ۱۵        | تغلی          | تغلی          | ۴۳ - ۱۶     | ناظرین کے | ناظرین کے   |
| ج (۱۰۰) ۱۱        | منگ           | منگ           | ۴۹ - ۶      | جس بنا    | اس بنا      |
| ۴ سطر ۱۲          | مصع           | مصع           | ۵۰ - ۱      | متنی ۱۰۲۰ | متنی ۱۰۲۰   |
| ۱۰ - ۶            | ریختہ         | ریختہ         | ۵۲ - ۲۱     | غلط ہیں   | غلطی پر ہیں |
| ص ۱۸              | بھوں          | بھوں          | ۵۴ - ۱۲     | الفاظ کم  | الفاظ کو    |
| ۳۳ - ۱۴           | شمس العشاق    | شمس العشاق    | ۵۶ - ۳      | کڑی       | لاکڑی       |
| ۴ سطر ۱           | اردو قدیم میں | اردو قدیم میں | ۵۷ - ۲۱     | پنجاب     | پنجابی      |
| ۳۸ - ۶            | زبان          | زبان          | ۵۸ - ۵      | وراں      | براں        |
| ۳۹ - ۸            | ۵۵۸۳          | ۵۵۸۳          | ۶۰ - ۲۰     | ۱۰۳۰      | ۱۰۲۰        |
| ۳۵ - ۱۹           | زبانوں سے     | زبانوں میں    | ۶۱ - ۱۲     | ڈھنڈ      | دھنڈ        |
| ۳۵ - ۶            | اشعار         | شعر           | ۶۲ - ۸      | لفظ درجے  | لفظ درجے    |
| ۳۵ - ۱۵           | ہندوستان کی   | ہندوستان کی   | ۶۳ - ۱۹     | ناظرین کے | ناظرین کے   |
| ۳۵ - ۱۶           | میں           | میں           | ۶۴ - ۱۵     | تھا       | تھے         |
| ۳۵ - ۲۱           | چگیزی         | چگیزی         | ۶۵ - ۹      | ۶۲۲       | ۶۲۵         |
| ۳۵ - ۶            | مندان ہوا ہوا | مندان لاہور   | ۶۶ - ۱۰     | ۶۳۶       | ۶۲۶         |
| ۳۵ - ۲۰           | سنگانہ        | سنگانہ        | ۶۷ - ۱۴     | ۹۳۵       | ۹۲۵         |
| ۳۵ - ۲۱           | سنگانہ        | سنگانہ        | ۶۸ - ۱۳     | ۱۰۴۷      | ۱۰۴۷        |
| ۳۵ - ۳            | پیشریا        | پیشریا        | ۶۹ - ۱      | رایسا     | راسا        |
| ۳۵ - ۱۸           | علاقہ اقبال   | علاقہ اقبال   | ۷۰ - ۱۴     | کی حیثیت  | حیثیت       |
| ۳۹ - ۱۱           | جمع میں ہے    | جمع ہے        | ۷۱ - ۲۴     | ۶۲۷       | ۶۲۵         |
| ۴۰ - ۱۸           | توں           | توں           | ۷۲ - ۱۰     | سیراب     | سیراب       |

| صفحہ وسط | غلط    | صحیح      | صفحہ وسط | غلط   | صحیح     |
|----------|--------|-----------|----------|-------|----------|
| ۱۲۵      | سطر ۱۱ | پہار کے   | ۲۱۵      | سطر ۹ | خریق     |
| ۱۲۶      | ۲۰     | کہ یک     | ۲۱۶      | ۴     | اکار     |
| ۱۲۷      | ۲۱     | پتیاں     | ۲۱۷      | ۱۳    | نزال     |
| ۱۲۸      | ۱۲     | مملوک     | ۲۱۸      | ۵     | پونچ     |
| ۱۲۹      | ۹      | ۵۷۲       | ۲۱۹      | ۱۸    | واجب     |
| ۱۳۰      | ۵      | نزل       | ۲۲۰      | ۵     | حسینی    |
| ۱۳۱      | ۱۱     | کے        | ۲۲۱      | ۱۹    | بٹا      |
| ۱۳۲      | ۳      | ندادہ     | ۲۲۲      | ۱۹    | ازدیکا   |
| ۱۳۳      | ۴      | ۵۹۱       | ۲۲۳      |       | بٹا      |
| ۱۳۴      | ۱۱     | اسرائیل   | ۲۲۴      | ۹     | کی کے    |
| ۱۳۵      | ۱۸     | محموی     | ۲۲۵      | ۱۱    | ہائوں یک |
| ۱۳۶      | ۱۰     | منقول     | ۲۲۶      | ۳     | سجھو     |
| ۱۳۷      | ۱۰     | چیں       | ۲۲۷      | ۱۵    | تبجہ     |
| ۱۳۸      | ۵      | زبان مشرق | ۲۲۸      | ۵     | بحرین    |
| ۱۳۹      | ۵      | پنجابی    | ۲۲۹      | ۳-۴   | پندہاں   |
| ۱۴۰      | ۶      | اورج      | ۲۳۰      | ۸     | لاچی     |
| ۱۴۱      | ۱۴     | امکان کا  | ۲۳۱      | ۲     | اولیا    |
| ۱۴۲      | ۱۵     | مرہون     | ۲۳۲      | ۱۲    | تقاول    |
| ۱۴۳      | ۱      | اسکا      |          |       |          |
| ۱۴۴      | ۲۰     | کاس       |          |       |          |
| ۱۴۵      | ۲      | کاس       |          |       |          |
| ۱۴۶      | ۱      | خانوں کے  |          |       |          |
| ۱۴۷      | ۱۹     | ایہقان    |          |       |          |
| ۱۴۸      | ۲      | باطن      |          |       |          |





1915 12 1.9

**DUE DATE**

11/11/11

Handwritten text on lined paper:  
A line with a horizontal stroke and the number 9152109.  
A line with the number 9152109.  
A line with the number 9152109.

| Date | No. | Date | No. |
|------|-----|------|-----|
|      |     |      |     |